تلک اٰثارنا تدل علینا ٭ فانظروا بعدنا الی الاٰثارِ

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں

تیسری صدی سے پانچویں صدی تک کی دولتِ ماہانیہ سندان، دولتِ ہبّاریہ منصورہ، دولتِ سامیہ ملتان، دولتِ معدانیہ مکران اور دولتِ تنگلہ طوران کے عروج وزوال، نظام حکومت اور ملکی حالات کا عرب مورخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کی تصریحات کی روشنی میں بیان اسلام کے اس زریں عہد میں ان حکومتوں نے مرکز خلافت بغداد سے وابستہ رہ کر ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وثقافت کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں ان کا مفصل تذکرہ۔

مؤلفہ

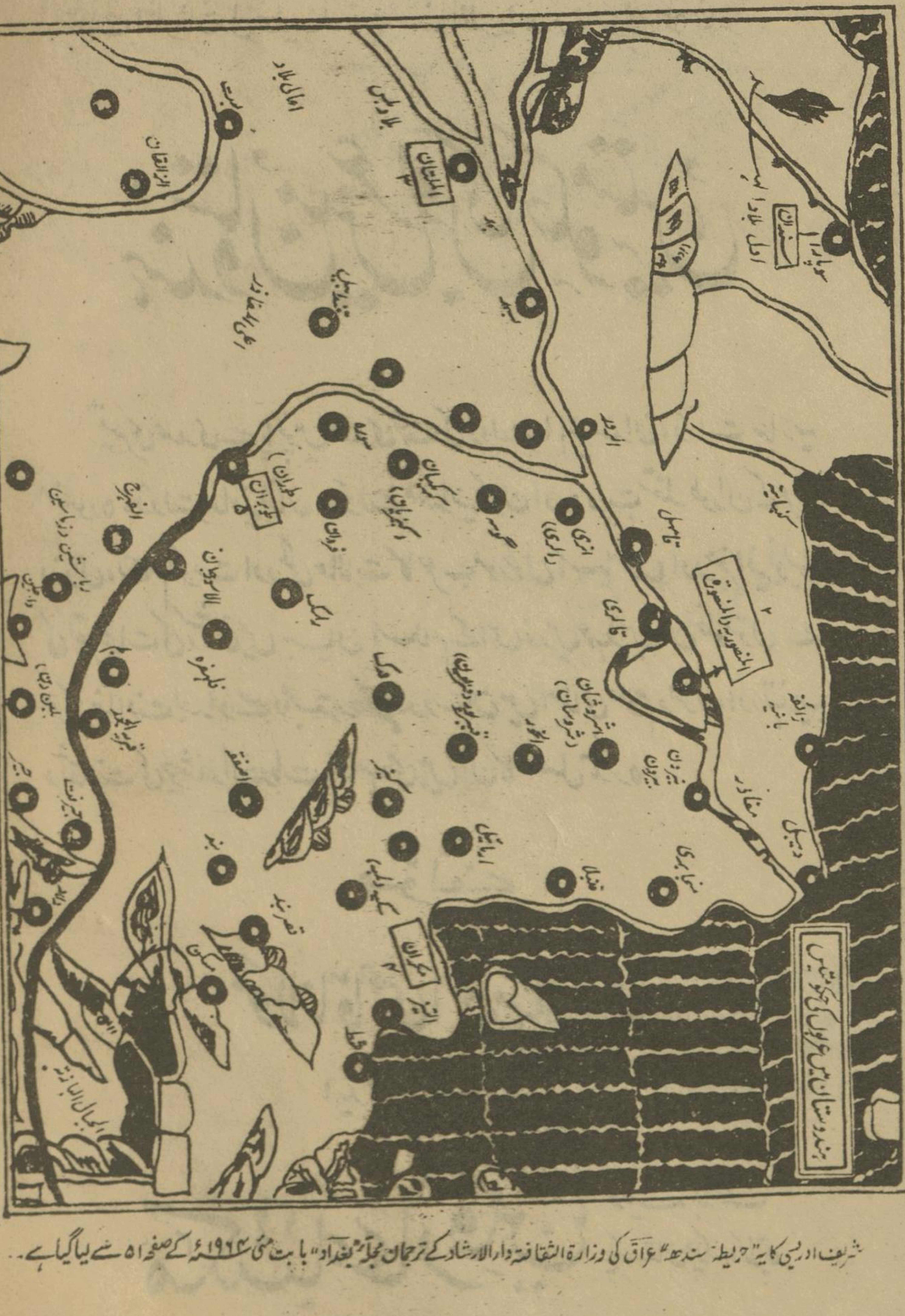
مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

ایڈیٹر البلاغ بمبئی

مکتبۂ عارفین

رقیہ بلڈنگ
پاکستان چوک کراچی

مطبوعہ: ایجوکیشنل پریس، کراچی



شریف ادریسی کا یہ "خریطہ سندھ" عراق کی وزارۃ الثقافۃ والارشاد کے ترجمان مجلہ "بغداد" بابت مئی ۱۹۶۴ء کے صفحہ ۵۱ سے لیا گیا ہے۔

فہرست مضامین

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں

دولتِ ماہانیہ سنجان ۳۳

دولت ہبّاریہ منصورہ، سندھ

نظام حکومت اور ملکی انتظامات ۱۰۲

دولتِ سامیہ ملتان ۱۶۹

عمومی تبصرہ وتجزیہ ۲۹۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵

"ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" اپنی خاص نوعیت کے لحاظ سے پہلی مفصل اور تحقیقی تصنیف ہے جس میں سندھ اور اس کے قرب وجوار کی ان مملکتوں کی جن کو عام مورخ صرف مقامی اور صوبائی درجہ دیتے ہیں، مرتب اور تفصیلی معلومات مہیا کی گئی ہیں، ہماری مشہور و معروف اور معتبر و مستند تاریخوں میں سلطان محمود غزنوی کی حکومت سے پہلے کے حالات نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ ان مورخوں کی رائے میں اسلامی حکومت قائم ہی اس وقت ہوئی جب کہ پرتھوی راج کی شکست کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے قطب الدین ایبک کو مفتوحہ علاقوں کا نائب مقرر کیا اور جس کی تکمیل علاؤ الدین خلجی کے عہد میں ہوئی انتہا یہ ہے کہ "تاریخ فرشتہ" جیسی مفصل اور محققانہ تاریخ بھی ان مملکتوں کے ذکر سے اس شکوے کے ساتھ خالی ہے کہ صاحب کتاب کو محمود غزنوی سے پہلے کے واقعات فارسی تاریخوں میں نہیں ملے۔

اصل یہ ہے کہ ہمارے بڑے بڑے مورخ غزنویوں، غوریوں، خلجیوں اور مغلوں کی شاہانہ شان و شوکت اور ظاہری آب و تاب میں کچھ اس طرح گم ہو گئے کہ ان کے حافظہ سے اس کروفر اور شان و شوکت کا اصل سرچشمہ ہی محو ہو گیا۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خطۂ پاک سندھ میں اگر داعیان اسلام کے قدم نہ جمتے اور یہ ریاستیں قائم نہ ہوتیں تو بعد کے یہ ترقی یافتہ اور تابناک دور کہاں سے آتے وہ سندھ ہی کی نسیم جاں فزا

تھی جس کے جھونکوں سے یہ بوئے گل پھیلی اور پورے ملک کے مشام جاں کو معطر کر گئی۔

فاضل مؤلف کے شوق جستجو اور ذوقِ تحقیق کی داد دینی چاہیئے کہ انہوں نے عربی کی سینکڑوں تاریخی کتابوں کے سمندر میں غوطے لگا کر یہ گوہر تابدار فراہم کئے اور مہبط اول سندھ کی عظمت وسطوت کی ایک اعلیٰ درجہ کی تاریخ مرتب کر دی۔

دوسری ہنگامی مشغولیتوں کی وجہ سے اگرچہ کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ کا موقع نہیں مل سکا پھر بھی جستہ جستہ حصوں پر نظر ڈالنے کی کوشش کی ہے مجھے یہ ظاہر کرنے میں مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ جناب مؤلف نے اپنی طاقت وصلاحیت کے مطابق کتاب کو زیادہ سے زیادہ دلنشیں اور مرتب ومہذب بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے کسی بہتر سے بہتر کام کو بھی حرف آخر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے ممکن ہی نہیں عین اغلب ہے کہ جب کبھی نقش ثانی کی نوبت آئے گی تو وہ نقش اول سے زیادہ بہتر اور زیادہ جامع ہوگا۔ لیکن اس وقت بھی جو کچھ ہے وہ فاضل مؤلف اور "ندوۃ المصنفین" دونوں کی شان کے مطابق ہے اور اس میں اس علاقے کی پانچ بڑی ریاستوں دولتِ ماہانیہ سندان دولت ہباریہ منصورہ، دولت سامیہ ملتان دولت معدانیہ مکران اور دولت متغلبہ طوران کے متعلق وہ سب کچھ آگیا ہے جس کی کسی محققانہ تاریخ کی ترتیب میں ضرورت ہوتی ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ گرامی قدر مؤلف نے یہ کتاب لکھ کر پچھلے تمام مورخوں کو بار قرض سے سبکدوش کر دیا ہے۔ امید ہے کہ ہمارے تاریخی لٹریچر میں اس کتاب کا اضافہ گراں قدر ثابت ہوگا، اہل علم اور اصحاب ذوق اس کی قدر کریں گے اور کتاب کو قبول عام حاصل ہوگا۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ
مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۶۷ء

عتیق الرحمن عثمانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ،

آیئے ہم اور آپ تھوڑی دیر کے لیے تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے عالم اسلام کے علاقۂ ہند و سندھ میں چلیں، اور یہاں کے آثار و علائم اور کھنڈروں کی سیر کریں، یہ راہ اب تو بہت قدیم اور تیرہ و تاریک ہو چکی ہے، اس میں چلنے کے لیے ہمیں اسی قدیم دور سے روشنی بھی ساتھ لینی پڑے گی، جس کی رہنمائی میں ہمارے قدم آگے بڑھ سکیں گے، ہمارا یہ علمی و تحقیقی رحلہ اور دینی و ثقافتی سفر ہندوستان کے مغربی ساحلوں سے شروع ہو کر سندھ کی آخری حدود پر ختم ہوگا، اس طویل سفر میں یوں تو قدم قدم پر ماضی کی منزلیں آئیں گی مگر ان میں پانچ بہت اہم ہوں گی، سندان، ملتان، منصورہ، مکران اور طوران، ان منزلوں میں ہمارے دین و ایمان اور شان و شوکت کے قافلے صدیوں ٹھہرے ہیں، اور ان کی عظمتوں کے تخت و تاج یہاں دفن ہیں، ان منزلوں میں ہمیں تھوڑی دیر قیام کر کے اپنی ایک ہزار سال پرانی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہے مگر جیسا کہ کہا گیا ہے اس میں ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے، اور اسی قدیم دور کے اسلامی سیاحوں، مورخوں اور جغرافیہ نویسوں کے چند دھندلے چراغوں کے سوا ہمارے پاس کوئی سامان سفر نہیں ہے۔ اس دور کی مسافرت ہو یا اقامت، بہرحال ہم ان ہی چراغوں کی مدہم روشنی کے مرہون منت رہیں گے، اور ہماری دیدۂ عبرت اور چشم بصیرت اسی کے سہارے سندان کے بنو ماہان، ملتان کے بنو منبہ، منصورہ کے بنو ہبار، مکران کے بنو معدان، اور طوران کے مختلف حکمرانوں کے تخت و تاج اور جاہ و جلال کا نظارہ کریگی۔

کارواں رفتہ و اندازۂ جاہش پیداست
زاں نشانہا کہ بہر رہگذار افتاد است

جس زمانہ میں مشرقی عالمِ اسلام میں آلِ صفار، آلِ بویہ، آلِ سامان اور آلِ سبکتگین اپنے اپنے اقبال و ظفرمندی کے دور سے گذر رہے تھے، ہندوستان کے یہ عرب حکمراں بھی تخت و تاج کے مالک تھے، مگر مسلمان مورخوں نے اپنی کتابوں میں ان کو بہت ہی کم جگہ دی ہے، جبکہ ان کے معاصر مذکورہ بالا حکمرانوں کے کارناموں کا ذکر عام طور سے پایا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس تابناک دور میں ہمارے مورخوں نے اسلامی شان و شوکت کی داستانیں مرتب کی ہیں، اس میں ہندوستان کی یہ حکومتیں اُن کی نظر میں ہیچ تھیں، پھر بھی ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر ان کا یہ احسان ہے کہ آج ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں، یہ ان ہی کی کتابوں کے بین السطور کا نتیجہ ہے، خود ہندوستان کے مورخوں نے تو اتنا بھی نہیں کیا کہ اس سلسلے میں دو چار سطریں ہی چھوڑ جائیں، چنانچہ یہاں کی فارسی تاریخوں میں سلطان محمود غزنوی کی سلطنت و حکومت سے پہلے کے حالات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

الحمد للہ کہ اسلامی ہند کی ابتدائی تاریخ کے سلسلے میں ہماری یہ تیسری کتاب شایع ہو رہی ہے، ۱۳۷۷ھ میں "رجال السند والہند، الی القرن السابع" (عربی) شایع ہوئی، جو ہندوستان اور عرب ممالک سے گذر کر یورپ کے علماء و محققین تک پہونچی، اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ دوسری کتاب "عرب و ہند عہدِ رسالت میں" بھی چھپ کر شایع ہو چکی ہے اور ایک مصری فاضل مصر میں اس کا عربی میں ترجمہ فرما رہے ہیں، اور اب یہ تیسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" ملتِ اسلامیہ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ہم نے ہندوستان کے اس دورِ بہار کو نہیں دیکھا ہے، مگر اس کی رُوداد سے دورِ خزاں میں اندازۂ بہاراں کر سکتے ہیں؛

وأذكر أيام الحمى، ثم انثني
على كبدي من خشية أن تصدعا

قاضی اطہر مبارکپوری، بمبئی۔ لیلۃ العید ۱۳۸۴ھ ۳ فروری ۱۹۶۵ء

ہندوستان میں
عربوں کی حکومتیں

دوسری صدی ہجری کے آخر ہی میں اسلام عرب میں اندلس تک اور مشرق میں ہندوستان اور سندھ تک پہنچ چکا تھا۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں پر اس کا سایہ پڑ رہا تھا اور ان کے شہروں سے لیکر میدانوں تک میں یقین و عمل کی بیداری پیدا ہو رہی تھی، مجاہدینِ اسلام اپنے جھنڈوں کے سایہ میں آگے بڑھ رہے تھے اُن کے پیچھے علمائے اسلام کتاب وسنت اور دینی علوم کی بساط بچھاتے جاتے تھے، اور عوام اسلام کے زیر سایہ امن و امان کی زندگی بسر کر رہے تھے، ہر طرف اسلامی قدریں ابھر رہی تھیں، شہروں اور آبادیوں میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا چرچا ہو رہا تھا، عبّاد و زُہاد کا مشغلہ زہد و تقویٰ، علماء و محدثین کا حلقۂ درس، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا زور، کفر و شرک کے اندھیروں میں توحید و رسالت کی روشنی، اور مشرق سے لے کر مغرب تک ایک نئی قوم کا وجود، یہ تمام باتیں پوری دنیا کو اقبال مندی کا مژدہ سُنا رہی تھیں، اور اس نئے دور میں مسلمانوں کی دینی، علمی، فکری، ایمانی اور اسلامی قدریں پورے انشراح و نشاط کے ساتھ ابھر رہی تھیں، مغرب اقصیٰ اور اندلس سے لے کر خطا اور سندھ تک "امت وحدہ" کی تشکیل ہو رہی تھی،

سندھ سے گزر کر ہندوستان کے بہت سے علاقے پہلی صدی ہجری کے آخر تک اسلام کے زیرِ نگیں آ چکے تھے، بنو امیہ کے حکام و عُمّال اور ان کے بعد بنو عباسیہ کے حکمران سندھ پر قابض و دخیل تھے، اور یہ علاقہ اسلامی خلافت کے ماتحت عالمِ اسلام کا ایک قانونی حصّہ قرار پا چکا تھا

اس کے بعد تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا زمانہ اسلامی فتوحات کا عہد شباب تھا اس دور میں مسلمانوں کی ہر بستی اسلامی علوم و فنون اور دینی رجال کا گہوارہ تھی، زندگی کے ہر میدان میں مسلمان قوم قافلہ در قافلہ رواں دواں نظر آتی تھی، بحر و بر، اور خشک و تر اُن کے نشانِ قدم سے معمور تھے، اس دور میں اگرچہ مرکزِ خلافت کمزوریوں کا نشانہ بن رہا تھا اور جگہ جگہ چھوٹی بڑی حکومتیں اور خود مختاریاں قائم ہو رہی تھیں لیکن اسلامی زندگی کا دور اور عام مسلمانوں کا حوصلہ اس کے باوجود شباب پر تھا اور حکمرانوں کی چپقلش عام اسلامی ذہن و مزاج پر اثر انداز نہیں تھی، عام طور سے مشرق کی خود مختار حکومتیں مرکزِ خلافت سے وابستہ تھیں اور خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھ کر اس کی اطاعت و خوشنودی میں کام کرتی تھیں اس طرح اس وقت بھی مشرق و مغرب میں ایک ہی نظام رائج تھا۔ اور اس کی حیثیت داخلی انتظام کے تنوع کی تھی، اس دور میں سندھ کے دو شہر دیبل اور منصورہ عراق کے شہر کوفہ اور بصرہ کی ہمسری کر رہے تھے۔

سندھ کے یہ دونوں مرکز اسلامی علوم و فنون مسلم تہذیب و تمدن اور دینی ذہن و مزاج کے گہوارے تھے، یہاں کے تجار ایک طرف براہ خشکی سمرقند و بخارا، خراسان، چین اور ایشیائے کوچک تک آتے جاتے تھے اور دوسری طرف براہ سمندر عمان و سیراف، بغداد، بصرہ اور یمن بلکہ اس سے آگے بحر روم سے ہو کر شام اور حدود یورپ تک تجارتی سرگرمی دکھاتے تھے، اور علماء و محدثین عُباد و زہاد اور دینی و علمی رجال عالم اسلام میں پھیلے ہوئے اپنا کام کر رہے تھے، چنانچہ اس دور کی تاریخ و رجال کی کتابوں میں دیبل اور منصورہ کے علماء کے تذکرے اسی انداز میں ملتے ہیں جس انداز میں بغداد و بخارا اور مصر و شام کے علماء کے تذکرے موجود ہیں، اسلامی سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے سندان، سندھ، ملتان، منصورہ، دیبل، مکران، طوران وغیرہ کے حالات اور مقامات کا تذکرہ اپنی کتابوں میں عالم اسلام کے ایک قابلِ قدر حصہ کی حیثیت سے کیا اور یہاں کے ایک ایک شہر و قریہ کی مسافت ناپ تول کر درج کی، ہمیں اس دور کے سندھ اور ہند کی چند مسلم حکومتوں کا کھوج لگا کر دکھانا ہے کہ ماضی میں یہ ملک اسلام کی برکتوں سے کس قدر

مالامال تھا اور مسلمانوں نے یہاں پر کیا کیا کارنامے انجام دیئے ہیں؟

ہندوستان میں عربوں کی حکومتوں کا پس منظر معلوم کرنے کے لئے ان سے پہلے عالم اسلام کے عام حالات کا سرسری جائزہ ضروری ہے، تیسری صدی کے وسط میں اسلامی خلافت کو بہت ہی شدید قسم کے داخلی فتنوں سے دوچار ہونا پڑا، اور حدود خلافت میں جگہ جگہ بغاوتوں اور شورشوں کے ذریعہ استیلاء وغلبہ کی کوشش کی گئی،

ان میں علویوں نے بڑی منظم تحریک چلائی، جو مشرق سے لے کر مغرب تک پورے عالم اسلام میں علانیہ سے زیادہ خفیہ کام کر رہی تھی۔

افریقہ میں ابوعبداللہ شیعی نے عبیداللہ مہدی کے حق میں دعوت عام کی، جس کے نتیجہ میں عبیدیوں اور فاطمیوں نے مصر وافریقہ پر قبضہ کرلیا، ان کے غلبہ کی وجہ سے افریقہ، مغرب اقصیٰ، مصر اور شام کے تمام علاقے اور ممالک عباسی خلافت سے نکل گئے۔

۲۵۰ھ میں افریقہ اور قیروان کے بنو اغلب نے مصر وشام میں مستقل حکومت قائم کر رکھی تھی ان کے بعد ان کے موالی بنو طغج نے دوسری سلطنت قائم کی جو ۳۶۰ھ تک رہی اور پورا اندلس پہلے ہی بنو عباس سے الگ ہو کر بنو امیہ کے قبضہ میں جا چکا تھا۔

ادھر مشرق میں علوی داعی حسن بن زید بن محمد نے طبرستان میں اپنی دعوت عام کی، اور اس کے اطراف وجوانب پر قبضہ کر کے ۳۰۱ھ میں اپنے بھائی اطروش سے حکومت چھین لی بعد میں طبرستان کے نواح میں دیلمیوں نے اپنی حکومت قائم کی،

۲۹۰ھ میں یمن میں رئیس بن ابراہیم طباطبا علوی نے فرقہ زیدیہ کے حق میں دعوت شروع کی جس کے نتیجہ میں یمن کے اندر زیدی حکومت قائم ہو گئی تھی جس کا خاتمہ ابھی تیسرے سال ہوا ہے،

۲۵۵ھ میں صاحب الزنج کے لقب سے ایک شخص نے خروج کر کے بڑی شورش برپا کی، اس کا نام علی بن محمد بن عبد الرحیم تھا، وہ قبیلہ عبدالقیس سے تھا مگر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ علی بن محمد بن احمد بن عیسیٰ بن زید [illegible] ہے، البصرہ کے زنج اس کے ہمنوا بن گئے، اس نے بصرہ، ابلہ اور عبادان وغیرہ

پر قبضہ کیا یہاں تک کہ وہ معتمد کے زمانہ میں ۲۷۰ھ میں قتل کیا گیا، مگر اس کی اولاد مدتوں نواحی بصرہ میں شورش برپا کرتی رہی۔

۲۷۸ھ میں بحرین اور عمان میں قرمط نامی ایک شخص ظاہر ہوا، جس کا دعویٰ تھا کہ وہ امام جعفر کے صاحبزادے اسمٰعیل کی اولاد سے ہے، اس کے دو ساتھی حسن جمالی اور زکرویہ قاشانی نے بحرین اور عمان پر قبضہ کیا، یہ قبضہ چوتھی صدی کے آخر میں ختم ہوا۔

۲۵۳ھ میں یعقوب بن لیث الصفّار نے خراسان میں ایک الگ حکومت قائم کی، اور آل صفار مدتوں حکمران رہے،

۲۶۰ھ کے آخر میں خراسان کے بالائی علاقہ ماوراء النہر میں بنو سامان نے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی جو چوتھی صدی کے آخر تک باقی رہی،

جب سامانی حکومت کے دن پورے ہوئے تو آل سامان کے غلام بنو سبکتگین میں یہ حکومت منتقل ہوکر غزنہ (غزنین) پہنچی، جس میں عظیم فاتح و حکمران سلطان محمود غزنوی گذرا ہے، دولت غزنویہ چھٹی صدی ہجری تک قائم تھی، اور اس کے زوال پر غوری سلطنت کا دور آیا، جس میں غیاث الدین غوری، اور شہاب الدین غوری جیسے فاتح و حکمران گذرے ہیں، ۳۲۳ھ میں دیلم میں ایک دوسری حکومت قائم ہوئی اور بنی بویہ نے پورے خراسان پر قبضہ کر کے مرکز خلافت بغداد تک کو اپنے قلمرو میں لے لیا، اور خلیفہ ان کی ماتحتی میں امیر المومنین بنا، آلِ بویہ کی یہ حکومت اس زمانہ میں عالمِ اسلام کی سب سے بڑی حکومت و طاقت تھی اس میں عضد الدولہ جیسا نامور حکمران گذرا ہے، یہ بھی شیعی حکومت تھی،

الغرض پورے عالمِ اسلام میں مشرق سے مغرب تک الگ الگ حکومتیں قائم تھیں، اور عباسی خلفاء برائے نام خلیفہ بن کر بغداد میں رہتے تھے اور صرف عراق کے علاقہ سواد اور دجلہ و فرات کے درمیانی علاقہ جزیرہ تک ان کی حکومت و خلافت تھی، ان ہی حوادث و فتن کے دور میں ہندوستان اور سندھ میں بھی نئی حکومتیں اور خود مختاریاں قائم ہوئیں جن میں سے اکثر نے

بنو عباس کے نام کا خطبہ پڑھ کر اپنے کو مرکزِ خلافت سے وابستہ کیا، اور سرکشی و بغاوت کے مقابلہ میں وفاداری اور اطاعت کا ذہن و مزاج باقی رکھا،

ہندوستان اور سندھ کی خود مختاریوں کے بارے میں یہ بات خاص طور سے مدِ نظر رہنی چاہیے کہ یہاں پر مقامی قبایل اور افراد نے خلافت کے مقابلے میں کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ خود عربوں نے یہاں اپنی حکومتیں قائم کیں، خراسان اور عجم میں آلِ صفار، بنو سامان، دیالمہ، غزنویہ اور غوریہ، یہ سب حکمران عجمی قبائل سے تھے جنہوں نے اپنی اپنی حکومت اپنے اپنے علاقوں میں کھڑی کرلی، مگر ہندوستان اور سندھ کے اس دور کے حکمرانوں میں یہاں کا کوئی باشندہ نہیں تھا بلکہ سب کے سب عرب خاندان و قبائل سے تھے، ہند و سندھ کی ان آزاد و خود مختار حکومتوں میں پانچ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں:۔

(۱)	دولت ماہانیہ	سنجان (ہند)	از حدود ۱۹۸ھ تا حدود ۲۲۶ھ	مدت حکومت تقریباً ۳۰ سال
(۲)	دولت ہباریہ	منصورہ (سندھ)	" " ۲۴۷ھ " ۴۱۶ھ	" ۱۷۰ "
(۳)	دولت سامیہ	ملتان (پنجاب)	" " ۲۸۰ھ " ۳۶۰-۷۰ھ	" ۷۵ "
(۴)	دولت معدانیہ	تیز (مکران)	" " ۳۴۰ھ " ۴۷۱ھ	" ۱۳۰ "
(۵)	دولت متغلبہ	قصدار (طوران)	" " ۳۴۰ھ " ۴۷۱ھ	" ۱۳۰ "

ان پانچ مستقل حکومتوں کے علاوہ ان میں سے بعض کے اندر ایسے مستقل حکمران تھے جو براہِ راست خلیفۂ بغداد سے تعلق رکھتے تھے، حالاں کہ ان کی حیثیت بڑے زمیندار اور جاگیردار سے زیادہ کی نہیں تھی، جیسے مطہر بن رجاء۔ صاحب مشکی علاقۂ مکران (۳۴۰ھ) اور ایل حکمران علاقۂ طوران۔

الغرض دولت ماہانیہ سنجان کے قیام ۱۹۸ھ سے لے کر دولت معدانیہ مکران اور دولت متغلبہ طوران کے خاتمہ ۴۷۱ھ تک کی درمیانی مدت جو کم و بیش پونے تین سو (۲۷۵) سال ہے ہندوستان میں عرب حکمرانوں کی حکومت کا زمانہ ہے جس میں خلافت عباسیہ کی ماتحتی میں ان

حکومتوں کو یہاں قیام و ثبات ملا۔ اس مدت میں ان حکومتوں نے ہندوستان میں اسلامی علوم و فنون اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے لئے نہ صرف زمین ہموار کی بلکہ اس چمن کی آبیاری اور تختہ بندی بھی کی، اور ہندوستان کو عالم اسلام کا ایک قابلِ قدر حصہ بنایا، جب دولتِ غزنویہ (۳۶۶ھ تا ۵۸۲ھ) نے ان پر قبضہ کیا تو اسے یہاں سجا سجایا گلستاں ملا، اور اس نے "نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اول" کے اصول پر ہندوستان میں بڑی شاندار اور کامیاب حکومت کی، جس سے مشرقی عالم اسلام میں ہندوستان کو بڑی اہمیت و عظمت حاصل ہوئی، اس کے بعد دولتِ غزنویہ کے زوال کے نتیجہ میں دولت غوریہ کا ظہور ہوا، جس نے عربوں اور غزنویوں دونوں کے ساختہ و پرداختہ گلستانِ ہند کی وراثت سنبھالی اور ۶۰۲ھ تک اس ملک میں اسلامی علوم و حضارت اور دینی ذہن و مزاج کے نمائندے کی حیثیت سے اپنے ذوق کے مطابق کام کیا الغرض عجم کی دولت غزنویہ ہو کہ دولت غوریہ دونوں نے دولتِ عربیہ کی جانشینی اور وراثت پاکر یہاں حکومت کی، اور عربوں کے ادھورے خاکے میں رنگ بھرا۔
والفضل للمتقدم،

---

(۱)

دولتِ ماہانیہ سنجان[1]

مسلمان جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں کی تصریح کی رو سے سندھ اور ہندوستان دو الگ الگ ملک تھے، اور دونوں میں متعدد چھوٹے بڑے راجے مہاراجے حکومت کرتے تھے، ابن خرداذبہ نے سندھ کے بعد اوتکین نامی ساحلی شہر کو ہندوستان کا پہلا علاقہ شمار کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ مہران (دریائے سندھ) سے اونکین تک جہاں سے ہندوستان کی ابتدا ہوتی ہے چار دن کی مسافت ہے[2] اور یاقوت حموی نے قامہل نامی شہر کو بلادِ ہند کا پہلا مقام قرار دیا ہے[3] اسی طرح اصطخری نے مُدُنِ ہند میں پہلے قامہل کو لکھ کر کھمبائت، سوپارہ، سندان، جیمور، ملتان، جندادر اور بسمد کو شمار کیا ہے[4] یہی سندان (سنجان) دولتِ ماہانیہ کا دارالسلطنت ہے، ہندوستان کے اس مغربی جنوبی ساحلی علاقہ پر مہاراجگان ولبھی رائے کی حکومت تھی جن کی عملداری قامہل سے لے بلادِ کوکن تک عام تھی اور ان میں مذکورہ بالا بڑے بڑے مرکزی شہر تھے، ان کا دارالسلطنت مانکیر (منگرور) تھا، ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں اسے علاقۂ سومنات میں شمار کر کے اس کا نام بندر منگلور بتایا ہے (ج ۲ ص ۱۱۷ و ص ۱۱۸) آجکل اسے مانگرور اور مانگرول بھی کہتے ہیں، یہاں کے حکمرانوں کو عرب بلہرا کہتے تھے۔ موجودہ مہاراشٹر و گجرات کے اکثر ساحلی مقامات پر ان کا قبضہ تھا،

[1] دولت ماہانیہ سندان کے عنوان سے یہ مقالہ مجلہ "معارف" مارچ، اپریل اور مئی ۱۹۵۹ء میں شایع ہوا تھا، مگر اب اس پر نظر ثانی کے بعد اس کی شکل ہی بدل گئی ہے۔ [2] المسالک والممالک ص ۶۲، [3] معجم البلدان ج ۷، ص ۱۸۔ [4] مسالک الممالک ص ۷۳،

جن میں کوکن بھی شامل تھا، عرب جسے بلاد کم کم بلاد الارز (چاول کا دیس) اور بلاد الساج (ساگوان کا دیس) کے نام سے یاد کرتے تھے، البیرونی کے بیان کے مطابق کوکن کا مرکزی شہر تھانہ تھا، جہاں راجہ بلہرا (وبھی رائے) کی طرف سے گماشتے حکومت کرتے تھے، اسی طرح اس سے متصل بلادِ صیمور (چیمور بمبئی عظمیٰ) میں بھی اس کا نائب حکمران ہوا کرتا تھا، بلاد چیمور کا لفظ تھانہ، سوپارہ، اور سندان وغیرہ کو شامل تھا، ہندوستان میں بلاد چیمور ہی سے اسلام اور مسلمانوں کا سب سے پہلے علاقہ یوں قائم ہوا کہ عہد فاروقی میں ۱۵ھ میں مجاہدین اسلام کی ایک غیر سرکاری رضاکارانہ جماعت نے تھانہ میں قدم رکھا، اور ۱۹۸ھ و ۲۲۶ھ کے درمیان سندان میں ایک خود مختار مسلم ریاست قائم ہوئی، جسے ہم دولت ماہانیہ سندان سے تعبیر کرتے ہیں،

سندھ سے پہلے جنوبی ہند کے اسلام اور مسلمانوں سے تعلقات

عام طور سے ہندوستان میں اسلام کی ابتدائی تاریخ کا تصور محمد بن قاسم فاتح سندھ وہند رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہے، حالانکہ ان سے بہت پہلے جنوبی ہندوستان کے تعلقات اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استوار ہو چکے تھے، بزرگ بن شہریار رامہرمزی کی تصریح کے مطابق عہد رسالت ہی میں ایک وفد سرندیپ سے مدینہ منورہ روانہ ہوا تھا، جو بعض رکاوٹوں کی وجہ سے عہدِ فاروقی کی ابتداء میں وہاں پہنچا، اور براہ راست اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، نیز ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں عرب تاجروں کے لیے بڑی کشش تھی، سندھ کے مقابلہ میں یہاں ان کو تجارتی سامان اور قسم قسم کی چیزیں زیادہ ملتی تھیں، اور سرندیپ اور چین کے تجارتی اسفار میں آتے جاتے ان کو مہاراجگان وبھی رائے کے دیس سے گذرنا پڑتا تھا، ان وجوہ سے سرندیپ، چیمور، سوپارہ، سندان، تھانہ، بھروچ، اور کھمبائت وغیرہ کے قدیم تجارتی تعلقات نے جدید اسلامی تعلقات میں بڑی مدد دی، اور طرفین کے قدیم تعارف نے جدید علاقہ کو بہت جلد استوار کر دیا،

عہدِ فاروقی میں ہندوستان کے تین مقامات پر جہاد کی تین روایات

خلافتِ فاروقی

کی ابتداء میں ۱۵ھ یا اس کے بعد حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ نے بحرین کی امارت و ولایت کے بعد اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو تھانہ اور بھڑوچ کی مہم پر روانہ کیا اور دوسرے بھائی حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ کو دیبل پر بھیجا، جیسا کہ علامہ بلاذریؒ نے فتوح البلدان میں تصریح کی ہے[1]۔ نیز علامہ یاقوت نے معجم البلدان میں دیبل کی مہم کا تذکرہ کیا ہے، مگر حضرت مغیرہؓ کے بجائے یہاں بھی حضرت حکمؓ کا نام لیا ہے[2]۔

بہر حال حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی زیر سرکردگی ان کے دو بھائیوں کے ہندوستان کے تین مقامات پر حملہ کرنے کی یہ دو تصریحات ہیں، اور اس کی تیسری تصریح جو نہایت اہم اور معتبر ہے، امام ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کی ہے جسے انھوں نے جمہرۃ انساب العرب میں درج کیا ہے اور وہ یہ ہے:

وعثمان منهم من خيار الصحابة، ولاه رسول الله صلى الله عليه وسلم الطائف، وغزا فارس، وثلاثة من بلاد الهند، وله فتوح[3]۔

ابوالعاص ثقفی کی اولاد میں حضرت عثمان خیار صحابہ میں سے تھے، ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طائف کا حاکم مقرر فرمایا تھا بعد میں انھوں نے ایران میں اور ہندوستان کے تین شہروں میں جہاد کیا اور ان کے ہاتھ پر کئی ملک فتح ہوئے،

امام ابن حزم کی اس تصریح میں ہندوستان کے تین مقامات پر جہاد کا ذکر ہے اور ان سب کی نسبت براہِ راست حضرت عثمانؓ ہی کی طرف کی گئی ہے، بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی ولایت میں بحرین سے بحری بیڑا ہندوستان روانہ کیا تھا، یا پھر ابن حزم کی تحقیق کے مطابق وہ خود بھی یہاں تشریف لائے تھے اور تینوں بھائی تینوں مقامات پر حملہ آور ہوئے تھے،

نواحی سندان، تھانہ اور بھڑوچ میں ۱۵ھ میں مجاہدین اسلام کی پہلی مہم | چنانچہ ہندوستان کی اسلامی

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۰، [2] معجم البلدان ج ۳ ص ۴۸۱، [3] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶، دار المعارف مصر ۱۳۸۲ھ

حیرت ہے کہ نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۶ میں حضرت حکم کے تذکرہ میں حاشیہ پر تھانہ کی مہم کے بجائے توج کا ذکر کیا گیا اور اسی کو صواب بتایا گیا ہے اور لکھا گیا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان میں فتوحات نہیں ہوئی تھیں، پھر تھانہ پر کیسے حملہ ہوا، یہ درست ہے کہ حضرت حکم نے ایران کے شہر توّج کو بھی فتح کیا ہے، مگر ان تصریحات کے مقابلہ میں اس انکار کی گنجایش نہیں ہے۔

تاریخ میں سب سے پہلے اسلام کا شرف وبھی رائے کی مملکت کو یوں حاصل ہوا کہ عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں ۱۵ھ میں مجاہدین اسلام کی ایک رضاکارانہ مہم تھانہ اور بھڑوچ میں شروع ہوئی علامہ بلاذری نے فتوح البلدان کے باب فتوح السند میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ عثمان بن ابو العاص ثقفی کو بحرین اور عمان کا حاکم بنایا، عثمان نے اپنے بھائی حکم بن ابو العاص کو بحرین روانہ کیا، اور خود عمان پہنچ کر تھانہ کی طرف ایک فوجی مہم روانہ کی، اور جب یہ لشکر واپس آیا تو حضرت عمر کو اس کی تحریری اطلاع دی، آپ نے لکھا کہ اے ثقفی! تو نے گویا کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالہ کر دیا ہے، خدا کی قسم اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آئی تو میں تمہاری قوم سے اس کا بدلہ لوں گا، نیز عثمان نے اپنے اسی بھائی حکم کو بھڑوچ روانہ کیا، اور اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابو العاص کو دیبل (قریب کراچی) کی کھاڑی کی طرف روانہ کیا، جہاں ان کو دشمن کے مقابلہ میں کامیابی نصیب ہوئی[1]۔

عہدِ فاروقی میں ۲۱ھ یا ۲۳ھ میں مکران کی فتح

ایرانیوں سے مسلمانوں کی چھیڑ چھاڑ خلافتِ صدیقی ہی میں شروع ہو چکی تھی، جب عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو اس میں گرمی پیدا ہوئی، اور اسلامی فوجوں نے ایران کے کئی علاقے فتح کیے، بالآخر ۱۷ھ میں مسلمانوں نے حضرت عمرؓ سے بلادِ فارس پر باقاعدہ، منظم اور بیک وقت متعدد مقامات پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی، تاکہ ایرانی فوجیں جم کر مقابلہ کرنے سے مجبور ہو جائیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ امیر بصرہ کو حکم دیا کہ وہ بلادِ فارس پر اس طرح حملہ آور ہوں کہ مختلف فوجیں اپنے امیر و علم کے ساتھ مختلف علاقوں پر حملہ کر دیں، اس کے لیے سات لوار، اور سات امیر مقرر کیے گئے، اور سب کا افسر سہیل بن عدیؓ کو بنایا گیا، اصطخر کا لوار، حضرت عثمان ابی العاص ثقفیؓ کو، کرمان کا

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۰۔

لوا حضرت سہیل بن عدی کو، اور مکران کا لوا حضرت حکم بن عمرو تغلبی کو دیا گیا، مگر ایران پر حملہ کی باری ۲۲ھ یا ۲۳ھ میں آئی۔ اور ہر امیر نے اپنی فوج کے ساتھ مقررہ علاقے پر حملہ کیا، چنانچہ حکم بن عمرو تغلبی نے مکران کا رخ کیا، نیز ان کی مدد کے لیے شہاب بن مخارق اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ آپہنچے، اور سب نے مل کر مکران پر حملہ کیا،

اِدھر اہلِ سندھ نے مکرانیوں کی بھاری فوج سے مدد کی، مگر اسلامی حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے مکرانیوں اور سندھیوں نے شکست کھائی، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، ان میں کتنے مارے گئے اور کتنے دریا پار بھاگ گئے، مسلمانوں نے مکران واپس آکر شہر پر قبضہ کیا، اور فتح کی خوش خبری اور مالِ غنیمت کا خمس حضرت صحار عبدیؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کیا حضرت عمرؓ نے صحار عبدی سے ہندوستان کے حالات دریافت کیے تو انھوں نے یہاں کی مشکلات بیان کیں جس سے آپ نے سہیل بن عدی اور حکم بن عمرو تغلبی کو لکھا کہ تمہاری فوج کا کوئی سپاہی مکران سے آگے نہ بڑھے[1] مملکت بلہرا کے مقبوضہ نواحی سندان سے مسلمانوں کی یہ پہلی بے قاعدہ جھڑپ تھی، جو بیک وقت اس کے دو مرکزی مقامات پر ہوئی، اور علاقۂ کوکن کے شہر تھانہ میں اور علاقۂ گجرات کے شہر بھڑوچ میں پہلی مرتبہ مسلمان رضاکاروں نے مجاہدانہ قدم رکھا، نیز اسی دور میں عثمانؓ نے اپنے ایک بھائی کو دیبل (سندھ) کی مہم پر روانہ کیا، جو وہاں سے مظفر و منصور لوٹے، چونکہ سندھ میں مجاہدین اسلام کامیاب رہے، اور ہندوستان میں تھانہ اور بھڑوچ کی مہم غیر اطمینان بخش رہی، اس لیے سندھ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور میں کسی نہ کسی رنگ اسلامی مہمات کا سلسلہ جاری رہا، مگر ہندوستان میں اس کے بعد خلافت راشدہ میں کسی اسلامی مہم کا پتہ نہیں چلتا،

دوسری مہم اموی دورِ خلافت میں ۱۰۵ھ اور ۱۲۵ھ کے درمیان

اس واقعہ کے سیکڑوں برس بعد پھر مملکت بلہرا کے علاقہ گجرات میں مسلمانوں کی سرگرمی شروع ہوگئی، اس

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۴

درمیان میں تمام سندھ مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا تھا اور اموی خلفاء کے عُمال و حکام یہاں حکومت کرتے تھے، ہشام بن عبدالملک (۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ) نے اپنے زمانہ میں جنید بن عبدالرحمن مُرّی کو سندھ کا گورنر مقرر کیا، جس نے یہاں کے حالات درست کرنے کے بعد گجرات کے کئی شہروں پر فوج کشی کرائی اور مرمد، مندل (منڈل علاقہ جھالاواڑ کلاں)، دھنج، بھڑوچ، بھیلمان کو فتح کیا، بلاذری نے لکھا ہے کہ جنید نے اپنے عاملوں کو مرمد، مندل، دھنج، بھڑوچ کی طرف روانہ کیا۔[1] نیز جنید نے ہمت سے کام لے کر مالوہ اور اُجین کی طرف حبیب بن مرّہ کو روانہ کیا اس نے اسی مہم میں بھیلمان اور گجرات کو بھی فتح کیا۔[2] یہ واقعہ ۱۰۷ھ کا ہے۔

اس طرح جنید بن عبدالرحمن مرّی نے عہد فاروقی کی غیر سرکاری اور رضاکارانہ مہم کے تقریباً سو سال بعد اپنی کامیاب مہم نواحی سندان میں تیز کی، اس کے بعد اموی دور خلافت میں ہندوستان میں پھر کسی مہم کا پتہ نہیں چلتا جبکہ پورا علاقہ، سندھ خلافتِ اسلامیہ کے زیر نگیں تھا اور وہاں اموی مرکز دمشق سے حکمران مقرر ہوا کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہنگامی فتوحات بعد میں باقی نہ رہ سکیں، اور ان مفتوحہ مقامات کو سندھ سے وابستہ کر کے ان میں کوئی نظم و ضبط قائم نہ کیا جا سکا، یہاں تک کہ ۱۳۲ھ میں زمانہ نے نئی کروٹ لی، اور بنو امیہ کی جگہ بنو عباس نے سنبھال کر دمشق کے بجائے بغداد کو اپنی خلافت کا مرکز قرار دیا۔

تیسری مہم عباسی دورِ خلافت میں ۱۳۲ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیان

عباسی دور خلافت میں پھر ہندوستان کے ان علاقوں کی طرف توجہ کی گئی، ابو جعفر منصور (۱۳۲ھ تا ۱۵۸ھ) نے ہشام بن عمرو تغلبی کو سندھ کا گورنر مقرر کیا، اس نے یہاں آتے ہی سندھ کے بگڑے ہوئے نظام کو درست کیا اور اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کو فرو کر کے بنو عباس کے حق میں یہاں کی زمین ہموار کی، ساتھ ہی گجرات کے ایک مرکزی مقام باربد (بھاڑبھوت ضلع بھڑوچ) کی طرف بحری مہم روانہ کی، اور یہاں کی مشہور قدیم بندرگاہ قندھار (گندھار ضلع بھڑوچ) پر

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۹ - [2] ایضاً ص ۴۳۰

قبضہ کیا، بلاذری کا بیان ہے کہ ہشام بن عمرو تغلبی نے عمرو بن جمل کو بحری بیڑے کے ساتھ بار بد روانہ کیا، نیز اسی مہم میں عمرو بن جمل جنگی جہازوں کو لے کر قندھار آیا، اور اسے فتح کر کے وہاں کا بت خانہ منہدم کیا اور اس کی جگہ مسجد تعمیر کی۔ اموی حاکم سندھ جنید بن عبد الرحمن مری کے گجرات پر حملے کے پچیس سال بعد عباسی حاکم ہشام بن عمرو تغلبی کا حملہ زیادہ کامیاب رہا، اس نے سندھ کے حالات درست کرنے کے بعد ہندوستان کے کئی علاقوں کو فتح کیا، اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ اس کے دور کی یہ فتوحات مقامی باشندوں کے عقیدہ و خیال میں خیر و برکت کا باعث ہوئیں، اور ان میں عرب فاتحوں سے ایک گونہ نفرت و حقارت پیدا ہونے کے بعد ان سے محبت و عقیدت کی فضا پیدا ہو گئی، یہ گویا مسلمانوں کے حق میں آئندہ کے لیے تائید غیبی تھی،

بلاذری نے لکھا ہے:

فأخصبت البلاد فی ولایته، فتبرکوا به[1] — یہ مقامات و بلاد ہشام کے دورِ حکومت میں زرخیز ہو گئے اور لوگوں نے اسے بابرکت سمجھا،

مگر اب بھی گجرات کی یہ فتوحات مکمل نہیں ہوئی تھیں، بلکہ ان کی حیثیت ہنگامی غلبہ کی تھی، اس لیے یہاں کی مہمات کا سلسلہ جاری رہا،

چوتھی مہم، ۱۶۰ھ میں بھاڑ بھوت کی فتح

خلیفہ ابو جعفر منصور کے بعد جب اس کا بیٹا مہدی (۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ) تختِ خلافت پر بیٹھا تو اس نے گجرات کے معاملات سے دلچسپی لی، اور سندھ کے عباسی عمال کے بجائے خود عباسی خلیفہ نے بغداد میں یہاں مہم روانہ کرنے کی تیاری کی، چنانچہ مہدی نے ۱۵۹ھ میں اپنی خلافت کے دوسرے سال ہی عبد الملک بن شہاب مسمعی کی سرکردگی میں سرکاری اور غیر سرکاری فوجوں کی ایک بڑی تعداد باربد (بھاڑ بھوت) روانہ کی، اس مہم میں بصرہ کی دو ہزار سرکاری فوج کے علاوہ ڈیڑھ ہزار مقامی رضاکار اور متطوع تھے، نیز بصرہ کے ایک ہزار متطوع اپنے خرچ سے اجرو

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۱ ۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۳۱

ثواب کی نیت سے اس میں شامل ہوئے، سات سو شامی فوجوں کا دستہ یزید بن حباب مذحجی کی سرکردگی میں ساتھ تھا، اس کے علاوہ عرب میں آباد ہندوستان کے اساورہ اور سیابجہ چار ہزار تھے، اس طرح کم وبیش دس ہزار سپاہیوں کا لشکر باربد پر حملہ آور ہوا، اور ۱۶۰ھ میں اسے فتح کیا، مسلمانوں نے پہلے تو باربد والوں کو متنبہ کیا اور اسلام پیش کرکے دو دن تک ان کو موقع دیا کہ اسلام یا جزیہ میں سے ایک بات کو قبول کرلیں، اس کے بعد منجنیق اور دوسرے تمام آلات جنگ سے حملہ کیا، اور اسلامی فوج ایک دوسرے کو للکارنے لگی اور قرآن شریف کی آیات سے جوش دلایا گیا۔ جب اس جوش وخروش کے ساتھ مسلمانوں نے حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فتح دی، اور ان کی شہ سوار فوجیں ہر طرف سے شہر میں گھس گئیں، مقامی باشندے بت خانہ میں پناہ گزیں ہوئے، یہاں آتش اور گرم تارکول سے جنگ ہوئی، کتنے نذر آتش ہوئے، اور کتنے مسلمانوں کے مقابلہ میں کام آئے اور نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی، اس معرکہ میں بیس سے کچھ زائد مسلمان شہید ہوئے، اور اسلامی فوج بھاڑ بھوت سے مظفر ومنصور واپس ہوئی، مگر واپسی پر سمندری موسم خراب تھا، اور سخت ہیجان وطوفان کا زمانہ تھا، اس لیے اسلامی فوج چند دنوں کے لئے ایک مقام پر ٹھہر گئی، اسی اثنائے قیام میں فوج کے اندر "حمامۃ القر" نامی ایک وبائی بیماری پھوٹ پڑی جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی مرگئے، منہ اور چہرے میں زہریلی پھنسیاں نکلتی تھیں جو جان لیوا ثابت ہوتی تھیں، ان ہی مرنے والوں میں حضرت ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جو بصرہ کے فقہاء ومحدثین میں سب سے پہلے مصنف ہیں، آپ عباد ان میں مرابط تھے اور حسبۃ للہ ہندوستان کے جہاد میں شریک ہوئے تھے، کچھ دنوں کے بعد یہ فوج بحری راستہ سے عراق روانہ ہوئی، جب ساحل فارس کے قریب پہنچی تو ایک رات سمندر میں سخت طوفان آیا جس کی وجہ سے مجاہدوں کے اکثر جہاز ٹوٹ کر غرق ہوگئے، اور کئی مجاہدین جاں بحق ہوگئے، عبدالملک بن شہاب مسمعی کامیابی کے ساتھ خلیفہ مہدی کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے

اس خدمت کے صلہ میں اسے سندھ کی گورنری دی ان فاتحوں کے ساتھ باربد کے بہت سے قیدی بھی بغداد لائے گئے تھے جن میں باربد کے راجہ کی بیٹی بھی شامل تھی۔[1]

نواحی سندان کی یہ چوتھی مہم بڑی زبردست اور منظم تھی، اس میں براہ راست خلیفہ مہدی نے دلچسپی لی، اور گزشتہ تمام مہمات کے مقابلہ میں یہ مہم کامیاب رہی، اس میں سرکاری فوج متطوعین کی جماعت اور مرابطین کے گروہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اساورہ اور سیابجہ بھی بھاری تعداد میں شریک ہو کر اپنے آبائی وطن کو فتح کرنے کے لیے نکلے اور مظفر و منصور واپس گئے، مگر واپسی پر وبائی مرض اور سمندری طوفان سے اسلامی فوج کو بھاری نقصان برداشت کرنا پڑا، جسکی وجہ سے ہندوستان پر آئندہ فوج کشی کا خیال قدرتی طور سے پُر حوصلہ نہیں رہا، پھر اس زمانہ میں سندھ کے اندرونی فتنوں نے اِدھر توجہ کرنے کی فرصت نہیں دی۔

سندھ کے داخلی فتنوں کی وجہ سے ہندوستان کی طرف سے بے توجہی

یہی وجہ ہے کہ باربد کی مہم ۱۶۰ھ کے بعد پھر مملکت بلہرا اور گجرات وغیرہ میں مسلمانوں کی کسی سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے ناموافق حالات نے خلافت عباسیہ اور اس کے حکمرانوں کو ہندوستان کے ان مقامات کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا، جہاں انھوں نے ابتداء میں تیزی سے مہم جاری کی تھی، بلکہ اس کے بجائے خلافتِ عباسیہ کو اپنی پوری قوت سندھ کی اندرونی بغاوتوں اور داخلی فتنوں کے فرد کرنے میں خرچ کرنی پڑی، سندھ کا علاقہ چونکہ مرکزِ خلافتِ بغداد سے بہت دوری پر تھا، اس لیے خلافت کے مخالفین قرامطہ خوارج، روافض، اسمٰعیلی ملاحدہ وغیرہ ان اطراف کو اپنی معاندانہ سرگرمیوں کا مرکز بنائے ہوئے تھے، اور عمان و بحرین سے لے کر سندھ اور ہندوستان تک ساحلی اور اندرونی مقامات میں ان کی تحریکیں جاری تھیں، یہ سب فتنے مذہب کے نام پر تھے، دوسری طرف اقتدار و غلبہ کے نام پر جگہ جگہ شورش برپا تھی، جس کی تخم ریزی اموی دور خلافت میں یوں ہوئی کہ

[1] تاریخ طبری ج ۹ ص ۲۳۴ واقعات ۱۶۰ھ، وکامل ابن اثیر واقعات ۱۵۹ھ و ۱۶۰ھ اور تاریخ ابن خلدون

حجاج بن یوسف کے مقرر کردہ والیٔ سندھ سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کے خلاف معاویہ بن حارث علافی اور محمد بن حارث علافی دو بھائیوں نے خروج کیا، جس کے نتیجہ میں سعید بن اسلم مارا گیا اور یہ دونوں بھائی سندھ پر قابض ہو گئے، اس واقعہ کے بعد سندھ میں غلبہ و اقتدار کی ہوس نے جگہ جگہ شورش برپا کی اور جب بھی موقع ملا خود مختاری قائم ہوئی، عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے زمانہ میں داؤد بن یزید بن حاتم سندھ کا گورنر ہو کر آیا تو اس کے ہمراہ بغاوت کا ایک جرثومہ بھی آیا، اس کا نام ابو الصمہ تھا اور یہ بنو کندہ کا غلام تھا، خود داؤد بن یزید کا لڑکا بشر بن داؤد سندھ میں خلافت عباسیہ کا مخالف بن گیا اور خلیفہ مامون کے زمانہ میں جب اس نے کھل کر بغاوت کی تو غسان بن عباد نے آکر اس کی سرکوبی کی۔ غسان بن عباد نے سندھ میں موسیٰ بن یحییٰ برمکی کو حاکم مقرر کیا، ۲۲۱ھ میں اس کا انتقال ہوا تو اس کا لڑکا عمران بن موسیٰ بن یحییٰ برمکی سندھ کا گورنر ہوا خلیفہ معتصم (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) نے اسے سندھ کی گورنری کا پروانہ دیا، عمران کے زمانہ میں قندابیل پر محمد بن خلیل نامی ایک عرب نے قبضہ کر لیا، مگر عمران نے اُسے گرفتار کر کے قندابیل کو مرکزِ خلافت کے ماتحت کیا، انہی ایام میں سندھ کے عربوں میں خانہ جنگی کی شکل پیدا ہو گئی ان میں نزاری اور یمانی عصبیت کی آگ بھڑک اٹھی، اور دونوں گروہ آپس میں بری طرح لڑ پڑے، اس خانہ جنگی میں عمران نے یمنیوں کا ساتھ دیا، اور عمر بن عبد العزیز ہباری نے نزاریوں کی طرفداری کی،

۱۶۰ھ سے ۲۲۷ھ تک یہ ناموافق حالات تھے، جن کی بنا پر سندھ کے پورے علاقہ میں ابتری اور بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی، ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں خود مقبوضہ سندھ کا نظم و نسق سنبھالنا مشکل تھا، چہ جائیکہ اطراف و جوانب میں فوجی مہم روانہ کی جاتی اور فتوحات کا دائرہ وسیع کیا جاتا۔ اس لیے ۱۶۰ھ کے بعد پھر ہندوستان اور گجرات پر کسی حملہ کا پتہ نہیں چلتا۔

دولت ماہانیہ سندان کا قیام بعہد مامون حدود ۱۹۸ھ میں

ان ناگوار حالات کے عین وسط میں بزمانۂ مامون و معتصم بنو سامہ کے ایک آزاد کردہ غلام فضل بن ماہان نے سندھ کی الجھنوں سے ہٹ کر ہندوستان کے ایک مشہور و مرکزی شہر سندان پر قبضہ جمایا، جس کا

پہلے سے نہ خلافت سے کوئی تعلق تھا اور نہ وہ مسلمانوں کا علاقہ تھا بلکہ گجرات کے مہاراجگان بلہرا کا مقبوضہ علاقہ تھا، نواحی سندان پر قبضہ کرنے کے لیے مسلمانوں نے عہد فاروقی سے لے کر اموی اور عباسی دور تک کوشش کی اور خلیفہ عباسی مہدی نے تو بطور خاص یہاں فوجی مہم روانہ کی، مگر یہاں پر فضل بن ماہان کے ذریعہ مکمل قبضہ ہونا مقدر تھا جس نے یہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کر کے دور اندیشی اور سیاسی بصیرت سے کام لے کر براہِ راست خلافت عباسیہ سے تعلق قائم کر لیا، جس سے ایک طرف سندان خلافت کے قلمرو میں شامل ہو گیا اور مسلمانوں کی دیرینہ تمنا پوری ہو گئی نیز خلافت کی خوشنودی مل گئی، اور دوسری طرف اس تعلق کی وجہ سے دور دراز علاقہ میں اجانب سے گھری ہوئی یہ چھوٹی سی مسلم حکومت محفوظ و مامون ہو گئی اور یہاں کے غیر مسلم حکمران اور عوام مرعوب ہو گئے، گویا دولتِ ماہانیہ سندان مسلمانوں کے قدیم خواب کی تعبیر بن کر وجود میں آئی۔ اور خلافت کا ایک علاقہ بن کر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی نمائندہ بنی۔

دولت ماہانیہ سندان کی پوری داستان صرف بلاذری کی اس تصریح کی رہینِ منت ہے۔

وحدثني منصور بن حاتم، قال: كان الفضل بن ماهان مولى بني سامة فتح سندان، وغلب عليها، وبعث إلى المأمون رحمه الله بفيل، وكاتبه ودعا له في مسجد جامع اتخذه بها. فلما مات قام محمد بن الفضل بن ماهان مقامه فسار في سبعين بارجة إلى ميد الهند فقتل منهم خلقا وافتتح فالى ورجع

منصور بن حاتم کا بیان ہے کہ فضل بن ماہان مولیٰ بنی سامہ نے سندان کو فتح کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیا، اور خلیفہ مامون کی خدمت میں ہاتھی کا تحفہ بھیجا، اور اس سے خط و کتابت جاری رکھی، اور اس کے لیے سندان کی جامع مسجد میں جسے اس نے تعمیر کیا تھا دعا کی جب فضل بن ماہان کا انتقال ہوا تو اس کا لڑکا محمد بن فضل بن ماہان جانشین ہوا، اور ستّر جہازوں کا بحری بیڑا لے کر ہندوستان کے مید یعنی سمندری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے نکلا، اور ان کی

إلى سندان وقد غلب عليها أخٌ له يقال له ماهان بن الفضل و كاتب امير المؤمنين المعتصم بالله، وأهدى إليه ساجًا لم ير مثله عظمًا وطولًا، وكانت الهند في أمر أخيه فمالوا إليه، فقتلوه وصلبوه، ثم ان الهند بعد غلبوا على سندان فتركوا مسجدها للمسلمين يجمعون فيه، ويدعون للخليفة۔[1]	بہت بڑی تعداد کو ختم کیا اور بالی دبالی تھانہ، سوراشٹر کو فتح کیا، مگر جب سندان واپس آیا تو اس کا بھائی ماہان بن فضل بن ماہان حکومت پر قبضہ کر چکا تھا، اور اس نے امیر المؤمنین معتصم باللہ سے تعلق پیدا کر کے مراسلت جاری کر لی اور اس کی خدمت میں ساگوان کا تحفہ بھیجا جو اتنی بڑی اور لمبی تھی کہ اس کی مثال دیکھنے میں نہیں آئی، مگر ہندوستان کے لوگ اس کے بھائی محمد بن فضل کے طرفدار تھے اس لئے انھوں نے ماہان بن فضل کو قتل کر کے سولی دیدی، اس کے بعد اہل ہند سندان پر قابض ہو گئے، اور وہاں کی جامع مسجد کو مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا تاکہ اس میں وہ نماز باجماعت اور جمعہ پڑھیں اور خلیفہ کے لیے دعا کریں۔

علامہ بلاذری اور منصور بن حاتم نحوی کی بیان کردہ یہی چند سطریں سندان کی دولت ماہانیہ کی پوری تاریخ ہیں، اور ان ہی کی روشنی میں ہمیں اس کی حقیقت معلوم کرنی ہے، یہ دونوں مورخ اور راوی ہندوستان کی قدیم اسلامی تاریخ کے خصوصی عالم و راوی ہیں، چنانچہ صرف علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں ۱۵ھ میں تھانہ بھروچ اور دیبل پر مجاہدین اسلام کی پہلی مہم کی روایت کی ہے، البتہ دیبل کی اس مہم کا تذکرہ یاقوت حموی نے بھی کیا ہے، اور منصور بن حاتم نحوی نزیل الہند نے دیبل کے بت خانہ کے منارہ کے جھنڈے، اور راجہ داہر اور اس کے مسلمان قاتل دونوں کے بھروچ میں مصور ہونے اور ہذیل بن طہفہ کے قندابیل میں مصور ہونے کو بیان کیا ہے، اور اس کی ان چشم دید باتوں کو بلاذری نے درج کیا ہے۔

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۲ و ۴۳۳۔

اس کی طرف سے تمام سیاحوں اور مورخوں کی خاموشی کی وجہ

سندان کی اس عربی حکومت کا تذکرہ اسلامی تاریخوں میں اسلیے نہ آسکا کہ اس کا وجود وعدم صدر اسلام میں ہوا جب کہ عام طور سے مسلمانوں کا عمل دخل سندھ ہی میں تھا، اور ہندوستان کا یہ علاقہ متعدد بار کوشش کرنے کے باوجود ان کے قبضہ میں نہیں آسکا تھا۔ اس دور افتاد حکومت پر تقریباً ایک صدی گذرنے کے بعد ابن خرداذبہ، مسعودی، بزرگ بن شہریار رامہرمزی، اصطخری، ابن رستہ، ابن حوقل، اور مقدسی بشاری وغیرہ نے سندھ اور ہندوستان کی سیاحت کی اور یہاں کا جغرافیہ لکھا، دولتِ ماہانیہ سندان کے زوال کے چند سالوں بعد سلیمان تاجر (موجود ۲۳۷ھ) اور ابوزید سیرافی (موجود ۲۶۴ھ) نے ہندوستان اور چین کے حالات میں درج کیے ہیں، مگر انھوں نے بھی اس حکومت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، حالانکہ راجہ بلہرا کا ذکر نہایت شاندار طریقہ پر کیا ہے جس کی حدود مملکت میں یہ مسلم حکومت قائم ہوئی تھی اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ جغرافیہ نویس، اور مورخ وسیاح اُسے نہیں جانتے تھے اور ان کی نگاہ سے اس کے نقوش اوجھل تھے بلکہ ہندوستان اور سندھ کی دوسری چار عرب حکومتوں کی طرح سندان کی اس ایک عرب حکومت کو بھی انھوں نے درخور اعتنا نہیں سمجھا، جب انھوں نے اپنے دور کی ان حکومتوں کو قابلِ ذکر نہیں خیال کیا تو ڈیڑھ سو سال پہلے کی ایک مختصر سی حکومت ان کے نزدیک کیا وجہ رکھتی تھی؟

اس حکومت پر چند مزید دلائل وشواہد

یہ درست ہے کہ منصور بن حاتم اور بلاذری کے علاوہ عام سیاحوں اور مورخوں نے دولت ماہانیہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن اس کی عظمت واہمیت کے دوسرے دلائل بھی موجود ہیں جو اس خود مختار حکومت کی شہادت دیتے ہیں۔

نصر بن عبدالرحمن اسکندری نحوی کا بیان

یاقوت حموی نے لکھا ہے:

سندان قال نصر هي قصبة — سندان جیسا کہ نصر نے کہا ہے بلاد ہند کا

بلاد الهند، ولا ادری ای شیٔ اراد
بهذا، فان القصبة فی العرف هی
اجل مدینة فی الکورة او الناحیة،
ولا تعرف بالهند مدینة یقال
لها سندان تکون کالقصبة، وانما
سندان مدینة فی ملاصقة
السند بینها وبین الدیبل والمنصورة
نحو عشر مراحل، ولم توصف صفة
ما یستحق ان تکون قصبة الهند[1]

دار الحکومت ہے، میں نہیں سمجھ سکا کہ نصر نے
سندان کو قصبۂ بلاد ہند کہہ کر کیا مراد لیا ہے،
کیونکہ قصبہ عرف عام میں صوبہ یا علاقہ کا سب سے
بڑا شہر ہوتا ہے، اور ہندوستان میں سندان
نامی کوئی ایسا شہر معلوم نہیں، جو قصبہ کی طرح
ہو، اور جو سندان سندھ سے متصل ہے اور جو دیبل
اور منصورہ سے دس مرحلے کی دوری پر ہے، اس
میں وہ اوصاف نہیں ہیں جن کی وجہ سے
وہ ہندوستان کا دار الحکومت بن سکے۔

ابو الفتح نصر بن عبد الرحمٰن اسکندری نحوی نے سندان کو قصبۃ البلاد الہند کہہ کر اُسے امرائے بنو ماہان کا پایۂ تخت اور دار الحکومت بتایا ہے اور کہا ہے کہ ہندوستان کا شہر سندان اپنے اطراف وجوانب کا قصبہ اور دار الحکومت ہے جہاں بنو ماہان کی حکومت تھی، نصر کی اس بات پر یاقوت حموی جیسے ماہر جغرافیہ کا اپنی لاعلمی ظاہر کرنا بڑی حیرت کی بات ہے، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یاقوت کو سندان میں بنو ماہان کی حکومت کا علم نہیں تھا، کیونکہ بلاذری کی فتوح البلدان سے انھوں نے معجم البلدان میں جگہ جگہ فتوحات کو بیان کیا ہے، اور اسی کتاب میں سندان کی اس مسلم حکومت کا حال درج ہے، ان کی نظر اس پر ضرور پڑی ہوگی، ممکن ہے کہ یاقوت سندان کی اس عرب حکومت کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتے ہوں اور اس ہجومی اقتدار کو حکومت نہ تسلیم کرتے ہوں کہ سندان کو قصبہ اور دار الحکومت ماننا پڑے، بہرحال نصر کا سندان کو قصبۂ بلاد ہند کہنا یہاں پر بنو ماہان کی حکومت کا پتہ دے رہا ہے۔

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵۱

یاقوت حموی کی بلاوجہ کی لاعلمی

تعجب ہے کہ نصر جیسے ثقہ، معتمد اور محقق کی تصریح پر یاقوت حموی کو کلام ہے جن کے بارے میں خود انھوں نے معجم البلدان کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

.... الفہ ابو الفتح نصر بن عبد الرحمٰن	نصر بن عبد الرحمٰن اسکندری نحوی نے شہروں کے
الاسکندری النحوی فیما اختلف	ہمشکل مگر مختلف ناموں کے بارے میں جو کتاب
وائتلف من اسماء البقاع فوجدتہ	لکھی ہے، میں نے اسے محقق آدمی کی کتاب پایا ہے
تالیف رجل ضابط قد انفد	جس نے اس میں عمر کھپائی ہے، اور بہترین طریقے سے
فی تحصیلہ عمراً واحسن فیہ و	کام کیا ہے .... میں نے نصر کی
اثراً .... فاما انا فکل ما نقلتہ	کی کتاب سے جو بات بھی نقل کی ہے اس کی نسبت
من کتاب نصر فقد نسبتہ الیہ	ان ہی کی طرف کی ہے اور ان پر اعتماد کیا ہے، نہ
واحلتہ علیہ ولم اضع نصبہ ولا	میں نے ان کی کوشش پر پردہ ڈالا ہے اور نہ ان کا
اخملت ذکرہ وتعبہ واللہ یثیبہ	نام چھپایا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اس کی نیک جزا
ویرحمہ (معجم البلدان ج ا ص ۸ طبع طہران ۱۹۰۶ء)	دے اور ان پر رحم کرے۔

نصر پر یاقوت نے اس اعتماد و یقین کے باوجود سندان کو قصبۂ بلادِ ہند تسلیم کرنے میں سخت تامل کیا ہے، جس کی تصریح نصر نے کی ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکے کہ یاقوت نے ایسا کیوں کیا؟

بحتری شاعر کی شہادت

دولت ماہانیہ کے معاصر عرب شعراء نے اس کی اہمیت و مرکزیت کے پیش نظر اپنے اشعار میں سندان کا تذکرہ کیا ہے اور ان میں سے بعض یہاں آئے ہیں، چنانچہ عباسی دور کا مشہور شاعر بحتری (ابو عبادہ ولید بن عبید متوفی ۲۸۴ھ) اسی زمانہ میں سندان آیا اور اپنے اشعار میں اس کا تذکرہ کیا، ملاحظہ ہو:

ولقد رکبتُ البحر فی امواجہ	ورکبتُ ہول اللیل فی بیاس
سمندر کی موجوں پر میں نے سواری کی ہے	اور دریائے بیاس (پنجاب) کا پر ہول رات میں سفر کیا ہے۔

وقطعتُ اطوال البلاد وعرضها   مابین سندان وبین سجاس[1]

اور میں نے شہروں کی لمبی چوڑی مسافتوں کو   سندان اور سجاس کے مابین طے کیا ہے

ابوالعتاہیہ شاعر کی شہادت

اسی طرح عباسی دور کے مشہور شاعر ابوالعتاہیہ متوفی ۲۱۱ھ نے سندان پر یہ دو اشعار کہے ہیں؛

ماعلیٰ ذا کنا افترقنا بسندان وما هکذا عهدنا الاخاء

کس بات پر ہم نے سندان میں باہمی اختلاف کیا، ہم نے تو اس طرح کی بھائی بندی نہیں دیکھی تھی

تضرب الناس بالمهند البيض على غدرهم وتنسى الوفاء[2]

تم لوگوں کو ان کی بے وفائی پر ہندوستان کی شمشیر برّاں سے مارتے ہو اور ان کی وفاداری کو بھول گئے

ابوالفتح نصر بن عبدالرحمن اسکندری کا سندان کو قصبۂ بلادِ ہند لکھنا بحتری کا سندان آنا اور اشعار میں اس کا ذکر کرنا، اور ابوالعتاہیہ کے ایک سیاسی اور سرکاری واقعہ پر اشعار کہنا بتا رہا ہے کہ یہاں مسلمانوں کو مرکزیت حاصل تھی اور ہندوستان کے دیگر مقامات کی طرح سندان کوئی غیر اہم مقام نہیں تھا، بنو ہبّار کے دارالسلطنت منصورہ کے چار دروازوں میں سے ایک کا نام باب سندان تھا[3] یہ سندان کی اہمیت و مرکزیت کی کھلی دلیل ہے،

دولتِ ماہانیہ کے حکمران اور امراء

دولتِ ماہانیہ کا بانی فضل بن ماہان بنو سامہ کا غلام تھا، یہ عمان کے وہی بنو سامہ ہیں جنہوں نے تاریخِ اسلام میں بڑے بڑے کارنامے ثبت کیے ہیں، اور اس قبیلہ کے ایک بہادر فرد محمد بن قاسم سامی نے معتضد (۲۷۹ھ تا ۲۸۶ھ) کے زمانہ میں عمان میں خوارج اور روافض کی طاقت ختم کر کے سنی حکومت قائم کی، جو اس خاندان میں کسی نہ کسی انداز میں ۳۱۷ھ تک قائم رہی، نیز اسی محمد بن قاسم سامی نے ان ہی ایام میں ملتان کو فتح کر کے یہاں بھی اپنی حکومت قائم کی، اور دونوں حکومتوں میں عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ جاری کیا، بنو سامہ کے

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵۱۔ [2] کتاب الاغانی ج ۴ ص ۲۵ طبع بیروت ۱۹۵۵ء۔ [3] احسن التقاسیم ص ۴۷۹

حوصلہ مند غلام فضل بن ماہان نے ان سے پچاس ساٹھ سال پہلے ہندوستان کے ایک دور دراز مقام میں اپنی حکومت قائم کی، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خود بنو سامہ موصل میں اپنی طاقت و شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے اور بنو ثعلبہ سے برسر پیکار تھے، بنو امیہ کے وطن عمان کے حالات ناگفتہ بہ تھے، خوارج اور قرامطہ سے نبرد آزمائی جاری تھی، اور سندھ میں خود مختاری، اقتدار و غلبہ، قبائلی عصبیت اور مذہبی چپقلش سے ہر طرف بے اطمینانی برپا تھی، ان حالات میں فضل بن ماہان نے اپنی دور اندیشی اور صلاحیت سے کام لے کر ہندوستان کے شہر سندان کا رخ کیا اور یہاں خود مختار حکومت قائم کر کے اپنے آقاؤں سے پہلے ہندوستان میں عزت و حکومت کی راہ پیدا کی، پھر اس کے بہت بعد خود بنو سامہ کو عمان اور ملتان میں حاکمانہ اقتدار نصیب ہوا۔

فضل ماہان مولی بنی سامہ

سندان کی دولتِ ماہانیہ میں صرف تین حکمراں گذرے ہیں:

(۱) بانیٔ دولت فضل بن ماہان مولی بنی سامہ،

(۲) درمیانی حکمراں محمد بن فضل بن ماہان۔

(۳) اور آخری حکمراں ماہان بن فضل بن ماہان،

فضل بن ماہان کے سندان میں غلبہ حاصل کرنے اور اپنی حکومت کرنے کی تاریخ یہ ہے:

كان الفضل بن ماهان مولى بني سامة، فتح سندان وغلب عليها، وبعث الى المامون رحمه الله بفيل، وكاتبه، ودعا له في مسجد جامع اتخذه بها۔[1]	بنو سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندان فتح کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیا، اور خلیفہ مامون کی خدمت میں ہاتھی بھیجا اور اس سے خط و کتابت جاری کی، اور اس کے لیے جامع مسجد میں دعا کی جسے اس نے سندان میں تعمیر کیا تھا،

مامون کی خلافت کا زمانہ ۱۹۸ھ سے ۲۱۸ھ تک ہے، قرین قیاس ہے کہ فضل بن ماہان

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۲،

نے اس زمانہ سے کچھ پہلے یا اسی دوران میں اپنی ریاست قائم کی ہوگی، بلاذری کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس نے سندان کو فتح کرکے غلبہ حاصل کیا مگر خیال ہے کہ اس کے لیے فضل کو کوئی بڑی فوج کشی نہیں کرنی پڑی ہوگی، بلکہ مہاراجگانِ بلہرا اور ان کے عوام کی عربوں اور مسلمانوں سے پرانی عقیدت و محبت نے اس کے لیے زمین ہموار کردی ہوگی، اس واقعہ سے چالیس پچاس سال پہلے سندان کے قریب باربد اور قندھار (بھاربھوت اور گندھار ضلع بھڑوچ) میں سنہ ۱۵۱ھ کے عباسی گورنر ہشام بن عمرو تغلبی کی فتوحات کے بعد ان اطراف کی زرخیزی اور خوشحالی نے یہاں کے لوگوں کو عربوں اور مسلمانوں کا گرویدہ بنادیا تھا اور وہ ان کے وجود کو اپنے لیے باعثِ خیر و برکت سمجھنے لگے تھے، اس لیے انھوں نے فضل بن ماہان کے اقدام کو خوش آمدید کہا ہوگا، اس کا ثبوت بعد میں مقامی غیر مسلموں کا وہ رویہ ہے جو انھوں نے فضل کے خاندان کی برادرانہ خانہ جنگی میں اختیار کیا تھا، کہ ان کے نزدیک جو بھائی حق پر تھا اس کا ساتھ دیا، اور سندان سے ماہانیوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب اس پر اپنا قبضہ کیا تو وہاں کی جامع مسجد کو مسلمانوں کے حوالہ کرکے اس میں نماز پڑھنے اور خلیفۃ المسلمین کے حق میں دعا کرنے کی عام اجازت دی، مملکت بلہرا اور اس کی رعایا کی یہ عالی حوصلگی ہر طرح قابلِ داد ہے، اور آجکل کی حکومتوں اور ان کے عوام کے لیے مشعلِ راہ ہے خصوصاً ہندوستان کے لیے اس میں بڑی عبرت ہے۔

اس کے کارنامے

فضل بن ماہان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے وہ بنوسامہ کا غلام ہوتے ہوئے ہندوستان میں ایک خودمختار ریاست کا بانی ہوا، وہ اپنی حوصلہ مندی کا جوہر یوں بھی دکھا سکتا تھا کہ عمان سے نکل کر سندھ میں کہیں غلبہ حاصل کرلیتا، جیسا کہ اس وقت پورا سندھ متغلبین کا مرکز بنا ہوا تھا، مگر اس نے اپنی قابلیت اور بصیرت سے کام لے کر مملکتِ بلہرا کے قلب میں جگہ بنائی، اور وہاں خلافتِ اسلامیہ اور خلیفۂ اسلام کا نام اونچا کرکے خلیفہ مہدی کے خواب کو عہد مامونی میں پورا کیا۔

سندان میں جامع مسجد کی تعمیر

اس نے سندان میں ایک عظیم الشان جامع مسجد بنوائی جس میں مقامی مسلمان جمعہ اور پنج وقتہ نماز باجماعت

ادا کرتے اور خلیفہ کے لیے دعا کرتے تھے، اس سے پہلے ابو جعفر منصور کے دور میں اس کے قریب گندھارا میں عمرو بن جمل نے فتح کے بعد ایک مسجد تعمیر کی تھی، لیکن سندان کی جامع مسجد اپنی شان و شوکت اور پائداری کے اعتبار سے بلاد بلہرا میں اسلام کا پہلا قلعہ تھی، اور مدتوں اسی شان سے قائم رہی جس میں مسلمان عبادت اور دعا کرتے رہے۔

عباسی خلافت سے وابستگی

فضل بن ماہان نے دور اندیشی سے کام لے کر اپنی خود مختاری میں بھی خلافت سے وابستگی قائم رکھی، اور مامون سے خط و کتابت کرکے اپنی ریاست کو سرکاری طور سے خلافت اسلامیہ کا ایک حصہ تسلیم کرا کر خلیفہ کے نام کا خطبہ اور اس کے حق میں دعائے خیر کا اہتمام کیا، نیز مامون کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہاتھی کا تحفہ پیش کیا جو خلیفۂ بغداد اور اہلِ بغداد کے لیے بڑا دلچسپ تحفہ تھا، اس طرح فضل بن ماہان نے سندھ کے ابتر حالات میں ہندوستان کے ایک محفوظ و مامون خطہ میں خلافتِ اسلامیہ اور اسلام کا نام بلند کیا، دیارِ غیر میں مختصر سی مدت کے اندر بے سروسامانی کے باوجود یہ کارنامہ ایک غلام کے لیے آقائی و سروری کی سند ہے،

محمد بن فضل بن ماہان

سندان کی یہ حکومت چونکہ شخصی تھی، اس لیے فضل بن ماہان کے مرنے پر اس کا لڑکا محمد بن فضل حکومت کا مالک ہوا، اس کے بارے میں صرف یہ تصریح ملتی ہے۔

فلما مات قام محمد بن الفضل بن ماهان مقامه فسار في سبعين بارجة إلى ميد الهند فقتل منهم خلقا، وافتتح فالي ورجع إلى سندان وقد غلب عليها أخ له[1]

فضل بن ماہان کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا محمد بن فضل بن ماہان جانشین ہوا، اور ستر جہازوں کا بیڑا لے کر ہندوستان کے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے نکلا، اور ان کی بڑی تعداد کو ختم کیا، نیز اس نے بالی کو فتح کیا، اور جب سندان واپس آیا تو اس کا بھائی سندان پر قبضہ کر چکا تھا،

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۲

حدودِ سلطنت کی توسیع اور بحری ڈاکوؤں کا صفایا

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے باپ نے کتنے دن حکومت کی، مگر سندان میں اس نے جو حکومت چھوڑی تھی وہ مستقل اور پائدار ہو چکی تھی، یہی وجہ ہے کہ محمد بن فضل نے حکومت سنبھالتے ہی اس کے حدود بڑھانے اور مزید امن وامان قائم کرنے کی مہم شروع کردی، سندان اہم ترین بندرگاہ تھی، جہاں سے سیراف، بصرہ، عدن، جدہ، سرندیپ اور چین تک تجارتی جہاز آتے جاتے تھے، اس لیے محمد بن فضل نے اپنے دور میں بحری طاقت جمع کرکے بہت بڑا جنگی بیڑا تیار کیا، اس کی بحری قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے ساحلی مقامات پر آباد اور سمندر میں ڈاکہ ڈالنے والے مید یعنی بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے ستر جہازوں کا بیڑا لے کر نکلا اور ان کو تہس نہس کرکے بحری امن قائم کیا، ان بحری قزاقوں کی آبادیاں گجرات سے لے کر سندھ کے سواحل تک پھیلی ہوئی تھیں، ابن خرداذبہ نے لکھا ہے کہ مہران (دریائے سندھ) سے ہندوستانی سرحد اوتکین تک چار دن کی مسافت ہے اور اس پار سے علاقہ میں مرگش اور چور آباد ہیں یہاں سے آگے دو فرسخ پر مید کا علاقہ آتا ہے[1]۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ مید قوم مہران سے لے کر ملتان تک آباد ہے اور مہران اور قامہل کے درمیانی میدانوں میں ان کی چراگاہیں اور آبادیاں ہیں، ان علاقوں میں ان کی کثرت ہے[2] یہ بحری قزاق مالابار، گجرات، سندھ بلکہ سقوطرہ تک کی بحری راہ مسافروں اور تاجروں پر تنگ کیے ہوئے تھے، ان کے پاس بڑی طاقت تھی، بڑے بڑے جہازوں کو لوٹ لینا ان کے لیے معمولی بات تھی، ہندوستان کے راجے مہاراجے تک اس قوم سے عاجز تھے، اسی گروہ نے راجہ داہر کے زمانے میں سندھ میں ایک جہاز کو لوٹا اور اس میں سوار مسلمان عورتوں کو قید کرکے بے شمار مال واسباب پر قبضہ کیا، اور راجہ نے ان کے مقابلہ سے معذوری ظاہر کی جس کے نتیجہ میں محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا، اسی ایک واقعہ سے یہاں کے بحری قزاقوں کی قوت وشوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے، مگر محمد بن فضل نے ایک ہی

[1] المسالک والممالک ص ۶۲ [2] المسالک والممالک ص ۱۶۷۔

حملہ میں ان کا قلع قمع کر کے سمندری اور ساحلی امن و امان برقرار کیا، ظاہر ہے کہ اس کے اس اہم اور مفید کارنامے کا اثر غیر ملکی تاجروں اور مقامی باشندوں پر نہایت اچھا پڑا ہوگا، اور اطراف و جوانب کے راجے مہاراجے بھی خوش ہوئے ہوں گے،

پالی تھانہ سوراشٹر کی فتح

بحری قزاقوں کو شکست دینے کے بعد محمد بن فضل کا فاتحانہ حوصلہ بلند ہو گیا، اور اس نے اسی بحری مہم میں پالی کو فتح کر کے سندان کی مسلم ریاست کا حلقہ وسیع کیا، ابن خردازبہ نے ان اطراف کا ذکر کرتے ہوئے دھنج اور بھڑوچ سے پہلے فالی (پالی) کا نام لکھا ہے[۱] یہ پالی سوراشٹر میں گھوگھہ بندرگاہ کے قریب واقع ہے، ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ سوراشٹر میں کوہ سترونجہ کے دامن میں ایک بہت بڑا قلعہ ہے، اور اس پہاڑ کے اوپر پالی تھانہ کا قلعہ ہے، فی الحال یہ آباد نہیں ہے مگر آبادی کے لائق ہے، یہاں جینیوں کا بہت بڑا مندر بھی ہے، گھوگھہ کی بندرگاہ اسی علاقہ سے تعلق رکھتی ہے،[۲] غالباً اس زمانہ میں پالی تھانہ کا یہ ساحلی اور پہاڑی علاقہ ان بحری ڈاکوؤں کا مرکز رہا ہوگا جس پر محمد بن فضل نے قبضہ کر کے ان کا صفایا کیا، اس کے دور حکومت میں اتنے زبردست بحری بیڑے کا ہونا بحری ڈاکوؤں کی سندان سے پالی تھانہ تک سرکوبی کر کے امن و امان قائم کرنا، اور سوراشٹر تک قبضہ کر کے پالی کو سندان کے ماتحت لانا، یہ سب وہ عظیم الشان کارنامے ہیں، جن کو صرف محمد بن فضل ہی کی حکومت کا نہیں بلکہ سندان کی دولتِ ماہانیہ کا حاصل کہا جا سکتا ہے، اگر محمد بن فضل کو اس کے بھائی ماہان بن فضل کی ناعاقبت اندیشی سے دوچار ہونا نہ پڑتا تو اس سے اس حکومت کو بہت فائدہ ہوتا، اور اس کے فاتحانہ حوصلے اور حاکمانہ صلاحیتیں اس حکومت کو عرصہ دراز تک کامیابی اور نیک نامی کے ساتھ باقی رکھنے میں مددگار ثابت ہوتیں، مگر افسوس کہ جب وہ اس مہم سے کامیاب واپس آیا تو سندان کا نقشہ اور ہی بن گیا تھا، اور بھائی نے اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اس پر

[۱] المسالک والممالک ص ۵۷، [۲] آئین اکبری

قبضہ کرلیا تھا، فضل بن ماہان یا محمد بن فضل کے دورِ حکومت میں سندان ایک بڑے فتنہ سے دوچار ہوا تھا جس کا تعلق مرکز بغداد کی سیاست سے تھا، اس کی تفصیل بعد میں آرہی ہے۔

ماہان بن فضل بن ماہان

دولت ماہانیہ سندان کے تیسرے اور آخری حکمران کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ورجع إلى سندان، وقد غلب عليها	محمد بن فضل جب سندان واپس آیا تو اس کا ایک
أخ له يقال له ماهان بن الفضل، و	بھائی ماہان بن فضل بن ماہان یہاں غلبہ حاصل
كاتب امير المومنين المعتصم بالله	کر چکا تھا اور اس نے امیر المومنین معتصم باللہ
وأهدى اليه ساجا لم ير مثله عظما	(۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) سے سرکاری طور پر مراسلت
وطولا، وكانت الهند فى امراخيه	جاری کرلی، اس کی خدمت میں ساگوان کی ایسی
فمالوا عليه فقتلوه، وصلبوه، ثم	لمبی چوڑی اور بڑی لکڑی تحفہ میں بھیجی کہ اس کی
ان الهند بعد وغلبوا على سندان	مثال مشکل ہے، مگر سندان کے ہندو اس کے
فتركوا مسجدها للمسلمين يجمعون	بھائی محمد بن فضل کے طرفدار تھے اس لیے انھوں
فيه، ويدعون للخليفة[۱]	نے ماہان بن فضل کو قتل کر کے سولی دیدی، اس کے
	بعد خود سندان پر قبضہ کر کے اس کی جامع مسجد مسلمانوں
	کے لیے چھوڑ دی تاکہ وہ اس میں جماعات قائم کریں
	اور خلیفہ کے حق میں دعا کریں۔

افسوس کہ ماہان بن فضل بن ماہان نے سندان پر قبضہ کرنے کے بعد آگے دیکھا تو بڑھ کر خلیفہ معتصم سے اپنی حکومت کے جواز کے لیے الحاق کا پروانہ حاصل کرنا چاہا اور راسے خوش کرنے کے لیے تحفہ بھیجا، مگر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کہ مقامی حالات اور سندان کی سیاست کا رخ کس طرف ہے، محمد بن فضل کے کارناموں اور اس کی نیک نامیوں کے مقابلہ میں اس کے بھائی

[۱] فتوح البلدان ص ۴۳۳۔

ماہان کی یہ بغاوت سندان کی خود مختار حکومت کے حق میں مضر ثابت ہوئی، مقامی حالات اور ہندوؤں کی ذہنیت نے اس کے اقدام کو غلط گردانا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسی کے ہاتھوں یہ حکومت یوں ختم ہوگئی کہ ہندوؤں نے محمد بن فضل کا ساتھ دے کر ماہان بن فضل کو سولی پر لٹکا دیا اور اس کے بعد انھوں نے خود ہی سندان پر قبضہ جما لیا، اس طرح سندان سے دولتِ ماہانیہ کا چراغ گل ہوگیا۔

سنہ ۲۰۲ھ سے پہلے ایک فتنہ اور مامون کی فوجوں کی مداخلت

بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ سندان میں باہمی آویزش اور برادرانہ جنگ کی بنیاد عہدِ مامونی ہی میں سنہ ۲۰۲ھ سے پہلے پڑ چکی تھی اور دار الخلافہ بغداد کی فوجی قوت نے اس میں جانبدارانہ رویہ اختیار کیا تھا، اس سلسلہ میں کتاب الاغانی کے ایک واقعہ سے کچھ روشنی ملتی ہے، حسن بن سہل کے میر منشیوں کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مامون کے فوجی سپاہیوں میں ایک رقعہ پڑا ہوا پایا گیا جس میں دو اشعار درج تھے، جب اس کو مجاشع بن مسعدہ کے پاس لایا گیا اور اس نے دیکھا تو کہا کہ یہ اشعار ابو العتاہیہ (م ۲۱۱ھ یا ۲۱۳ھ) کے ہیں، وہ میرا دوست ہے اس لیے ان اشعار میں مجھ سے خطاب نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق وزیر فضل بن سہل (متوفی ۲۰۲ھ) سے ہے، یہ سن کر سپاہی وہ رقعہ فضل بن سہل کے پاس لے گئے، اس نے پڑھ کر کہا کہ میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا، شدہ شدہ اس کی خبر خلیفہ مامون تک پہنچی تو اس نے کہا کہ وہ رقعہ میرے پاس لاؤ، میں اس کی علامت کو پہچانتا ہوں، اس رقعہ میں یہ دو اشعار لکھے ہوئے تھے،

ما علیٰ ذا افترقنا بسندان وما هکذا عهدنا الإخاء

ہم نے کس بات پر سندان میں باہمی افتراق و اختلاف کیا، ہم نے تو اس طرح کی بھائی بندی نہیں دیکھی تھی

تضرب الناس بالمهند البیض علیٰ غدرهم وتنسی الوفاء[۱]

تم لوگوں کو ان کی بے وفائی پر ہندوستان کی شمشیر براں سے مارتے ہو اور ان کی وفاداری کو بھول گئے ہو،

[۱] کتاب الاغانی ج ۴ ص ۵۲ طبع بیروت ۱۹۵۷ء

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰۲ھ سے پہلے عہدِ مامونی میں سندان کی حکومت کے بانی فضل بن ماہان کا انتقال ہوگیا تھا جس کے بعد اس کے دونوں لڑکے محمد بن فضل اور ماہان بن فضل حکومت کے لیے آپس میں لڑ پڑے تھے اور باپ کی جانشینی کا معاملہ نازک صورت اختیار کر گیا تھا جس کی وجہ سے اس میں مرکز بغداد کو فوجی طاقت استعمال کرنی پڑی، مرکزی طاقت محمد بن فضل کے حق میں تھی جس سے اس نے حکومت حاصل کر کے اطمینان کے ساتھ سندان کے باہر قیام امن اور فتوحات کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کر دی، اور اس کا بھائی ماہان ابن فضل مناسب موقع کے انتظار میں کچھ دنوں کے لیے خاموش ہوگیا، جوں ہی اس نے دیکھا کہ محمد بن فضل سندان چھوڑ کر ایک بڑی مہم پر نکلا ہے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا، ابو العتاہیہ نے سندان کی برادرانہ خانہ جنگی کے مرثیہ میں خلافت کے ایسے ذمہ دار شخص کو مخاطب کیا ہے، جس نے یہاں تلوار کے زور سے محمد بن فضل کا ساتھ دیا، اور اس دور افتادہ چھوٹی سی اسلامی ریاست میں صلح و مصالحت کے بجائے طاقت و سیاست کی روش اختیار کر کے خون خرابہ کیا۔

ابو العتاہیہ کا حساس دل اس جفا پر تڑپ اٹھا اور حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس کی زبان نے اس فوجی اقدام پر مبہم احتجاج کیا، مامون کی فوج میں ان اشعار کا ملنا، اور سرکاری افسر اور وزیر کے بعد خود مامون تک اس کا پہنچنا بتا رہا ہے کہ یہ فوجی اقدام بڑا خطرناک اور زبردست تھا، مجاشع بن مسعدہ نے ان اشعار کو دیکھتے ہی بتایا کہ ان کا قائل ابو العتاہیہ ہے اور اس کا مخاطب خلیفہ مامون کا وزیر ابو العباس فضل بن سہل ہے، مگر اس نے بھی اس کا انکار کر دیا، آخر میں خود مامون ان کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ کون مخاطب ہے، مگر اس نے مصلحتاً اسے ظاہر نہیں کیا، وزیر فضل بن سہل کی موت ۲ر شعبان ۲۰۲ھ یا ۲۰۳ھ میں ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے، خیال ہے کہ سندان کا المیہ اس کے پہلے حاکم فضل بن ماہان کے مرنے پر دونوں بھائیوں کی جانشینی کے وقت پیش

آیا ہوگا، اور اس کی مدتِ حکومت کم وبیش دس سال ہوگی جب کہ دوسرے حکمران محمد بن فضل کی مدت حکومت بھی اسی کے قریب رہی ہوگی، ماہان بن فضل بن ماہان نے بڑی چالاکی سے خلیفہ معتصم باللہ (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) سے تعلق پیدا کر کے خط وکتابت جاری کر لی اور نہایت اعلیٰ قسم کا ہدیہ روانہ کیا تاکہ اس کی بجومی حکومت خلافت کی طرف سے استقلالی حکومت کا پروانہ حاصل کرلے، یہ غلبہ وہجوم ۲۱۸ھ سے ۲۲۷ھ کے درمیان کسی وقت ہوا، اگر مامون کے زمانہ میں ہوتا تو پھر ماہان اسی سے مراسلت کر کے تحفہ تحائف اسی کی خدمت میں روانہ کرتا جب محمد بن فضل اپنی مہم سے مظفر ومنصور واپس آیا تو مقامی ہندوؤں نے اسی کا ساتھ دیا اور ماہان کو قتل کر کے سولی دے دیا، معلوم نہیں اغیار کی مداخلت سے برادرانہ خانہ جنگی ختم ہونے کے بعد سندان کی مسلم حکومت کچھ دنوں چلی اور محمد بن فضل کو دوبارہ سندان میں اقتدار ملا، یا نہیں، بلاذری کا اندازِ بیان بتارہا ہے کہ ماہان کے قتل ہونے کے بعد ہی ہندوؤں نے یہاں قبضہ کرلیا تھا اور سندان سے دولتِ ماہانیہ کا چراغ اسی وقت گل ہوگیا تھا، پہلی خانہ جنگی میں بغداد کی فوجوں نے مداخلت کر کے اس حکومت کو باقی رکھا، مگر دوسری خانہ جنگی میں ہندوؤں نے مداخلت کر کے اسے ختم ہی کر دیا، البتہ انھوں نے مسلمانوں سے اور خلافت سے تعلقات خراب نہ ہونے کے لیے وہاں کی جامع مسجد مسلمانوں کے حوالہ کر دی اور حسب سابق نماز پڑھنے اور خلیفہ اسلام کے حق میں دعا کرنے کی پوری آزادی دی، نیز بہت بعد تک مہاراجگان بلہرانے تھانہ، جیمور، سندان، قامہل اور دوسرے مرکزی مقامات پر جہاں مسلمانوں کی آبادیاں تھیں اپنی طرف سے مسلمان قاضی مقرر کیے، جن کو مقامی زبان میں ہُنَرْمَن (بروزن برہمن) کہتے تھے ہنرمہ محکمۂ قضاء کی طرح ایک عہدہ ہوتا تھا جس پر صرف مسلمان قابض ہوتے تھے اور وہی مسلمانوں کے تمام امور ومعاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور ان کا یہ فیصلہ مہاراجگانِ بلہرا کا فیصلہ مانا جاتا تھا۔

برادرانہ خانہ جنگی میں دولتِ ماہانیہ کا خاتمہ افسوس کہ سندان کی یہ خود مختار مسلم ریاست

باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے چوتھائی صدی سے زیادہ مدت تک کامیابی کے ساتھ نہ چل سکی، اور چند ہی سالوں میں وقتی غلبہ کی طرح قائم ہو کر ختم ہو گئی، اگر اس کی ابتدا خلیفہ مامون کے ابتدائی دور ۱۹۸ھ سے مانی جائے اور انتہا معتصم باللہ کے آخری دور ۲۲۷ھ تک تسلیم کی جائے تو اس حکومت کی پوری مدت صرف اٹھائیس اُنتیس سال ہوتی ہے۔

نظامِ حکومت، مذہب، اور خلافت سے تعلق

سندان کے امرائے بنو ماہان اپنے آقا بنو سامہ کی طرح اہلِ سنت والجماعت میں سے تھے اور جس طرح بنو سامہ، عمان اور ملتان میں اپنی حکومتیں قائم کر کے خلفائے عباسیہ کے نام کا خطبہ پڑھ کر خلافت کے طرفداروں میں تھے، اسی طرح ان کے موالی بنو ماہان سندان کے مقبوضہ علاقہ میں خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھ کر اُن کے حق میں منبروں پر دعائے خیر کرتے تھے، نیز یہاں کے تین امراء میں سے دو نے اپنے زمانہ کے خلیفہ کے پاس اپنی حیثیت کے مطابق گراں قدر ہدایہ و تحائف بھیجے مرکزِ خلافت بغداد میں اس حکومت اور اس کے حکمرانوں کا اچھا خاصا اثر اور شہرہ تھا اور ان کی عملداری کو ہندوستان میں خلافت کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا، اس علاقہ سے عباسی خلفاء براہِ راست دلچسپی رکھتے تھے، چنانچہ مہدی عباسی نے خلافت سنبھالتے ہی ۱۶۰ھ میں یہاں فوج کشی کرائی، اور جب اس کے تقریباً چالیس سال بعد بنو ماہان نے اپنی حکومت قائم کر کے اسے عباسی خلافت کی حدود میں شامل کیا تو خلیفہ مامون نے اسے فوراً تسلیم کر لیا، اور اس کے دورِ خلافت میں جب ایک مرتبہ یہاں فتنہ نے سر اٹھایا تو اس کی فوجوں نے طاقت کے ذریعے اسے دبایا جس کی وجہ سے ۲۱۶ھ تک یہاں پھر کوئی خلفشار برپا نہیں ہو سکا، اور دوسرے حکمران نے امن و امان کے قیام اور حدودِ ریاست کی توسیع کا کام کیا، یہاں تک کہ جب مامون کے بعد معتصم کا دورِ خلافت آیا تو پھر فتنہ نے سر اٹھایا جو حکومت کے زوال کا باعث بنا معتصم نے اس میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور مقامی ہندوؤں نے اپنی سیاست سے کام لے کر اس پر قبضہ کر لیا، اس کے باوجود جب تک یہ حکومت قائم رہی مرکز سے

وابستہ رہی اور معتصم سے اسے علاقہ رہا، الغرض سندان کی یہ شخصی خود مختار حکومت خلافت سے متعلق رہ کر اندرونی معاملات میں بالکل آزاد تھی، البتہ بوقت ضرورت مرکز دخل انداز ہوتا تھا،

ماہانیوں کے دور میں سندھ کے عباسی عُمال و حکام

مامون اور معتصم کا دورِ خلافت (سنہ ۱۹۸ھ سے سنہ ۲۲۷ھ تک) اس اعتبار سے بہت مبارک تھا کہ اس میں سندھ کے ساتھ ہندوستان کا ایک حصہ بھی خلافت عباسیہ کے ماتحت تھا، سندھ میں باقاعدہ عمال و حکام نامزد کیے جاتے تھے، اور سندان کے امراء اطاعت شعاری اور وفاداری کے جذبہ سے بغداد کے ماتحت تھے، اس طرح بیک وقت سندھ اور سندان دونوں خلافت کا علاقہ تھے اور دونوں جگہ کے حکام اور حکمران عباسی خلفاء کو اپنا سرپرست سمجھتے تھے، اس دور میں سندھ میں حسب ذیل عباسی عمال تھے۔

بشر بن داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی

خلیفہ مامون نے اپنے دورِ خلافت میں بشر کو سندھ کا حاکم مقرر کیا، جو سالانہ ایک لاکھ درہم مرکز کو روانہ کرتا تھا، پھر اس نے سرکشی کر کے یہ رقم بند کر دی تو مامون نے اس کی سرکوبی کے لیے سنہ ۲۱۱ھ میں حاجب بن صالح کو بھیجا، جس سے بشر شکست کھا کر کرمان میں پناہ گزین ہو گیا۔

غسان بن عباد کوفی

مامون نے اس کو سنہ ۲۱۳ھ میں سندھ کی حکومت دیکر بھیجا، اس کی آمد پر بشر بن داؤد امان لے کر کرمان سے باہر نکلا، اور سنہ ۲۱۶ھ میں غسان اسے لے کر بغداد آیا،

موسیٰ بن یحییٰ برمکی

غسان بن عباد نے بغداد جاتے وقت اس کو سندھ کا حاکم مقرر کیا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ بن یحییٰ برمکی کو خود مامون نے حاکم بنایا تھا، موسیٰ نے سندھ میں بڑی شاندار خدمات انجام دیں اور راجہ بالا کو قتل کر کے فتنہ کا دروازہ بند کیا، سنہ ۲۲۱ھ میں اس کی وفات ہوئی، اس وقت معتصم کی خلافت قائم ہو چکی تھی،

عمران بن موسیٰ بن یحییٰ برمکی

اس کے باپ موسیٰ بن یحییٰ نے مرتے وقت اسے اپنا جانشین مقرر کیا

بعد میں عمران نے خلیفہ معتصم سے مراسلت کر کے سندھ میں اپنی حکومت کا پروانہ حاصل کر لیا، اور اپنے باپ کی طرح یہاں بڑے شاندار کارنامے انجام دیئے، شریر و سرکش جاٹوں سے جنگ کر کے ان کو زیر کیا، قندابیل میں ایک عرب محمد بن خلیل نے اپنی حکومت قائم کر لی اور بنو جاس سے علیحدہ ہو کر مستبد ہو گیا تھا، عمران سے اسے زیر کیا اور وہاں سے مفسدوں کو گرفتار کیا۔ نیقان کے قریب بیضار نامی ایک شہر آباد کر کے اسے فوجی چھاؤنی بنایا، عمران بڑھ بڑھ کر سندھ کے بگڑے ہوئے حالات درست کر رہا تھا کہ سندھ میں آباد عربوں میں قبائلی عصبیت پھوٹ پڑی اور یمنی و نزاری آپس میں لڑ پڑے، عمران نے یمنیوں کا ساتھ دیا اور اس کے مقابلہ میں عمر بن عبد العزیز ہباری نے نزاریوں کا ساتھ دے کر عمران کو قتل کر دیا،

عنبسہ بن اسحاق ضبی

عمران کے بعد معتصم نے عنبسہ بن اسحاق ضبی کو سندھ کا حاکم بنایا، اس نے پھر سندھ کے حالات درست کیے۔ اس نے دیبل کے بت خانہ کے منارہ کو گرا کر جیل خانہ بنوایا اور شہر دیبل کی مرمت اسی منارہ کے پتھروں سے کرائی، خلیفہ متوکل نے ۲۳۲ھ میں اسے معزول کیا،

محمد بن خلیل صاحب قندابیل

سندان کے ماہانیوں کے یہ پانچ معاصر حاکم تھے جو خلافت کی طرف سے سندھ پر حکومت کرتے تھے، ان کے علاوہ قندابیل میں محمد بن خلیل نامی ایک اور معاصر خود مختار حکمران تھا، جسے عمران نے شکست دی۔

عسیفان کا مسلمان راجہ

اس وقت ان مسلمان حکمرانوں کے علاوہ ایک اور مسلمان حکمراں تھا جو سندھ کے بعد پنجاب سے متصل ملتان، کشمیر اور کابل کے درمیان عسیفان نامی شہر کا حاکم تھا، یہ پہلے ہندو راجہ تھا مگر معتصم باللہ کے دور خلافت میں حیرت انگیز طور پر خود بخود مسلمان ہو گیا، بلاذری کا بیان ہے کہ یہ راجہ بڑا عقلمند تھا، یہاں کے عوام بت پرست تھے، ان کا بہت بڑا بت خانہ بھی تھا جس میں بہت سے پجاری رہتے تھے، ایک مرتبہ راجہ کا ایک لڑکا بیمار پڑا تو اس نے بت خانہ کے پجاریوں کو دربار میں بلا کر کہا کہ تم لوگ اپنے

بُت سے التجا کرو کہ وہ اس لڑکے کو اچھا کردے، یہ سب تھوڑی دیر غائب رہے، پھر آکر کہا کہ ہم نے بُت سے درخواست کی اور اس نے ہماری درخواست منظور کرلی ہے، مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ لڑکا مر گیا، جس سے راجہ نے سخت متنفر ہو کر بت خانہ کو منہدم کر دیا اور بت کو توڑ ڈالا، پھر اس نے عسیفان میں مقیم مسلمان تاجروں کی ایک جماعت کو بلایا، جنھوں نے اس کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی اور وہ مسلمان ہو کر موحد بن گیا۔[1]

سندھ اور تبت کا مسلمان راجہ

مامون کے زمانہ میں سنہ ۲۰۰ھ میں تبت اور سندھ کے ایک راجہ نے اسلام قبول کر کے کعبہ کے لیے نذرانہ پیش کیا اور مامون کی مرضی کے مطابق اسے کعبہ میں امتیازی شان سے رکھا گیا، اس کی تفصیل فاسی نے شفاء الغرام میں بیان کی ہے۔

ماہانیوں کے ایک ساحلی معاصر راجہ سامری کا قبول اسلام اور مالابار میں اسلام کی تبلیغ اور مساجد کی تعمیر

سندان میں آل ماہان کی حکومت کے عین شباب میں جنوبی ہند کے ساحل مالابار میں اسلام نہایت عجیب انداز میں داخل ہوا، اور ماہانیوں کا ایک ہمسایہ اور معاصر غیر مسلم راجہ خود بخود اسلام کی آغوش میں آیا، یعنی دوسری صدی کے خاتمہ پر مالابار کے راجہ پیرومال نے اسلام قبول کیا جسے عربی میں سامری کہا جاتا ہے، اس واقعہ نے ملیبار، کوچین، اور کیرالا وغیرہ میں اشاعت اسلام میں مدد دی، سامری کی شخصیت جنوبی ہند کی قدیم اسلامی تاریخ میں بڑی پرکشش ہے اور اس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں، زین الدین بن عبد العزیز معبری ملیباری نے تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتکالیین میں سامری کے اسلام لانے اور جنوبی ہند میں اسلام کے پھیلنے کا حال نہایت تفصیل سے درج کیا، یہ کتاب سنہ ۹۹۳ھ میں لکھی گئی ہے، معبری نے بیان کیا ہے کہ مسلمان فقراء کی ایک جماعت عرب سے قدم آدم کی زیارت کے لیے روانہ ہوئی، اور ہندوستان

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۳۔

کے ساحلی شہر کدنگلور (کرن گنور) سے گذری، جب راجہ سامری کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے دربار میں بلایا، اس میں ایک بزرگ تھے انھوں نے راجہ کے سوال پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، معجزہ شق القمر، اور اسلام کے بارے میں تفصیلات بیان کیں جن کو سن کر راجہ خفیہ طور سے مسلمان ہوگیا، اور ان لوگوں سے کہا کہ واپسی پر آپ لوگ مجھ سے ملاقات کریں، میں بھی آپ کے ساتھ عرب چلوں گا، مگر میرے اسلام لانے اور یہاں سے جانے کی کسی کو خبر نہ ہو، اس کے بعد وہ لوگ سیلون چلے گئے۔ اور واپسی پر پھر حاضر ہوئے، راجہ نے اندر ہی اندر ایک کشتی والے کو تیار کر رکھا تھا اور ارکان دولت سے کہہ دیا تھا کہ ایک ہفتہ تک کوئی آدمی میری ملاقات کے لیے نہ آئے، اس فرصت میں اس نے ہر ہر علاقہ کی حکومت خاص خاص لوگوں کو سونپ کر سند لکھدی، اور خفیہ طور سے اس جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر فندرینہ (پنڈرانی) اور درفتن (دھرم پٹن) ہوتا ہوا عمان کے مقام شحر میں پہنچا، اور مسلمان فقراء کے ساتھ راجہ بھی وہیں اتر گیا، یہاں کچھ مدت تک قیام کر کے ایک جماعت تیار کی جو ملیبار میں چل کر اسلام کی تبلیغ کرے، جس میں شرف بن مالک، مالک بن دینار، اور مالک بن حبیب بہت مشہور ہیں، مگر چلنے سے پہلے راجہ بیمار پڑ گیا مگر اپنے رفقاء سے کہا کہ وہ اپنا سفر جاری رکھیں، الغرض سامری شحر میں فوت ہوگیا اور یہ تینوں حضرات مالابار آئے اور سامری کے خطوط اس کے نائبوں کو دیکر اپنے لیے آسانی فراہم کی، یہاں کے لوگ اپنے راجہ کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کی بڑی آؤ بھگت کی، ان تینوں بزرگوں نے پورے ساحل ملیبار میں اسلام کی تبلیغ کی، اور ہر جگہ مسجد بنائی، ان ہی کے ہاتھوں یہاں پر تبلیغ اسلام کی بنیا دپڑی علامہ معبری لکھتے ہیں کہ ہمیں اس راجہ کی تاریخ کا پتہ نہیں ہے مگر گمان غالب ہے کہ یہ راجہ دوسری صدی کے بعد تھا، اور ملیبار کے مسلمانوں میں جو یہ مشہور ہے کہ یہ راجہ عہد رسالت میں معجزہ شق القمر دیکھ کر مسلمان ہوا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واپسی پر مبلغین کی ایک جماعت کو لے کر چلا مگر شحر پہونچ کر اس کا انتقال ہوگیا، تو اس میں سے کوئی

بات صحیح نہیں ہے، آجکل (دسویں صدی ہجری) عوام میں مشہور ہے کہ یہ راجہ ظفار میں مدفون ہے نہ کہ شحر میں، تاریخ فرشتہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں مسلمان ہوا، بعض مستشرقین بھی اسی کے قایل ہیں، مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ دوسری صدی کے آخر میں یا تیسری صدی کے شروع میں تھا، بعض مغربی محققین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سامری (پیرومال) ۲۵ اگست ۸۲۵ء (۲۱۰ھ) کو مالابار سے نکلا، اور ۸۲۷ء (۲۱۲ھ) کو ساحلِ عرب پر پہنچا اور ۸۳۱ء (۲۱۶ھ) میں فوت ہوا، اور اس کی موت کے دو سال بعد اس کے رفقا ۸۳۳ء (۲۱۹ھ) نواحی ملیبار میں پہنچے، تفصیل کے لیے تحفۃ المجاہدین اور رجال السند والہند ملاحظہ ہو۔[۱]

راجہ سامری کے مسلمان ہونے اور اس کے عرب رفقار کے مالابار میں تبلیغ اسلام اور تعمیر مساجد کا زمانہ خلیفہ مامون کی خلافت کا زمانہ تھا جس کے نام کا خطبہ سندان کے دو ماہانی حکمرانوں نے پڑھا تھا، اگر سامری کی عمر نے وفا کی ہوتی تو جنوبی ہند کی عظیم مسلم حکومت ہوتی جو خلافت عباسیہ کی نیابت میں خود مختار رہ کر اسلام کی شاندار خدمات انجام دیتی، اور ہندوستان کی دو ساحلی حکومتیں یہاں کے نقشہ میں نیا رنگ بھرتیں،

مملکتِ سندان کی اہمیت اور مرکزیت

سندان موجودہ مہاراشٹر اور گجرات کے درمیانی بمبئی سنٹرل ریلوے اسٹیشن سے شمال کی طرف ۵ ۱۴ کیلومیٹر پر اور سورت سے جنوب کی طرف ۱۱۸ کیلومیٹر پر ایک معمولی اسٹیشن ہے، قدیم عرب جغرافیہ نویس اور مورخ اسے سندان لکھتے ہیں مگر آجکل مقامی زبان میں اسے سنجان کہا جاتا ہے، ابوالفضل نے بھی آئین اکبری میں سنجان ہی لکھا ہے، اور اسے جالہ دارہ کلاں کا پرگنہ بتایا ہے[۲] قدیم زمانہ میں یہ بلاد ہند کا مشہور شہر اور بندرگاہ تھا، اور یہاں بحری تجارت کی عالمی منڈی تھی، قلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں لکھا ہے کہ سندان ایک شہر ہے جو تھانہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے، اس کا محلِ وقوع اقلیم اول ہے، طول البلد ۱۰۴ درجہ اور بیس دقیقہ ہے اور عرض البلد ۱۹ درجہ اور بیس دقیقہ ہے[۳]

---

[۱] تحفۃ المجاہدین ص ۱۴ تا ص ۱۷، و رجال السند والہند ص ۱۳۰ تا ص ۱۳۹۔ [۲] آئین اکبری ج ۲ ص ۱۱۵۔ [۳] صبح الاعشیٰ ج ۵ ص ۶۲

دیو، دمن، تاراپور، اور ماہم کی طرح سنجان پر بھی پرتگیزیوں کا قبضہ رہ چکا ہے، اس کے آس پاس تانہ (تھانہ) صیمور (جیمور) سوبارہ (نالہ سپارا) اسی کی طرح قدیم ساحلی اور تاریخی مقامات ہیں جس زمانہ کا ہم تذکرہ کررہے ہیں اس میں ان اطراف میں بلہرا کی حکومت تھی، یہ گجرات کے مہاراجگان دلبھی رائے تھے جن کا پایۂ تخت مانکیر (منگرور) تھا، اور سوراشٹر سے لے کر کوکن تک کے ساحلی بلاد وامصار پر ان کی حکومت تھی، سندان اسی حکومتِ بلہرا کا نہایت اہم ساحلی شہر تھا، ابوالفداء نے تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ سندان سواحل ہند کے شہروں میں بلادِ تھانہ سے ہے، یہ مجمع الطرق ہے یعنی یہاں پر کئی ملکوں کے بحری راستے آکر ملتے ہیں، اور یہ سمندر کی اہم ترین بندرگاہوں میں سے ہے[1] اصطخری نے سندان اور اس کے آس پاس کے شہروں کی مسافت کو یوں بیان کیا ہے کنبائت سے سوپارہ تقریباً ۴ مرحلہ اور سوپارہ سمندر سے نصف فرسخ پر واقع ہے، سوپارہ اور سندان کے درمیان ۵ مرحلہ ہے، سندان بھی سمندر سے نصف فرسخ پر واقع ہے، اور جیمور اور سندان ۵ مرحلہ کی مسافت ہے[2]۔ یہ شہر اپنے حدود میں ایک مملکت تھا جس کا تعلق بغداد سے تھا جس طرح ابھی چند سال پہلے تک اسی علاقہ میں دیو اور دمن دو چھوٹے علاقے پرتگیز کے قبضہ میں تھے، اور ان کا تعلق براہِ راست پرتگال کی حکومت سے تھا،

زرخیزی اور ارزانی

سندان اور اس کے اطراف کے علاقے نہایت زرخیز، سرسبز اور شاداب تھے، اور ہر طرف ارزانی عام تھی، یہاں کی جو پیداوار مقامی ضرورت سے فاضل ہوتی تھی، کثیر مقدار میں غیر ممالک کو روانہ کی جاتی تھی، اصطخری نے قامہل، سندان، جیمور اور کنبائت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بستیاں زرخیز، شاداب اور وسیع ہیں، یہاں نارجیل، کیلہ اور آم کی پیداوار ہے، کھیتی باڑی زیادہ تر دھان اور چاول کی ہوتی ہے، شہد بھی کافی مقدار میں ہوتا ہے، البتہ کھجور نہیں ہے۔ قامہل سے کنبائت تک میدان ہے، پھر کنبائت سے جیمور تک ہندوستان کی مسلسل بستیاں اور آبادیاں ہیں[3]۔

---

[1] تقویم البلدان [2] مسالک الممالک ص ۱۷۹، [3] مسالک الممالک ص ۱۷۶۔

مقدسی بشاری نے احسن التقاسیم میں لکھا ہے کہ سندان کی بندرگاہ، اور جیمور اور کنبائت یہ سب سرسبز و شاداب شہر ہیں، یہاں تمام اشیاء بہت ارزاں ہیں اور یہ علاقے چاول اور شہد کے دیس ہیں[1]۔

تجارتی اور برآمدی اشیاء جیسا کہ معلوم ہوا سندان بہت بڑی تجارتی بندرگاہ اور عرب اور چین کے درمیان بحری تجارت کا چوراہہ تھا، یہاں سے بحری راستوں کے ذریعہ دور دور تک تجارتی قافلے آتے جاتے تھے، اور یہ شہر تجارتی سامانوں سے پٹا رہتا تھا، ابو الفداء کا بیان گذر چکا ہے کہ سندان مختلف سمت کے راستوں کا مرکز ہے، یہ قسط، بانس اور بید کا دیس ہے، اور یہ اطراف و جوانب کی بہت بڑی بندرگاہ ہے، یہاں پر چاول، شہد، نارجیل، کیلے، آم، مرچ، ساگوان، قسط، بانس، بید بکثرت ہوتے تھے اور بھاری تعداد میں عرب ممالک کو جاتے تھے، دولت ماہانیہ کے آخری حکمران ماہان بن فضل نے خلیفہ معتصم کی خدمت میں یہاں سے ساگوان کی جو لکڑی بھیجی تھی وہ جسامت و ضخامت میں اپنی مثال آپ تھی عرب تاجر و سیاح سندان اور کوکن کے دوسرے علاقوں کو بلاد الساج یعنی ساگوان کا دیس کہتے تھے۔ ابن خرداذبہ کا بیان ہے کہ سندان میں ساگوان اور بانس کی پیداوار ہوتی ہے[2]۔

اسی طرح سندان کی بندرگاہ سے عرب ممالک میں مرچ بھی بھاری مقدار میں جاتی تھی، ابن خرداذبہ اور ابن فقیہ ہمدانی نے تصریح کی ہے کہ ملی اور سندان سے مرچ باہر جاتی ہے[3]۔

صنعت و حرفت سندان صنعتی مقام بھی تھا یہاں کی کئی صنعتیں عرب ممالک میں مشہور تھیں، خاص طور سے یہاں کے بنے ہوئے جوتے اور کپڑے بڑی شہرت رکھتے تھے، نعال کنبائیتہ (کنبائت کے جوتے)، اور ثیاب تانشیہ (تھانے کے کپڑے) اگرچہ سندان کی نسبت سے مشہور نہیں تھے، مگر یہاں بھی تیار ہوتے تھے، یہاں کے عمدہ جوتوں

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۴، [2] المسالک والممالک ص ۶۲، [3] المسالک والممالک ص ۷۰، اور کتاب البلدان ص

کا تذکرہ مسعودی نے مروج الذہب میں اس طرح کیا ہے کہ کنبائت وہی شہر جس کی طرف آوازوالے نعال کنبائیتہ (کنبائتی جوتے) منسوب ہیں جو عرب ممالک میں آتے ہیں، یہ جوتے کنبائت اور اس کے قریبی مقامات مثلاً شہر سندان اور سوپارہ میں بھی بنائے جاتے ہیں[1]۔

اسی طرح سندان کے بنے ہوئے ہر قسم کے عمدہ کپڑے بڑی مقدار میں باہر جاتے تھے، اور دُنیا کے مشہور کپڑوں کا مقابلہ کرتے تھے، مقدسی بشاری نے اپنے زمانے میں یہاں کے کپڑوں کے بارے میں لکھا ہے کہ سندان سے بڑی تعداد میں چاول اور کپڑے باہر بھیجے جاتے ہیں، فرش فروش کے مطلب کے ہر قسم کے کپڑے پورے علاقے میں تیار کیے جاتے ہیں، جیسے خراسان کے علاقے قہستان میں بنتے ہیں، نیز سندان سے بڑی تعداد میں نارجیل اور عمدہ عمدہ کپڑے باہر بھیجے جاتے ہیں[2]۔

بحری تجارت اور غیر ملکی تاجر

سندان اور اس کے اطراف وجوانب کی اس زرخیزی وارزانی صنعت وحرفت اور ہر طرح کی تجارتی مرکزیت نے اسے عربوں کی بہت بڑی منڈی بنادیا تھا، اور سیراف، عمان، بحرین اور بغداد وغیرہ سے بڑے بڑے تجارتی جہاز براہ راست سندان آتے جاتے تھے، نیز ہندوستان کے بانیان (بنیے) اور ساہوکار ان ممالک میں جاتے تھے، چنانچہ دولت ماہانیہ سندان کے تیس چالیس سال بعد جو سیاح اور جغرافیہ داں اطراف میں آئے انھوں نے ان باتوں کو بیان کیا ہے، ابوزید سیرافی (موجود ۲۶۴ھ) نے اپنے سفرنامہ میں مملکت بلہرا جس میں سندان بھی شامل تھا، اس کے حالات بیان کرکے لکھا ہے کہ ہمیں ان باتوں کو ایسے شخص نے بتایا ہے جسے ہم جھوٹا نہیں کہہ سکتے اور یہ شخص آجکل لوگوں میں مشہور ومتعارف ہے، پھر ہندوستان کے یہ شہر عرب کے شہروں سے قریب ہیں، اسی سلسلہ میں ابوزید سیرافی نے سیراف میں ہندو تاجروں کے جانے کو یوں بیان کیا ہے کہ جب ہندو تاجر سیراف آتے ہیں اور کوئی بڑا مسلمان تاجر ان کو کھانے کی دعوت دیتا ہے تو اسے سیکڑوں میں سے ہر ایک کے سامنے طشت رکھنا پڑتا ہے جس میں اس کا کھانا

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۲۶۔ [2] احسن التقاسیم ص ۴۸۱

الگ رکھا ہوتا ہے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوتا[1]۔

بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے عجائب الہند میں کئی ایسے تاجروں کے حالات لکھے ہیں اور ان کی زبانی یہاں کے واقعات نقل کیے ہیں جو سندان تک آتے جاتے تھے، ایک تاجر کا واقعہ اسی کی زبانی نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے جس میں ہے کہ میں ۳۰۶ھ میں سیراف سے جیمور کے لیے جہاز میں چلا اور ہمارے ساتھ عبداللہ بن جنید اور سبا کے جہاز بھی روانہ ہوئے یہ تینوں جہاز بہت بڑے تھے ان کے ناخدا بھی نامی گرامی تھے اور بحری سفر میں ان کی بڑی قدر و منزلت اور شہرت تھی، ان جہازوں میں تاجروں، ناخداؤں اور ملازموں اور مختلف طبقوں میں سے بارہ سو آدمی سوار تھے، اور ان میں اس قدر زیادہ اموال و اسباب تھے کہ ان کی مقدار معلوم نہیں، ہم ان جہازوں میں چلے اور گیارہ دن کے بعد ہمیں پہاڑوں کے آثار اور سندان اور تھانہ اور جیمور کی جھلکیاں نظر آئیں، مگر ساحل کے قریب آکر یہ تینوں جہاز سخت طوفان میں گھر گئے، جس کی وجہ سے ان کے تمام مسافر اور سارے مال اور اسباب تجارت سمندر کی نذر ہو گئے اور صرف تین آدمی بچ سکے[2]۔

جیمور کے ہنرمن (قاضی) عباس بن ماہان نے ایک عرب تاجر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ اس نے سندان یا جیمور کی بندرگاہ سے ایک جہاز عمان کے لیے روانہ کیا اور اپنے وکیل کی معرفت اس جہاز میں ساگوان کی لمبی چوڑی لکڑی روانہ کی، اور اس پر اپنا نام اور نشان لکھ کر کہا کہ تم اسے عمان میں فروخت کر کے میرے لئے فلاں فلاں سامان خرید لینا، اس کے دو ماہ بعد اس تاجر کو ایک آدمی نے خبر دی کہ سندان کی کھاڑی میں ایک لمبی چوڑی لکڑی بہ کر آئی ہے جس پر تمہارا نام درج ہے، وہ تاجر دوڑا ہوا گیا اور دیکھا تو یہ وہی لکڑی تھی، اور فروخت ہو جانے کے بعد طوفان کی وجہ سے ساحل عمان سے بہہ کر پھر سندان کے کنارے پر آ لگی تھی[3]۔ حسن بن عمرو نامی ایک عرب تاجر نے قیام سندان کے زمانہ میں یہاں کے ہندوؤں کے چھوت چھات کا واقعہ

[1] رحلۃ ابی زید سیرافی۔ [2] عجائب الہند ص ۱۶۵، [3] عجائب الہند ص ۱۴۴۔

بیان کیا ہے جسے بزرگ بن شہریار نے نقل کیا ہے[1]، نیز سندان سے متعلق عرب سیاحوں، تاجروں اور ناخداؤں کی زبانی بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے یہ جگہ کس قدر اہم تھی، اور عرب تاجروں کے نزدیک اسے کیا مرکزیت حاصل تھی۔

سندان میں اسلامی ثقافت کے اثرات و برکات

ماہانیوں نے دوسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے ہندوستان میں اسلامی اقتدار کا چراغ روشن کر کے اسلامی تہذیب و ثقافت کی محفل سجائی تھی، اگرچہ اس زمانہ میں سندھ مسلمانوں کا مرکز تھا اور اس کا تعلق عالمِ اسلام سے ہو چکا تھا مگر ہندوستان ان کے لئے دیارِ غیر تھا چین اور ہندوستان میں صرف تجارت کے لیے عرب تاجران کے ساحلی علاقوں میں آتے جاتے تھے، اہلِ علم اور ارباب فضل و کمال کا گذر بہت کم تھا۔ ماہانیوں کے دور میں کسی عرب سیاح و مورخ کے یہاں آنے کا پتہ نہیں چلتا جس نے اپنے رحلہ اور اپنے سفر نامہ میں یہاں کا حال لکھا ہو، البتہ اس حکومت کے خاتمہ کے بعد ان کا سلسلہ شروع ہوا اور انھوں نے ان اطراف کے مفصل و مجمل حالات اپنی کتابوں میں درج کیے، چنانچہ سلیمان تاجر موجود ۲۳۷ھ، ابو زید سیرافی موجود ۲۶۴ھ، ابن خرداذبہ موجود ۲۵۰ھ، مسعودی ۳۰۳ھ اصطخری ۳۴۰ھ وغیرہ نے آل ماہان کے بعد یہاں کے حالات اپنی کتابوں میں لکھے ہیں، بعد کے ان ہی سیاحوں اور مورخوں کے بیان کی روشنی میں ہم پہلے کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں،

مہاراجگان بلہرا اور عوام کی مسلمانوں سے محبت

ہندوستان کے قدیم راجے مہاراجے عراق کے بادشاہ (بغداد کے خلیفۂ اسلام) کو دنیا کے تمام بادشاہوں اور حکمرانوں سے زیادہ معزز و محترم گردانتے تھے، اور ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے، اسی طرح ان کی رعایا بھی یہی عقیدہ رکھتی تھی، اور مسلمانوں کو خیر و برکت کا ذریعہ سمجھتی تھی، چنانچہ جب عباسی دور میں سندھ کے عامل ہشام بن عمرو تغلبی کی طرف سے عمرو بن جمل نے بھاڑبھوت اور گندھارا (بھڑوچ) کو فتح کر کے یہاں مسجد تعمیر کی تو مقامی ہندوؤں نے

---

[1] عجائب الہند ص ۱۱۸۔

اسے اپنے لیے فرشتۂ غیبی سمجھا، اس دور میں ہر طرف ارزانی و فراوانی کا دور دورہ ہوا، شہروں اور آبادیوں میں بڑی رونق آگئی اور مسلمانوں کے حسنِ انتظام اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے پیداوار میں اضافہ ہوگیا جسے یہاں کے باشندوں نے اپنے حق میں خیر و برکت سمجھا، ہندوستانیوں کے دل میں عربوں کی محبت و عقیدت کا جو بیج ہشام بن عمرو تغلبی نے بویا تھا، اس کی آبیاری پچاس ساٹھ سال کے بعد ماہانیوں نے سندان میں اپنی حکومت قائم کر کے کی۔ اور اپنے حسنِ انتظام سے یہاں کے باشندوں کے دلوں کو موہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ بلہرا جیسی قدیم اور شاندار غیر مسلم حکومت نے اپنے علاقے میں اسلامی اقتدار کو بار آور ہونے کا موقع دیا، اور اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا، یہی نہیں بلکہ مہاراجگانِ بلہرا اور ان کے عوام عربوں سے شدید محبت کرنے لگے، اور انھوں نے ان کے بارے میں نہایت اچھا اور خوش کن عقیدہ پیدا کر لیا، چنانچہ سلیمان تاجر جس نے سندان کی ماہانی حکومت کے زوال کے تقریباً دس سال بعد ہندوستان اور چین کا تجارتی سفر کیا ہے، اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ یہ راجہ بلہرا ہندوستان کے راجوں میں سب سے شریف ہے اور تمام راجے مہاراجے اس کی شرافت و عظمت کے معترف ہیں، اس خاندان کے راجوں کی عمریں بہت زیادہ ہوتی ہیں، بسا اوقات ایک راجہ پچاس سال تک حکومت کرتا ہے اس کے ارکانِ دولت کا خیال ہے کہ ان کے راجوں کی عمریں اور حکومتیں اس لیے طویل ہوتی ہیں کہ وہ عربوں سے محبت کرتے ہیں، ہندوستان کے راجوں میں راجہ بلہرا اور اس رعایا سے زیادہ کوئی شخص عربوں سے شدید محبت و عقیدت نہیں رکھتا، بلہرا ہر راجہ کا لقب ہوتا ہے کسریٰ وغیرہ کی طرح، اور یہ خاص نام نہیں ہے، راجہ بلہرا کا علاقہ ساحلِ سمندر ہے جسے بلادِ کم کم (کوکن) کہتے ہیں، یہ علاقہ حدودِ چین تک پھیلا ہوا ہے۔[1]

ماہانیوں کے زوال کے سیکڑوں سال بعد مشہور سیاح اور مورخ مسعودی نے ان کے علاقہ میں آکر ان کے آثار و علائم کا مشاہدہ کیا یہ سیاح ۳۰۳ھ اور ۳۰۴ھ میں بلہرا کی سلطنت

---

[1] رحلہ سلیمان تاجر،

میں آیا، اور کنبائت، جیمور، تھانہ، سوپارہ، سندان، بھڑوچ اور دوسرے مقامات میں گیا، اور لکھا کہ اب تک یہاں کے راجے اور عوام مسلمانوں سے شدید محبت رکھتے ہیں، ان کے ملک میں اسلام باغ و بہار بن کر پھولتا پھلتا ہے، مسلمان عزت و احترام کی زندگی بسر کرتے ہیں، مسجدیں آباد ہیں اور ہر طرح کی مذہبی آزادی ہے، بلکہ راجے امورِ مملکت میں اسلامی سیاست کی تقلید کرتے ہیں اور اپنے فوجیوں کو مسلم حکمراں کی طرح سرکاری خزانہ سے تنخواہ دیتے ہیں، اس کا پورا بیان یہ ہے ہمارے زمانہ میں ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ بلہرا ہے جو مانکیر (منگرور) کا حاکم ہے، اس کی مملکت اور سمندر کے درمیان اسّی سندھی فرسنگ کی مسافت ہے، یہ ایک فرسنگ آٹھ میل کا ہوتا ہے، سندھ اور ہندوستان کے راجوں مہاراجوں میں بلہرا کے علاوہ کوئی بھی اپنی مملکت میں مسلمانوں کا احترام اور خیال نہیں کرتا، البتہ بلہرا کے ملک میں اسلام معزز و محترم اور مامون و محفوظ ہے، یہاں مسلمانوں کی عام مسجدیں ہیں جو نمازیوں سے بھری رہتی ہیں، اس خاندان میں ایک ایک راجہ چالیس چالیس اور پچاس پچاس بلکہ اس سے زیادہ سالوں تک حکومت کرتا ہے، اس کے ارکانِ دولت کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ عدل و انصاف اور ان کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے ان کے راجوں کی عمریں طویل ہوتی ہیں، یہ راجہ مسلمانوں کی طرح اپنے سرکاری خزانہ سے فوجیوں کی تنخواہیں ادا کرتا ہے۔[1]

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ جب بنو ماہان کے زوال کے سیکڑوں برس بعد سندان اور اس کے اطراف میں مسلمانوں اور عربوں کے خوشگوار اثرات یہاں کے حکمرانوں اور عوام میں اس طرح کام کر رہے تھے تو خود ان کے دورِ حکومت میں کیا حال رہا ہوگا، سیاست و حکومت سے ہٹ کر تعلقات اور عقیدت و احترام کی حد تک عام ہندوؤں اور ان کے راجوں نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کا پورا پورا خیال رکھا، چنانچہ سندان پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد بھی وہاں کی جامع مسجد مسلمانوں کے حوالہ کر دی گئی تاکہ وہ حسبِ سابق آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور اپنے خلیفہ کے حق میں دعا کریں۔

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۷۰

ہنرمہ کا محکمہ یعنی عہدۂ قضاء، نیز بعد میں یہاں کے راجوں نے مسلمانوں کے دینی اور مذہبی امور و معاملات کے لئے ایک مستقل محکمہ جاری کیا جسے ہُنرمہ کہتے تھے، اس منصب پر صرف مسلمان ہی رکھا جاتا تھا اور اس کا فیصلہ راجہ کا فیصلہ تصور کیا جاتا تھا، ہر بڑے شہر میں ہنرمن مقرر تھا اور ہر بستی میں اسلام اور مسلمان عزت و احترام کی زندگی بسر کر رہے تھے، مسعودی نے ۳۰۴ھ میں جیمور کے ہنرمن کا تذکرہ یوں کیا ہے کہ جیمور میں ہنرمہ کے عہدہ پر آجکل ابوسعید معروف بن زکریا فائز ہے ہنرمہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا رئیس اور سربراہ ممتاز مسلمانوں میں سے ایک شخص اس عہدہ پر فائز ہوتا ہے اور اُن کے تمام معاملات و احکام اس کے پاس جاتے ہیں[1]۔

بزرگ بن شہریار ناخدا نے مملکت بلہرا کے بعض قوانین و تعزیرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ بلادِ ہند میں اگر کوئی مسلمان چوری کرتا ہے تو اس کا فیصلہ مسلمانوں کے ہنرمن کے سپرد کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس میں اسلامی حکم کے مطابق عمل کرے، یہاں کے ہنرمن کی مثال بلادِ اسلام کے قاضی کی ہے اور اس مملکت میں ہنرمن صرف مسلمان ہوتا ہے[2]۔ اوپر جیمور کے ہنرمن ابوسعید معروف بن زکریا کا تذکرہ مسعودی کے حوالہ سے گذر چکا ہے، بزرگ بن شہریار نے بھی جیمور ہی کے ایک دوسرے ہنرمن عباس بن ماہان سیرافی کا تذکرہ یوں کیا ہے کہ جیمور میں اہلِ سیراف سے ایک شخص عباس بن ماہان مسلمانوں کا ہنرمن تھا، یہ اعیان شہر میں سے تھا اور مسلمانوں کے امور و معاملات اسی سے متعلق تھے[3]۔ اس نے ان اطراف کے بعض حالات و واقعات بھی جیمور کے اسی ہنرمن عباس بن ماہان کی زبانی بیان کیے ہیں[4]۔ یاقوت حموی نے مملکتِ بلہرا کے بیان میں لکھا ہے کہ جیمور، اور کنامہ (کنبائت یا کھمبات) میں بلہرا کی طرف سے مسلمانوں کا حاکم مسلمان ہی ہوتا ہے ان شہروں میں مسلمان بھی رہتے ہیں[5]۔ بزرگ بن شہریار نے تھانہ کا ایک واقعہ لکھا ہے

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۲۱۰۔ [2] عجائب الہند ص ۱۶۰ - ۱۶۱، [3] عجائب الہند ص ۱۴۲،
[4] اس کی تفصیل عجائب الہند ص ۱۴۲ میں ملاحظہ ہو۔ [5] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۰۷۔

کہ ایک مسلمان نے کسی بت خانہ میں جاکر ایک نازیبا حرکت کی تو یہاں کے راجہ نے اسے گرفتار کر کے مسلمان ہنرمن کے پاس بھیج دیا اور کہا کہ جو آدمی کعبہ میں جاکر یہ گستاخی کرے اور آپ اسے جو سزا دینی چاہیں وہی سزا اس مجرم کو ملنی چاہیے، چنانچہ وہاں کے مسلمان ہنرمن نے اس پر اپنا بے لاگ فیصلہ جاری کیا۔

سندان کی شاندار حکومت اور مسلمانوں کے بلند کردار نے مملکت بلہرا کو اپنا وطن بنا لیا تھا، اور

مسلمانوں کی کثیر آبادیاں، اور ہر قسم کی مذہبی، معاشی اور معاشرتی آزادیاں

یہاں عوام اور ان کے حکام اسلام اور مسلمانوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ سندان کی مسلم حکومت کے خاتمہ پر بھی یہ علاقہ خلیفۃ المسلمین کو دعا دیتا رہا اور یہاں کی مسجدوں اور میناروں سے اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہا اور دولتِ ماہانیہ نے جو صدا بلند کی تھی اس کی بازگشت مدتوں سنی گئی، مسعودی نے چیمور میں مسلمانوں کی آبادی و آزادی کے بارے میں لکھا ہے کہ چیمور ہندوستان میں علاقہ لار کا ایک حصہ ہے جو مملکت بلہرا میں واقع ہے، میں بلادِ چیمور میں ۳۰۴ھ میں پہنچا، اس وقت وہاں کا حاکم حاج نامی تھا، یہاں تقریباً دس ہزار عرب آباد ہیں جن میں بیاسرہ، سیرانی، عمانی، بصری، بغدادی اور دوسرے شہروں کے لوگ شامل ہیں، یہ لوگ یہاں متاہل ہو کر مستقل آباد ہو گئے ہیں اور ان مسلمانوں میں بڑے بڑے تاجروں کی ایک جماعت ہے جیسے موسیٰ بن اسحٰق صندا پوری (صندا پور یعنی گوا)، اور بیاسرہ سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ہندوستان میں پیدا ہوئے، یہ ان کا لقب ہے واحد کو بیسر اور جمع کو بیاسرہ کہتے ہیں[1]۔

اصطخری نے لکھا ہے کہ قامہل، سندان، چیمور، اور کنبائت میں جامع مسجدیں ہیں، اور ان شہروں میں مسلمانوں کے احکام جاری و ظاہر ہیں۔ نیز اصطخری نے لکھا ہے کہ کنبائت سے چیمور تک بلہرا کی عملداری میں سے ہے، یہ علاقہ بلادِ کفر ہے مگر ان شہروں میں مسلمان آباد ہیں، اور

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۲۱۰

بلہرا کی طرف سے ان کا حاکم صرف مسلمان مقرر کیا جاتا ہے، ان شہروں میں مسجدیں ہیں، جن میں جماعتیں ہوتی ہیں[۱]۔

یاقوت حموی نے چیمور کے بیان میں لکھا ہے کہ یہ شہر راجہ بلہرا کی عملداری میں ہے جو کافر ہے مگر چیمور اور کنبایت ان شہروں میں سے ہیں جن میں مسلمان موجود ہیں، اور راجہ بلہرا کی طرف سے ان کا حاکم ووالی صرف مسلمان ہوتا ہے، ان میں جامع مسجدیں ہیں جن میں نماز باجماعت ہوتی ہے[۲]۔

اسی نے تھانہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ اس ساحل کے تمام باشندے کافر ہیں جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں، مگر ان کے ساتھ مسلمان بھی رہتے سہتے ہیں[۳]۔

اسی طرح قامہل کے بیان میں لکھا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کی جامع مسجد ہے جس میں وہ باقاعدہ نماز پڑھتے ہیں[۴]۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ سندان اور اس کے اطراف میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادیاں تھیں اور وہ ہر طرح مطمئن ہو کر اپنے مذہب پر عمل کرنے میں پوری طرح آزاد تھے ان کے لیے مہاراجگانِ بلہرا کی طرف سے خصوصی آسانیاں فراہم تھیں، نیز یہاں کے عوام غیر مسلم اپنے یہاں کے مسلمانوں کا بہت خیال کرتے تھے، کافروں اور بت پرستوں کے دیس میں مسلمانوں اور موحدوں کا یہ اطمینان وسکون بتا رہا ہے کہ دونوں طبقے اپنے اپنے مذہب پر پوری طرح عمل کر کے بھی آپس میں شیر وشکر رہا کرتے تھے، بعد کے ان شگفتہ حالات کو ہم سندان کی دولتِ ماہانیہ اور مسلمانوں کے کردار کی صدائے بازگشت سمجھتے ہیں۔

اطرافِ سندان کی جوامع ومساجد اور اسلامی آثار

ہماری تحقیق میں اطرافِ سندان یعنی تھانہ، چیمور اور بھڑوچ وغیرہ کوکن اور گجرات کے مقامات نے سب سے پہلے بڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کا استقبال کیا اور ان کے مقدس

۱؎ مسالک الممالک ص ۱۷۶ و ۱۷۳۔ ۲؎ معجم البلدان ج ۵ ص ۴۰۷۔ ۳؎ ،، ،، ص ۱۷۔ ۴؎ ،، ج ۷ ص ۱۸

قدم سب سے پہلے اسی خوش قسمت خطۂ ہندوستان پر آئے۔ ۱۵ھ عہد فاروقی میں حضرت حکم بن ابو العاص ثقفیؓ کی قیادت میں متطوعینِ اسلام کا جو مقدس قافلہ تھانہ اور بھڑوچ میں اُترا تھا وہ یہاں پر اسلام کا پہلا مقدس نشان تھا، اسی چراغ کی روشنی میں ان اطراف میں اسلام کی بزم سجائی گئی، چنانچہ ۱۳۲ھ کے بعد خلیفہ ابو جعفر منصور کے زمانہ میں سندھ کے گورنر ہشام بن عمرو تغلبی نے عمرو بن جمل کو گجرات کی مہم پر روانہ کیا اور اس نے بھاڑبھوت اور گندھارا (بھڑوچ) پر بحری حملہ کیا، اور گندھارا کے بت خانہ کی جگہ مسجد بنائی[1]۔ گجرات میں اسلام کی یہ پہلی تعمیری نشانی ہے جو مسجد کی شکل میں ظاہر ہوئی، ۱۹۸ھ کے حدود میں فضل بن ماہان نے سندان پر قبضہ کرکے یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کی، جس کے منبر پر خلیفہ مامون کے لیے دعا کی[2]، اس دیار میں یہ دوسری مسجد تھی جسے ہندوؤں نے سندان پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں دیدیا تھا جو اسے مدتوں آباد کیے ہوئے تھے، اصطخری نے ۳۴۰ھ کے حدود میں قامہل، سندان، چیمور، اور کنبائت میں جامع مسجدوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں اسلامی عبادات کھلے بندوں جاری تھیں[3]۔ یاقوت حموی نے چیمور کے بیان میں تصریح کی ہے کہ یہاں جامع مسجد تھی جس میں نماز باجماعت ہوتی تھی[4]۔ نیز اس نے قامہل کی جامع مسجد کا ذکر کیا ہے جس میں باقاعدہ نماز ہوتی تھی[5]۔ تھانہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سواحل میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمان بھی آباد ہیں[6]۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ان بستیوں میں مسجدیں بھی رہی ہوں گی، اور یہ تمام مسجدیں دولت ماہانیہ کے قیام کے بعد بنی ہوں گی، مسعودی نے ۳۰۳ھ اور ۳۰۴ھ میں ان علاقوں کی سیاحت کی ہے اور لکھا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کی تعمیر کردہ عام مسجدیں اور جامع مسجدیں نمازیوں سے آباد رہتی ہیں۔

---

۱ فتوح البلدان ص ۴۳۱۔ ۲ فتوح البلدان ص ۴۳۲۔ ۳ مسالک الممالک ص ۱۷۶۔
۴ معجم البلدان ج ۵ ص ۴۰۷۔ ۵ ” ج ۷ ص ۱۸۔ ۶ ” ج ۵ ص ۱۰۔

مسلم شخصیتوں کی یادگاریں

مسلمانوں کے دینی آثار اور جوامع و مساجد کے علاوہ قدیم زمانہ سے ان علاقوں میں ان کی اہم شخصیتوں کے یادگاری کارناموں کے آثار و علائم بھی پائے جاتے تھے، منصور بن حاتم نحوی کا بیان ہے کہ راجہ داہر اور اس کے قاتل دونوں کی تصویریں یا مجسمے بھڑوچ میں بنائے گئے تھے یہ سندھ کا راجہ داہر، محمد بن قاسم کی جنگ ۹۱ھ میں مدائنی کی روایت کے مطابق بنی کلاب کے ایک آدمی کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اور ابن الکلبی کی روایت کے مطابق اس کا قاتل قاسم بن ثعلبہ بن عبداللہ بن حصن طائی تھا۔[1] جب محمد بن قاسم سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے ہندوستان میں گرفتار کیے گئے تو اہلِ ہند محمد بن قاسم کو یاد کر کے بہت روئے اور مقام کیرج میں ان کی تصویر بنا کر یادگار قائم کی۔[2] کیرج کی تعیین نہیں ہو سکی، اگر یہ گجرات کا شہر کھیڑہ ہے جو آجکل بڑودہ کے آگے ایک ضلع کا نام بھی ہے تو پھر اس عظیم مسلم فاتح کی یہ یادگار بھی اسی علاقہ کی امانت ہے؛

درختِ شہادت

ان انسانی یادگاروں کے علاوہ یہاں اسلام کی ایک عجیب و غریب قدرتی یادگار بھی پائی جاتی تھی، جو اسلام کی حقانیت کی شہادت دیتی تھی، یہ سنگر در کے علاقہ میں ایک درخت تھا جس کے حسین پھولوں میں کلمہ لکھا ہوتا تھا، بزرگ بن شہریار ناخدا نے عجائب الہند میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں جانے والے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ اس نے نواحی مانکیر میں جو بلادالذہب (سونے کے دیس) کا دارالحکومت ہے ایک درخت دیکھا تھا جو نارجیل کے درخت کے مانند تناور تھا، اس میں سفیدی لیے ہوئے سرخ رنگ کا پھول ہوتا تھا، اور اس پھول میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہوتا تھا۔[3]

اسی طرح مشہور سیاح ابنِ بطوطہ نے ملیبار میں راجہ جرفتن کوئیل کے ذکر میں اس کے مورثِ اعلیٰ کے مسلمان ہونے کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ میں نے خود اس کی تعمیر کردہ جامع مسجد کے سامنے ایک ہرا بھرا درخت دیکھا ہے جس کے پتے انجیر کے پتے کی طرح بلکہ اس سے بھی

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۶ [2] ص ۴۳۸ [3] عجائب الہند

نرم و نازک تھے، اس کا نام یہاں پر درختِ شہادت ہے، مجھے بتایا گیا کہ ہر سال موسم خزاں میں اس کا ایک پتہ زرد ہو کر سرخی مائل ہو جاتا ہے، جس پر قدرت کے قلم سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوتا ہے، فقیہ حسین اور دوسرے ثقہ لوگوں کی ایک جماعت نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم نے یہ پتہ دیکھا ہے اور اس کی تحریر پڑھی ہے، جب اس کے گرنے کا وقت آتا ہے تو مسلمان اور کافر دونوں ہی طبقے کے لوگ اس درخت کے نیچے آکر بیٹھتے ہیں اور جب پتہ گرتا ہے تو آدھا مسلمان لے لیتے ہیں اور آدھا غیر مسلم راجہ کے خزانہ میں چلا جاتا ہے اور وہ اس سے مریضوں کو شفا پہنچاتے ہیں، اسی پتہ کو دیکھ کر کویل کا دادا مسلمان ہوا تھا، یہ حکایت یہاں کے لوگوں میں تواتر سے ثابت ہے، بعد میں ایک راجہ نے اس درخت کو جڑ سے کٹوا دیا تو اور بھی ہرا بھرا ہو کر پھلا پھولا اور وہ راجہ جلد ہی مر گیا۔[1]

اِن دُونوں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں باہر کے مسلمان اس ملک کو کس قدر محترم و مقدس سمجھتے تھے، اور یہاں کے بارے میں ان کے یہاں کیا روایات تھیں؟

سندان کی زبان لاریہ تھی جو اس کے ساحلی علاقوں میں بولی جاتی تھی

راجہ بلہرا کے دیس میں جو موجودہ گجرات اور مہاراشٹر پر مشتمل تھا اس زمانہ میں دو زبانیں بولی جاتی تھیں، علاقہ گجرات کے لوگ کیریہ زبان بولتے تھے یعنی وہ گجراتی زبان جو کھیڑا کی طرف منسوب تھی اور علاقہ مہاراشٹر کے عوام لاریہ زبان بولتے تھے جو اس علاقہ کے سمندر لاروی کی طرف منسوب تھی، جسے ہم کوکنی یا مرہٹی کہہ سکتے ہیں سندان چونکہ بحر لاروی کے ساحلی شہروں میں تھا اس لیے یہاں کی عام زبان لاریہ تھی۔

مسعودی نے لکھا ہے کہ:

ولغۃ اھل المانکیر۔ وھی دار مملکۃ البلھرا کیریتہ، مضافۃ الی الصقع، وھی کیرکا، | مانکیر (منگیر) جو کہ بلہرا کا دار الحکومت ہے، یہاں کے باشندوں کی زبان کیریہ ہے جو

---

[1] رحلہ ابن بطوطہ ج اص ۱۱۴ و ۱۱۵ مطبعۃ ازہریہ مصر۔

ولغتہ ساحلہ مثل صیمور، وسوبارہ وقانہ وغیر ذٰلک من مدان لساحل لاریۃ، وبلادھم مضافۃ الی البحر الذی ھم علیہ وھو لاروی[1]	علاقہ کھیڑا کی طرف منسوب ہے، اور اس کے ساحل مثلاً چیمور، سوپارہ۔ تھانہ، اور دوسرے ساحلی شہروں کی زبان لاریہ ہے۔ یہ شہر اس سمندر کی طرف منسوب ہیں جس کا نام لاروی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سندان اور اس کے اطراف وجوانب کے ساحلی علاقہ کی زبان بحر لاروی کی نسبت سے لاریہ تھی، جسے آج ہم کوکنی یا مرہٹی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سندان اور اطراف میں آباد عربوں کی زبان عربی رہی ہوگی، بلکہ آج تک بمبئی میں بولی جانے والی متعدد زبانوں میں عربی زبان بھی شامل ہے جو یہاں کے عربوں کی مستقل زبان ہے۔

سندان میں ماہانی دور کے علوم اور علماء ماہانیوں کے دور اقتدار و حکومت تک ہندوستان میں مسلمانوں کو کوئی مرکزیت حاصل نہیں ہوسکی تھی، اٹھائیس انتیس سالہ دورِ حکومت عالم اسلام میں وہ مقام وشہرت نہ پاسکا جو اسے اسلامی علوم وفنون اور مسلم تہذیب وثقافت کا ایک مرکز بناسکے، اس وقت تک مسلمانوں کا مرکز سندھ تھا، جہاں پورے عالم اسلام کی طرح مسلمان قوم باغ وبہار بن کر آباد تھی، البتہ تیسری اور چوتھی صدی کے بعد سے ہندوستان کے یہ علاقے بھی عرب سیاحوں اور عالموں کی گذرگاہ بن گئے، اور سندان اپنی گذشتہ روایت وعظمت کی وجہ سے ان کے لیے پُرکشش ہوگیا، چنانچہ اسی قدیم اہمیت ومرکزیت کی وجہ سے بعد میں سلیمان تاجر ابوزید سیرافی، مسعودی، ابن خرداذبہ، اصطخری، ابن حوقل، ابن ستہ، ابن فقیہ ہمدانی وغیرہ کے لیے سرزمین سندان بڑی جاذبیت رکھتی تھی،

منصور بن حاتم نحوی، اور ابو عبادہ بحتری سندان میں اس کے باوجود آلِ ماہان کے دورِ حکومت میں سندان میں بعض اہلِ

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۹۔

کمال آئے اور انھوں نے اس کی عظمت و اہمیت کو چار چاند لگائے، ان میں سب سے پہلا نام منصور بن حاتم نحوی نزیلِ ہند کا ہے، یہ آلِ خالد بن اسید کا غلام تھا، اور مدتوں گجرات کے علاقہ میں رہا اس نے یہاں کی اسلامی روایات کو بیان کیا، چنانچہ سندان کی ماہانی حکومت کی پوری تاریخ اسی کی روایت کی رہینِ منت ہے، اسی طرح منصور بن حاتم نے بھڑوچ میں سندھ کے راجہ اور اس کے قاتل کے مصور کیے جانے کی روایت بیان کی ہے، نیز اسی نے دیبل کے بت خانہ کے میناروں کو معتصم کے زمانہ میں توڑ کر جیل خانہ بنانے کی روایت کی ہے اس کی ان روایتوں کو بلاذری نے فتوح البلدان میں نقل کیا ہے۔

دوسرا نام عباسی دور کے مشہور عربی شاعر بحتری کا ہے جو اس زمانہ میں سندان آیا، اس نے اپنے اشعار میں اس کا تذکرہ کیا، بحتری خلیفہ متوکل اور فتح بن خاقان کا درباری شاعر تھا، ۲۸۴ھ میں فوت ہوا، وہ سندان آنے کا تذکرہ یوں کرتا ہے۔

ولقد رکبت البحر فی امواجه	ورکبتُ هول اللیل فی بیاس
میں نے سمندر کی موجوں پر سواری کی ہے	اور دریائے بیاس کا پُر ہول رات میں سفر کیا ہے،
وقطعت اطوال البلاد وعرضها	ما بین سندان وبین سجاس[۱]
اور میں نے شہروں کی لمبی چوڑی مسافتوں کو	سندان اور سجاس کے درمیان طے کیا ہے،

عباسی دور کا دوسرا مشہور شاعر ابوالعتاہیہ اگرچہ سندان نہیں آیا، مگر اس نے یہاں کی ایک برادرانہ خانہ جنگی کا مرثیہ لکھ کر سندان کو بڑی اہمیت دی ہے۔

سندان کے دور نزدیک کے چند ارباب علم وفن

ماہانی دورِ حکومت میں سندان میں کسی قسم کی علمی سرگرمی اور کسی علمی شخصیت کا پتہ نہیں چلتا، البتہ اس دور میں سندان کے قرب وجوار میں علماء و محدثین اور ارباب فضل وکمال موجود تھے، جو دوسری اور تیسری صدی میں عالم اسلام کے علماء کے ہمسر تھے، سندان کے قرب وجوار کے ایسے چند

[۱] معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵۱

علماء کے نام درج کیے جاتے ہیں جن کے وجود سے ہندوستان کا علاقہ علمی سرگرمی کا مرکز بنا ہوا تھا، اور ان کی بزم میں علوم و فنون کی شمعیں روشن تھیں، حضرت عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانیؒ مولیٰ عمر بن خطابؓ، یہ ابنائے یمن میں سے تھے، نجران میں مستقل قیام تھا، رواۃِ حدیث میں سے ہیں۔ ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، نافعؒ، ابن جبیرؒ سے روایت کی ہے ان کا شمار ثقات تابعین میں ہے ساتھ ہی بہت زبردست شاعر بھی ہیں، ولید بن عبدالملک اموی کے دور میں فوت ہوئے، بیلمان بھیلمان کا معرب ہے، یہ مقام گجرات میں بھیل اور گوجر کا دارالحکومت تھا،

محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی کوفیؒ | یہ بھی اپنے باپ کی طرح مولیٰ عمرؓ کی نسبت سے مشہور ہیں، انھوں نے اپنے والد عبدالرحمٰن بیلمانی وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے سعید بن بشیر بخاری، عبداللہ بن عباس بن ربیع حارثیؒ، محمد بن حارث بن زیاد حارثیؒ، محمد ابن کثیر عبدی، ابو سلمیٰ موسیٰ بن اسمٰعیل وغیرہ نے روایت کی ہے، امام ابن معین اور دوسرے علمائے جرح و تعدیل نے ان کو منکر الحدیث قرار دے کر ان کی احادیث کو غیر معتبر بتایا ہے ۱۹۰ھ و ۲۰۰ھ کے درمیان فوت ہوئے،

محمد بن حارث بیلمانیؒ | انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے، اور ان کے والد نے محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی سے روایت کی ہے،

محمد بن ابراہیم بیلمانیؒ | عبداللہ بن عباس بن ربیع نجرانی نے آپ سے روایت کی ہے۔

ابو محمد ہندی بغدادیؒ | بلاذری نے فتوح البلدان میں راجہ داہر کے قتل کے بعد محمد بن قاسم کے پورے علاقہ سندھ پر قابض ہونے کی روایت اُن سے کی ہے، انھوں نے ابو الفرج سے روایت کی ہے اور ان سے علی بن محمد مدائنی نے روایت کی ہے، ہندی کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سندھ کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ اس وقت کے اسلامی ہند سے ان کا تعلق تھا،

یزید بن عبداللہ قرشی بیسری آپ کا تذکرہ ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے عمہ بن محمد عمری سے حدیث کی روایت کی ہے، اور ان سے علی بن ابی ہاشم طبراخ نے روایت کی ہے،

ابو عبداللہ محمد بن ایوب بن سلیمان کلہی بغدادی عودی سمعانی نے کلہ کی نسبت میں ابو عبداللہ محمد بن ایوب بن سلیمان بن یوسف بن اشر وسیند اد عودی کلہی کا ذکر کیا ہے، انھوں نے بغداد جاکر ابوالمہلب سلیمان بن محمد بن حسن صنی سے امام اعمش کی مرویات کی بہت زیادہ روایت کی، اور ان سے ابو بکر محمد بن ابراہیم بن حسن شاداں بزاز نے روایت کی، آپ جنوبی ہند کی مشہور قدیمی بندرگاہ کلہ کے رہنے والے تھے۔ عود کی تجارت کرتے تھے۔

موسیٰ سیلانی ابن ابی حاتم رازی نے کتاب الجرح والتعدیل میں اور ابن اثیر نے لباب میں موسیٰ سیلانی کا تذکرہ کیا ہے، حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضری دی ہے، امام شعبہ نے آپ سے روایت کی ہے تابعی ہیں، یحییٰ بن معین نے اُن کی توثیق فرمائی ہے، جزیرۂ سیلون کو سیلان بھی کہتے ہیں آپ کی نسبت اسی طرف ہے۔

ابوالقاسم جعفر بن محمد سرندیپی امام ابن جزری نے غایۃ النہایہ فی طبقات القراء میں آپ کا تذکرہ کیا ہے، آپ نے مشہور مقری امام قنبل سے قرأت کی تعلیم حاصل کی اور آپ سے ابو بکر محمد بن محمد بن عثمان طرازی نے فن قرأت حاصل کیا، آپ اپنے زمانہ میں مشہور ائمہ تجوید وقرأت میں سے تھے۔

امام عبد بن حمید بن نصر کسّی حافظ حدیث اور مسند کسّی کے مصنف ہیں، اور ان کا نام عبدالحمید ہے مگر تخفیف کر کے صرف عبد بولا جاتا ہے،

جواق میں علمی اسفار کر کے یزید بن ہارون، محمد بن بشر عبدی، علی بن عاصم، ابن ابی فدیک، حسین بن علی جعفی، ابو اسامہ اور امام عبدالرزاق وغیرہ سے حدیث کا سماع فرمایا اور ان سے امام مسلم، امام ترمذی وغیرہ نے روایت کی، امام بخاری نے بخاری میں تعلیقاً ایک روایت درج کی ہے ۲۴۹ھ میں وصال فرمایا علمائے طبقات ورجال نے آپ کو سمرقند کے قریب مشہور شہر کش یا کس کی طرف منسوب کیا ہے، مگر یاقوت حموی نے معجم البلدان میں کس کے بیان میں آپ کو ہندوستان کے ساحلی شہر کچھ کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے۔

وکس ایضامدنیۃ بارض الھند، مشھورۃ ذکرت فی المغازی ومن ینسب الیھا عبد بن حمید بن نصرؒ — نیز کس ہندوستان میں ایک مشہور شہر ہے جس کا تذکرہ مغازی کی کتابوں میں ہے اور اس کی طرف منسوب علماء میں عبد بن حمید بن نصر کسی ہیں۔

فتوح البلدان وغیرہ میں اس کو کش اور قصہ بھی لکھا ہے،

۱۵ھ میں ہندوستان پر تین اسلامی حملوں کی ایک اور مستند روایت

دولت ماہانیہ سنجان کے بیان میں بلاذری کی روایت درج کی گئی ہے جس میں عہد فاروقی میں ۱۵ھ میں تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر اسلامی لشکر کے حملہ آور ہونے کی تفصیل ہے، نیز یاقوت حموی کی روایت بھی درج کی گئی ہے، جس میں خور دیبل پر حملہ کی تصریح ہے، ان دو مستند روایات کے علاوہ ایک تیسری مستند ترین روایت امام ابن حزمؒ کی کتاب جمہرۃ انساب العرب میں موجود ہے جس میں تصریح ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کے تین شہروں میں غزوہ کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

وعثمان منھم من خیار الصحابۃ، ولاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الطائف وغزا فارس وثلاثۃ من بلاد الھند، ولہ فتوح۔[۱] — اور عثمان اپنے بھائیوں میں بہترین صحابی ہیں، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا حاکم بنایا تھا، اور انھوں نے فارس اور ہندوستان کے تین شہروں میں جہاد کیا، نیز بہت سی فتوحات ہیں۔

---

[۱] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶۔

فتوح البلدان بلاذری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک بھائی حکم کو تھانہ اور بھڑوچ کی مہم پر روانہ کیا اور دوسرے بھائی مغیرہ کو خور دیبل کی مہم پر روانہ کیا تھا، مگر معجم البلدان میں یاقوت حموی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خور دیبل پر بھی حکم ہی گئے تھے اور ابن حزم کی تصریح ہے کہ خود حضرت عثمان ثقفیؓ نے ہندوستان کے ان ہر سہ مقامات میں غزوہ کیا ہے، بہرحال عہد فاروقی میں ہندوستان پر اسلامی حملہ کی یہ تین مستند تصریحات ہیں، اگر حضرت عثمان ثقفیؓ ہی یہاں تشریف فرما ہوئے ہیں تو یہ اسلامی ہند کے لیے عظیم ترین شرف ہے[۱]

دوسری صدی میں سندھ میں عتبہ بن کعب تمیمی کی بغاوت، اور اس کا قتل

موسیٰ بن کعب بن عتبہ بن غادریہ تمیمی خلفائے عباسیہ کے سرگرم داعیوں میں تھا، اور بنو امیہ کے مقابلہ میں بنو عباسیہ کے حق میں پروپیگنڈہ کرتا تھا، اس کے لڑکے عتبہ نے سندھ میں شورش برپا کی، جس کے نتیجہ میں وہ قتل کر دیا گیا اور اس کی شورش و بغاوت ختم ہوگئی، ابن حزم کا بیان ہے:

وثار ابنہ عتبۃ بالسند فقتل ٭ موسیٰ تمیمی کے بیٹے عتبہ نے سندھ میں شورش کی اس لیے وہ قتل کر دیا گیا

غالباً عتبہ تمیمی کی یہ شورش اموی دور کے آخر میں یا عباسی دور کے شروع میں ہوئی تھی، جب کہ خلافت کے انقلاب و تغیر میں سندھ کے امراء اور باا‌ثر افراد اپنے اقتدار کے لیے کوشش کر رہے تھے۔

حضرت سعد بن ہشام انصاری مدنی تابعی کی مکران میں شہادت

حضرت سعد بن ہشام بن عامر انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی اور اجلہ تابعین میں ہیں، انھوں نے اپنے والد حضرت ہشام، حضرت انس، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے، اور ان سے حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفی، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری اور امام حسن بصری وغیرہ نے روایت کی ہے، صحاح ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

قُتل سعدٌ فی ارض مکران، علی احسن   سعد مکران میں دین و دیانت کے اعلیٰ معیار پر

[۱] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۱۴۔ یہ اہم معلومات مدینہ منورہ میں جمہرۃ انساب العرب کے مطالعے کے وقت ملیں۔

حالیؒ رہتے ہوئے شہید کیے گئے۔

تہذیب التہذیب میں ابن حبانؒ کا قول نقل کیا گیا ہے جس میں حضرت سعدؒ کے جہاد میں شہید ہونے کی تصریح ہے، نیز سیار بن حاتمؒ کی کتاب الزہد کے حوالہ سے سعد بن ہشام اور ایک اور بزرگ کے جہاد میں شہید ہونے کی تصریح ہے، اسی طرح تقریب التہذیب میں استشھد بارض الھند موجود ہے، حضرت سعد بن ہشام دوسری صدی کے وسط میں مکران کی کسی جنگ میں شہید ہوئے،

چند مزید سندھی، دیبلی اور منصوری علماء

ابو اسحٰق ابراہیم بن سندی بن علی بن بہرام اصفہانیؒ، آپ نے محمد بن ابو عبدالرحمٰن مقری، اور محمد بن زیاد زیادی سے روایت کی ہے، اور ابراہیم بن محمد حمزہ، عبداللہ بن محمد بن جعفر، محمد بن یوسف، اور سلیم بن احمد نے آپ سے روایت کی ہے، امام ابونعیم اصفہانی نے ایک واسطہ سے آپ سے روایت کی ہے اور صاحب اصول بتایا ہے، سُرخ رنگ کا خضاب استعمال کرتے تھے، سنہ ۱۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ اسمٰعیل بن موسیٰ بن انت سندی اصفہانی، آپ نے امام مالکؒ اور امام شریکؒ سے روایت کی، آپ سے عمر بن شاکر نے روایت کی، سنہ ۲۴۵ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے، عقیلیؒ نے کتاب اصبہان میں آپ کا شمار اصفہانی علماء میں کیا ہے — عبدالرحیم بن یحییٰ دیبلیؒ، آپ نے ولید بن مسلم دمشقی سے، اور آپ سے ابوالقاسم شعیب بن احمد دیبلی نے روایت کی ہے، امام ابونعیم اصفہانیؒ دو واسطوں سے آپ سے روایت کی ہے، اور تاریخ اصفہان میں ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی کے تذکرہ میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ فضل بن احمد اصفہانی ہاشمی منصوریؒ، آپ نے منصورہ سے بغداد جاکر حدیث کی روایت کی، ہُدبہ بن خالد سے حدیث کی تعلیم پائی، فضل بن صالح منصوری کے نام سے بھی مشہور ہیں — ابو حمزہ ہریم بن عبدالاعلیٰ بن فرات سندی اصفہانی، آپ نے محمد بن راشد صاحب ابی داوٗد، اور اسمٰعیل بن عبداللہ سے روایت کی اور آپ سے عبدان، ابو یعلیٰ اور ابن رستہ نے روایت کی، آپ نے سنہ ۲۳۰ھ میں اصفہان میں حدیث کی روایت کی۔[۲]

دیبُل اور دیبلان بکری نے معجم ما استعجم میں لکھا ہے کہ دیبل سندھ میں مشہور شہر ہے، اسے دیبلان بھی

۱؎ تاریخ کبیر جلد ۲ قسم ۲ ص ۷۶، نیز تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۸۳ و تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۸۹۔ ۲؎ ان حضرات کے حالات امام ابونعیم اصفہانی کی تاریخ مدینۃ اصفہان قلمی سے کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں ۲ محرم ۱۳۸۶ھ کو نقل کیے گئے ہیں۔

کہتے ہیں، ابو عمرو نے ثعلب سے اور انھوں نے ابن الاعرابی سے دیبلان کی سند میں مُشک کی تعریف میں یہ شعر نقل کیا ہے،

کأنّ ذراعہ المشکول منہ — سلیب من رجال الدیبلان

گویا اس کا مضبوط اور فربہ ہاتھ — دیبلان کے لوگوں سے چھینا ہوا ہے

دیبلان سیاہ رنگ کے لوگوں کی کان ہے[1] ــــ جوالیقی نے کتاب المعرب میں لکھا ہے کہ داہر دیبل کے راجہ کا نام تھا، مشہور شاعر جریر نے خلیفہ ولید بن الملک کی مدح میں داہر دیبل کا ذکر یوں کیا ہے،

وارض ہرقل قد قہرت، وداہر — وتسعیٰ لکم من آلِ کسریٰ النواصف

آپ نے ہرقل اور داہر کی سرزمین کو رام کیا — اور آپ کے لیے کسریٰ کے خاندان کے خدام دوڑتے ہیں

وأدّت الیک الہندُ ما فی حصونہا — ومن ارض صینستان جبی الطرائف[2]

ہندوستان نے اپنے قلعوں میں جو کچھ تھا آپ کو دیا — اور سرزمین چین سے آپ کے پاس عمدہ عمدہ سامان لائے جاتے ہیں

مقامات کے ناموں میں آخر میں الف نون کا اضافہ ۱۴ھ میں بصرہ میں آباد کرنے کے بعد سے ہوا، اور اس کے مختلف نواحی اور قطایع کے نام اس طرح رکھے گئے؛ جیسے قطیعہ حفص بن ابی العاص حفصان قطیعہ ابوامیہ بن ابی العاص امیان، قطیعہ حکم بن ابی العاص حکمان وغیرہ،[3] بعد میں یہ طریقہ عام ہوگیا اور دیبل کو بھی اسی طریقہ پر پکارا گیا، جریر کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی دور خلافت میں سندھ کا علاقہ بڑی اہمیت رکھتا تھا، اور یہاں سے دربار خلافت کا خصوصی تعلق اور ربط قائم تھا،

چند قدیم مقامات کے جدید نام اور موجودہ حالات

جناب مولانا محمد سلیم صاحب شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ، مغربی پاکستان نے سندھ اور اطراف سندھ کے چند قدیم مقامات کے نئے نام اور حالات ہمارے پاس روانہ کیے ہیں، ہم مولانا موصوف کے اس علمی و تحقیقی تعاون پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کو درج کرتے ہیں:۔

---

[1] معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع، ج ۲ ص ۵۶۹ طبع مصر ۱۳۶۶ھ۔ [2] کتاب المعرب جوالیقی ص ۳۲ و ص ۲۵ قلمی ۵۲۹ھ، یہ دونوں حوالے بھی کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت مدینہ منورہ میں، ۵ محرم ۱۳۸۶ھ کو نقل کیے گئے۔ [3] فتوح البلدان۔

(الور) سندھی زبان میں آجکل اس کو اروڑ کہتے ہیں، روہڑی اسٹیشن سے ۴ میل جنوب میں واقع ہے،۔ کھنڈرات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں، البتہ یہاں ایک چھوٹا سا جدید العہد گاؤں آباد ہے۔

(اَچ) سابق ریاست بہاولپور میں احمد پور شرقیہ کے پاس مشہور مقام ہے، جلالی پیروں کا مستقر ہے، اب بھی کسی قدر مرجع انام ہے، قبرستان دور تک پھیلا ہوا ہے، اسکی تاریخ مولانا نور احمد بلوچ ملتانی نے شایع کردی ہے۔

(ارمائیل) اسمن بیلہ، جدید دور میں قلات ڈویژن کے ضلع لس بیلہ کا صدر مقام ہے، کراچی سے ۹۰ میل شمال میں ہے

(بامیان) یہ افغانستان میں واقع ہے، کوہ ہندوکش کو کاٹ کر بودھ کا ۱۴۰ فٹ لمبا بت وہاں کھڑا ہے۔

(بنہ) یہ بنوں ہے جو پشاور کمشنری کی مشہور فوجی چھاؤنی ہے، مگر بنہ کے متعلق میرا خیال ہے یہ ہُنڈ (HUND) کی تصحیف ہے، بنہ اور لاہور کا تذکرہ ساتھ ساتھ آیا ہے، دریائے سندھ پر آج بھی ایک گھاٹ موجود ہے جس کا ایک کنارا ہنڈ ہے، اور دوسرا کنارا لوہور، جیسے روہڑی سکھر، اس لیے گمان غالب ہے کہ یہ ہُنڈ ہے بعد کے کاتبوں اور پڑھنے والوں نے اس کو بنہ بنا دیا، ورنہ وہ وہاں سے ۸۰ میل دور ہے، اس لیے بنہ بنوں نہیں ہے۔

(بیرون) اس کی اصلی شکل نیرون ہے، حیدر آباد سندھ اس کا جدید نام ہے۔

(دیبل) آجکل اس کو بھمبور کہتے ہیں، یہ لب ساحل ٹیلہ ہے، حال ہی میں کھدائی ہوئی ہے، محمد بن قاسمؒ کے دور کی مسجد نکل آئی ہے، جس پر کتبہ ایک سو نو (تسع ومائۃ) ہجری کا ہے، کراچی سے ۳۲ میل جنوب کی سمت واقع ہے، ٹھٹہ کراچی سے ۶۰ میل ہے، اس لیے یہ ٹھٹہ نہیں ہوسکتا۔

(جبال قفص) بلوچستان کے وسطی پہاڑوں کو عربوں نے جبال قفص لکھا ہے، جن کو آج کل سارادان، اور جھالاوان کی پہاڑیاں کہتے ہیں، غالباً کوچ سے یہ لفظ قُفص بنا ہے، کوچ بلوچ کے الفاظ فردوسی کے شاہنامے میں ملتے ہیں، بلوچ پاکستان میں، اور کوچ افغانستان میں آباد ہیں،

(سیوستان) سیوہن ضلع دادو میں لعل شہبازؒ کے مزار کی وجہ سے مشہور ہے۔

(قیقان) قدیم زمانہ میں قلات میں کوئی مقام تھا، البتہ وہاں کیکانی گھوڑے اب بھی مشہور ہیں۔

(قندھار) اس کو ہندی میں گندھار کہتے ہیں، یہ ریاست پشاور اور راولپنڈی کے علاقوں کا قدیم نام ہے، یہاں بودھ مذہب کو فروغ ہوا تھا، اسی وجہ سے یہاں کی گندھارا تہذیب مشہور ہے، اور

(افغانستان میں ایک مشہور شہر ہے عربوں کے حملہ میں وہی مقصود ہے (گجرات کے ضلع بھڑوچ میں بھی گندھارا نام کی ایک قدیم بندرگاہ اور بستی ہے، بروص (بھڑوچ) اور باربُد (بھاڑبھوت) کی فتوحات کے سلسلے میں بلاذری نے اسی گندھارا کو قندھار لکھا ہے)۔

(قصدار) آجکل اس کو خُضدار کہتے ہیں، یہ قلات ڈویژن کا جدید زیر تعمیر دار الخلافہ ہے، قدیم عہد میں خوارج کا مرکز رہ چکا ہے، دار البیضاء اس کے پاس ہی آباد تھا۔

(قندابیل) یہ بھی قلات ڈویژن میں واقع ہے، آج کل اس کو گُنڈاوہ کہتے ہیں، حال ہی میں ایک مستقل ضلع قرار دیا گیا ہے دَرّۂ بولان اسی میں واقع ہے،

(قنزبور) غالباً یہ تصحیف ہے، شاید اصل فنزبور ہوگا، علاقہ مکران میں پنج گور کے نام سے ایک قدیم شہر ابتک موجود ہے (پنج گور کا قنزبور یا فنزبور ہو جانا محل نظر ہے)۔

(لاہور) عرب دور میں مشہور شہر لاہور موجود نہیں تھا، اس لیے مہلب بن ابی صفرہ کے یہاں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ تو عہد غزنوی میں آباد ہوا ہے، البتہ دریائے سندھ پر اٹک کے اوپر تربیلہ کے پاس لوہر ایک گھاٹ تھا، اس پر مہلب نے حملہ کیا تھا، جے پال نے لمغان چھوڑ کر پہلے اسی کو دار السلطنت بنایا تھا، محمود کا پہلا حملہ اسی پر تھا، نہ راوی کے کنارے لاہور پر، (لاہور کے عرب دور میں نہ ہونے اور غزنوی دور میں آباد ہونے پر دلائل و شواہد درکار ہیں)

(میدھ) ساحل مکران پر ایک قدیم قوم تھی، قدیم ایران میں اس کی ایک ریاست میدیا (MEDIA) بھی تھی، (میدھ کے بارے میں پوری تفصیل ہماری کتاب "عرب و ہند عہد رسالت میں" کے اندر ملاحظہ ہو)

(منصورہ اور محفوظہ) سندھ کے ضلع سانگھڑ کے شہر شہدادپور سے ۹ میل مشرق میں جمڑاؤ نہر ہے، اس نہر سے ۲ میل پر منصورہ کے وسیع و عریض کھنڈرات پڑے ہیں، سال گذشتہ[1] سے محکمہ آثار قدیمہ نے یہاں کھدائی کی ہے، آجکل عوام اس کو دُلُور کہتے ہیں، دلور کوئی موہوم راجہ گذرا ہے، (دلورائے الور کا راجہ تھا جو بعد میں برہمن آباد میں آ گیا تھا، اس کا بھائی چھوٹہ امرانی مسلمان ہو گیا تھا، جس کی تفصیل ہماری کتاب رجال السند والہند میں موجود ہے، شاید اسی راجہ دلورائے کو دلور بنا لیا گیا ہو)

(برہمن آباد) یہاں پر ایک چھوٹا سا گاؤں بامَنّ (نون ثقیلہ) بھی ہے، شاید یہ برہمن آباد کی بگڑی ہوئی شکل ہو وہاں سے یہ راقم السطور منصور عباسی کا دینار لایا ہے جس پر "ثمان و خمسین ومائۃ ۱۵۸ھ" لکھا ہوا ہے، اور اب وہ اس کالج کے دار الآثار (میوزیم) کی زینت ہے۔ (مکتوب منصورہ ختم ہوا)

---

[1] یہ مکتوب منصورہ ۳ ربیع الاوّل ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۹ جون ۱۹۶۶ء کو لکھا گیا تھا۔

(۲)

دولتِ ہبّاریہ منصورہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے حضرت ہبّار بن اسود اسدی قرشی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے، فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، بعد میں مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کی اور وصالِ نبوی ؐ کے بعد ملک شام چلے گئے، وہ خود بھی بہت جری اور بہادر آدمی تھے، ان کی اولاد میں بھی اولوالعزمی کے اوصاف موجود تھے، شام، بصرہ، سیراف، سندھ، بلخ، اور مصر، جہاں جہاں اُن کی اولاد رہی، غلبہ و اقتدار اور شان و شوکت کی مالک بن کر رہی۔ ان ہی میں سے ایک شخص منذر بن زبیر ہباری بنو امیہ کے دور میں سندھ آکر آباد ہوگیا، اس زمانہ میں یہاں کے سیاسی اور ملکی حالات نہایت ابتر تھے، منذر بن زبیر نے سندھ سے نکل کر جزیرہ کے شہر قرقیسیا میں غلبہ و اقتدار کی مگر ناکام ہوکر سولی پا گیا، سندھ میں اس کا خاندان وقت اور حالات کا منتظر رہا، یہاں تک کہ اس کے پوتے عمر بن عبدالعزیز بن منذر ہباری نے سندھ پر قبضہ کرکے منصورہ میں اپنی حکومت قائم کرلی، اور خلافتِ عباسیہ کے نام کا خطبہ جاری کیا، یہ ماتحتی برائے نام تھی، اور اس حکومت کو ہر طرح کی داخلی اور خارجی خود مختاری حاصل تھی، اس میں کئی کامیاب اور نامور حکمران گذرے ہیں، جنھوں نے سندھ کی بغاوتوں اور شورشوں کو ختم ہی نہیں کیا، بلکہ ہر طرف امن و امان کی فضا پیدا کی اور بڑی مقبولیت پائی۔

حضرت ہبّار بن اسود اسدی قرشی رضؓ حضرت ہبّار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی قرشی اسدی رضی اللہ عنہ، فتح مکہ کے بعد مقام جعرانہ میں خود حاضر ہوکر اسلام لائے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا قصور معاف فرمایا، اس سے پہلے کفار قریش کے ساتھ مسلمانوں کے ستانے میں بہت پیش پیش رہتے تھے

ہجرت کے موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابو العاص نے مدینہ روانہ کیا تو ہبّار بن اسود نے قریش کے اوباش کو ساتھ لے کر ان کی سواری کا پیچھا کیا اور ہودج کے قریب جاکر سواری کو نیزہ مارا، جس سے ان کا حمل ساقط ہوگیا۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس انسانیت سوز حرکت اور سنگین جرم پر اظہارِ نفرت فرماتے ہوئے صحابہ سے فرمایا کہ ہبّار بن اسود جہاں ملے، اسے آگ میں ڈال دو، پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ایسا نہ کرو، آگ کا عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس واقعہ کے بعد ہبّار مدتوں روپوش رہے، یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم کے عفوعام کا شہرہ سن کر خود بخود حاضر ہوگئے اور آپ کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی دھمکی کے بعد میرا ارادہ ہوا کہ ملک عرب چھوڑ کر عجم کے کسی علاقہ میں چلا جاؤں، مگر جب آپ کا رحم وکرم یاد آیا تو حاضر خدمت ہوگیا کیونکہ اسلام تمام پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، یہ سن کر آپ نے ہبّار کا قصور معاف فرمادیا۔

ہبّار اسلام لانے کے بعد کچھ دنوں تک مکہ میں رہے، پھر مدینے چلے گئے، یہاں آنے پر بعض صحابہ اُن کو پہلی حرکت پر طعن وتشنیع کرنے لگے، انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ تم بھی ان لوگوں کو جواب دو، الغرض یہ بات بھی ختم ہوگئی، اور حضرت ہبّار مدینہ میں خوشگوار زندگی بسر کرنے لگے،

ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہبّار بن اسود کے مکان کی طرف سے گزرے تو اندر سے غنا اور دف کی آواز آئی، معلوم ہوا کہ ہبّار کی بیٹی کی شادی ہے، آپ نے اس چیز کو ناپسند فرمایا، اصابہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت ہبّار ملکِ شام چلے گئے تھے، اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی[1]

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور

---

[1] الاصابہ ابن حجر ج ۳ ص ۵۷، طبع مصر۔

ہبّار بن اسودؓ دونوں حضرات حج کے موقع پر یوم نحر کو مکہ پہونچے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ وہ اس سال عمرہ کر کے حلال ہو جائیں، اور آئندہ سال آکر حج ادا کریں[1]۔

ہبار شاعر بھی تھے، بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات سنہ ۱۵ھ کے بعد ہوئی،

ہبّار کی اولاد

ہبار بن اسود کی اولاد میں سے تین لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں، ایک علی بن ہبار، جن کے پوتے یحییٰ بن عبد الملک بن علی بن ہبّار بن اسود ہیں، دوسرے عبد الرحمٰن بن ہبّار جن سے سندھ کے ہباری حکمرانوں کے مورثِ اعلیٰ عمر بن عبد العزیز بن منذر بن عبد الرحمٰن بن ہبّار بن اسود ہیں[2]۔ اور تیسرے لڑکے کا نام اسمٰعیل بن ہبّار ہے جسے مصعب بن عبد الرحمٰن بن عوف نے قتل کیا اور اسی کے ساتھ سرکشوں کی ایک جماعت کو بھی تہ تیغ کیا[3]۔

اسمٰعیل بن ہبار بن اسود کا قتل، قتّال کلابی کے ہاتھوں

اسمٰعیل بن ہبار بن اسود کے قتل کا واقعہ کتاب المحبّر اور کتاب الاغانی میں مختلف طریقوں سے لکھا ہے، ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی نے کتاب المحبّر میں لکھا ہے کہ قتّال کلابی (عبادہ بن مجیب بن مضرحی بن عامر) نے اپنے چچا زاد بھائی زیاد کو قتل کیا، اور مدینہ میں قید کیا گیا، اس زمانہ میں مدینہ کا حاکم مروان بن حکم تھا، اور جیل کا داروغہ ایک قریشی آدمی اسمٰعیل بن ہبّار بن اسود بن مطلب بن اسد تھا، اس نے امیر مدینہ کے یہاں قتّال کلابی کی شکایت کی کہ وہ جیل میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا ہے۔

اذا اشئتُ غنانی علی ظهر شرجع　　نواعم بیض من قریش وعامرِ

امیر نے قتال کے پاس آدمی بھیج کر دریافت کیا کہ کیا تم نے یہ کہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں نے یہ کہا ہے

اذا شئت غلتنی القیود وساقنی　　الی السجن اعلاج الامیر الطماطم

یہ باتیں چل ہی رہی تھیں کہ مصعب بن عبد الرحمٰن بن عوف نے قتّال سے کہا کہ کیا یہ بات تمہارے لیے بہتر ہوگی کہ میں تم کو تلوار دوں اور ایک سواری کا انتظام کر دوں تم ابن ہبار

---

[1] موطا، امام مالک ج ۱ ص ۳۳۱ طبع مصر، [2] الاصابہ۔ [3] جمہرۃ الانساب العرب ص ۱۱۵،

کو قتل کرکے جیل خانہ سے فرار ہو جاؤ، قتال اس پر راضی ہو گیا مصعب نے اپنا کام کیا اور قتال نے ابن ہبّار سے خواہش ظاہر کی کہ وہ عشاء کی نماز جیل خانہ کے باہر صحن میں ادا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے نماز کے لیے قتال کو باہر نکال دیا۔ قتال نے تلوار لے کر نماز پڑھی اور فارغ ہوتے ہی ابنِ ہبّار کو مار کر جیل خانہ کے اندر کرکے مقفل کر دیا اور سواری پر چڑھ کر چلتا بنا، اس موقع پر قتال نے یہ اشعار کہے:

ترکتُ ابن هبّار ورائی مجدّلاً　　وأصبح دونی شابة فأرومها

بسیف امرئ لن اخبر الدهر باسمه　　وإن حضرت نفسی الی همومها

ابوالفرج اصفہانی نے اغانی میں بغیر نام لیے ابن ہبّار قرشی کے قتل کو دو طریقوں سے لکھا ہے، پہلی روایت ہے کہ ابن ہبّار قرشی تجارت کی غرض سے یا کسی اموی سے ملنے کے لیے ملکِ شام جا رہا تھا، راستہ میں اسے ایک جماعت ملی جس میں قتال کلابی بھی تھا، اس جماعت نے ابن ہبّار کو قتل کرکے اس کا مال لوٹ لیا، جب اس واقعہ کی خبر عام ہوئی تو عامل مدینہ مروان بن حکم کے ایک آدمی نے بنی کلاب وغیرہ کے غارتگروں کو گرفتار کرکے جیل میں بند کر دیا تاکہ معاملہ کی تحقیق کی جائے، قتال نے محسوس کیا کہ اس کے ساتھیوں میں کوئی دم نہیں ہے اور اس کا جرم ثابت نہ ہو جائے اس لیے اس نے جیل کے داروغہ کو دھوکہ سے قتل کر دیا، اس موقع پر چند اشعار کہے جن میں پہلا یہ ہے۔

امیمُ! أثیبی حبلَ التزیّلِ　　اثیبی بوصلٍ أو بصرمٍ معجل

دوسری روایت کتاب المحبّر سے ملتی جلتی ہے اس میں ہے کہ جس زمانہ میں قتال کلابی اپنے ایک چچازاد بھائی کے قتل کی سزا میں مدینہ کی جیل میں تھا، ابن ہبّار قرشی اور اس کے چچازاد بھائی کے درمیان سخت عداوت ہو گئی، ابن ہبّار کے دشمن نے قتال تک رسائی حاصل کرکے اسے ابن ہبّار کے قتل پر آمادہ کیا، اور کہا کہ میں تمہارے پاس کھانا بھیجوں گا جس میں

---

[1] کتاب المحبّر ص ۲۲۷، ص ۲۲۸ طبع حیدرآباد۔

دھار دار لوہا ہوگا تم اس سے اپنی بیڑیاں کاٹ لینا اور پہران کو پہن لینا تاکہ شبہ نہ پڑے، اور جب وضو کے لیے باہر نکلنا تو سپاہی سے نظر بچا کر بھاگ جانا میں فلاں جگہ تمہارا انتظار کروں گا، اور تمہارے لیے تلوار اور سواری تیار رکھوں گا، اس ترکیب سے قتال جیل سے نکل گیا اور اسی آدمی کے یہاں چھپا رہا یہاں تک کہ اس کی تلاش بند ہوگئی، اس کے بعد قتال نے ابن ہبار کو قتل کردیا۔[1]

ایک ہباری کی بلخ میں غارتگری

آخری خلیفہ، اموی مروان نے حوثرہ نامی ایک شخص کو مصر کا حاکم مقرر کیا، اس نے وہاں کے شورش پسندوں اور فتنہ پروروں کو ۱۲۸ھ میں گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچایا اس واقعہ کو ایک شاعر ابن میادہ مُرّی نے ان اشعار میں یوں بیان کیا ہے۔

لقد سرّنی إن کان شیئاً یسرّنی   مغار ابن هبار علی بلخ والسّفرُ

اگر کوئی بات مجھے خوش کر سکی، تو ایک ابن ہبار کی بلخ پر یلغار اور اس کا وہاں کا سفر ہے[2]

وحوثرة المهدی بمصر جیاده   وأسیافه حتی استقامت لہ مصر

اور دوسری بات حوثرہ جس نے مصر میں اپنے عمدہ گھوڑے اور تلواریں استعمال کیں کہ یہاں تک کہ مصر کا حال درست ہوگیا۔

پہلے شعر سے ابن ہبار کا سفر بلخ اور اس پر غارت گری کا پتہ چل رہا ہے کہ ۱۲۸ھ سے پہلے ہباری خاندان کے کسی فرد نے بلخ میں اپنی طاقت و شوکت کا مظاہرہ کیا تھا۔

ایک ہباری ہندوستان اور چین میں

ایک اور اولوالعزم خوش حال اور صاحب فہم و فراست ابن ہبار کا تذکرہ مسعودی نے مروج الذہب میں چین کے بیان میں کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش کا ایک آدمی جو ہبار بن اسود کی اولاد سے تھا،

---

[1] کتاب الاغانی ج ۲۳ ص ۳۲۸ تا ۳۳۰ طبع بیروت،

[2] کتاب الولاۃ وکتاب القضاۃ، کندی ص ۹۱ طبع مصر،

بصرہ میں مقیم تھا، جب ۲۵۷ھ میں صاحب زنج نے بصرہ میں قتل وغارت اور سلب ونہب کا بازار گرم کیا تو یہ شخص سیراف سے نکل گیا، یہ سیراف کے صاحب بصیرت اور خوش حال لوگوں میں سے تھا، وہاں سے جہاز میں ہندوستان آیا، اور یہاں جہاز در جہاز مدتوں گھومتا پھرتا رہا حتی کہ شہروں کا چکر کاٹتے کاٹتے چین پہونچ گیا، جہاں وہ شاہ چین کے دربار میں باریاب ہوا، اور اپنا حسب ونسب اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت کا تذکرہ کر کے انعام واکرام کا مستحق بنا، نیز شاہ چین نے اسے اپنے آثار قدیمہ میں سے بہت سے پیغمبروں اور صحابہ کرام کی تصویریں دکھائیں اس طرح یہ ابن ہبار چین سے فائز المرام واپس ہوا، اس ابن ہبار قرشی سے ابوزید سیرافی نے ۳۰۳ھ میں بصرہ میں ملاقات کی اور اس سے چین کے حالات دریافت کئے[1]۔

جس زمانہ میں یہ ابن ہبار قرشی تباہی سے دوچار ہوکر ہندوستان کے شہروں کا چکر کاٹ رہا تھا، سندھ میں اس کا خاندان حکمران تھا، مگر اس نے چین سے واپسی پر بصرہ ہی کو اپنا مسکن بنایا۔

منذر بن زبیر ہباری قرشی کی سندھ میں ۱۰۵ھ میں آمد

والیٔ عراق خالد بن عبد اللہ قسری کے حکم سے ۱۰۵ھ میں حکم بن عوانہ کلبی کو سندھ کا حاکم بنایا گیا، یہ ہشام بن عبد الملک اموی کا زمانہ تھا، اسی حکم کے ساتھ منذر بن زبیر ہباری سندھ آیا، بلاذری نے لکھا ہے،

وکان جد عمر ھذا ممن قدم السند مع الحکم بن عوانۃ الکلبی[2]

عمر بن عبد العزیز کا دادا منذر بن زبیر حکم بن عوانہ کلبی کے ساتھ سندھ آیا۔

اصطخری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان سندھ کے ایک معمولی سے شہر یانیہ میں آباد ہوا، جہاں خود عمر بن عبد العزیز ہباری بھی منصورہ میں حکومت قائم کرنے سے پہلے رہا کرتا تھا

---

[2] فتوح البلدان ص ۴۳۲ طبع مصر۔ [1] مروج الذہب، مسعودی ج ۱ ص ۱۴۲ تا ص ۱۴۵، طبع مصر۔

اس زمانہ میں سندھ اور اس کے اطراف میں طرح طرح کے داخلی فتنوں کا زور تھا یہاں کے عربوں کی قبائلی عصبیت یمانیہ و نزاریہ کا شباب تھا، بنو عباس کے داعی و مبلغ اندر اندر اپنا کام کر رہے تھے، خوارج کے فتنے عروج پر تھے، علویوں کی شورش جگہ جگہ سر اٹھا رہی تھی، شعوبیوں کی شرارتیں عام تھیں، ان فتنوں کی وجہ سے خروج و بغاوت اور خود مختاری کی وبا پھوٹ رہی تھی۔ اس کے باوجود ۱۰۸ھ سے ۱۳۲ھ تک سندھ میں ہباری خاندان کی کسی مخالفانہ و حاکمانہ سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منذر بن زبیر ہباری جس مقصد کو لے کر ہندوستان آیا تھا، اس میں کامیابی کے امکانات سندھ میں اب تک نظر نہیں آتے تھے، اس لیے وہ پچیس سے زائد سال تک بانیہ میں خاموشی کی زندگی بسر کرتا رہا، یہاں تک کہ جب بنو امیہ کے خاتمہ اور بنو عباسیہ کے اقتدار کا زمانہ آگیا تو اس انقلابی دور میں اس نے سندھ سے نکل کر قرقیسیا میں اپنے اقتدار و غلبہ کی کوشش کی۔

۱۳۲ھ میں منذر بن زبیر ہباری کا قرقیسیا میں خروج اور قتل

امام ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں عمر بن عبد العزیز بن منذر ہباری کے حال میں لکھا ہے:

وکان جدہ المنذر بن الزبیر قد قام بقرقیسیا ایام السفاح، فأُسِرَ وصُلِبَ[1]	عمر بن عبد العزیز کے دادا منذر بن زبیر نے سفاح کے زمانہ میں قرقیسیا میں خروج کیا، جس کی سزا میں وہ گرفتار کر کے سولی دیا گیا۔

ابن خلدون نے بھی منذر بن زبیر کے بارے میں یہی تصریح کی ہے۔

ارض جزیرہ میں رحبہ مالک بن طوق دریائے خابور کے کنارے ایک مثلث علاقہ ہے، قرقیسیا اسی کا ایک شہر ہے، ۱۹ھ میں حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے جزیرہ کو فتح کر کے مسلمہ فہری کو قرقیسیا کی طرف روانہ کیا، اس کے بعد حبیب نامی ایک فوجی افسر نے رقہ کی طرح قرقیسیا کو بھی صلح و مصالحت کے ذریعہ فتح کر لیا، بعد میں اہل قرقیسیا نے بغاوت کی تو والیِ

---

[1] جمہرۃ الانساب العرب ص ۱۱۸ طبع مصر۔

جزیرہ عمیر بن سعد نے ان کو زیر کر کے، دوبارہ صلح و مصالحت کی، اس کے بعد یہاں پر کوئی شورش برپا نہیں ہوئی یہاں تک کہ بنو امیہ کے زوال پر پھر ہنگامہ نے سر اٹھایا۔

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ۱۳۲ھ میں اہل جزیرہ نے بغاوت کر کے پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح کے خلاف حران میں طاقت جمع کی، نیز قرقیسیا، رقہ، سہار، دارا، اور ماردین میں شورش اٹھی، قرقیسیا اور رقہ کی بغاوت فرو کرنے کے لیے سفاح نے اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو بھاری جمعیت کے ساتھ روانہ کیا، اس تادیبی کارروائی کے بعد جزیرہ اور شام کے حالات بالکل درست ہو گئے اور ابو جعفر نے جزیرہ، آرمینیہ اور آذر بائیجان میں ۱۳۶ھ تک کامیاب حکومت کی، قرقیسیا کی اس شورش کے زمانہ میں منذر بن زبیر ہباری نے عباسی حکومت کے خلاف باغیوں کی رہنمائی کی، اور کھل کر مقابلہ کیا، جس کی پاداش میں اسے گرفتار کر کے سولی دیدی گئی۔

منذر کو گرفتار کر کے سولی دینا بتا رہا ہے کہ اس نے خروج و بغاوت میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منذر بن زبیر بنو امیہ کے خیر خواہوں میں تھا، اور سندھ میں اس کی آمد ان کی تائید و تقویت کے خیال سے تھی، ورنہ سندھ کے حالات کی ابتری یہاں پر اقتدار حاصل کرنے میں بہت مددو دیتی اور وہ قرقیسیا کے بجائے سندھ ہی میں اقتدار و غلبہ کی کوشش کرتا۔

۲۲۷ھ میں عمر بن عبدالعزیز ہباری کی سندھ میں پہلی کامیابی

منذر بن زبیر کی قرقیسیا میں ناکامی کے بعد سندھ کے ہباری خاندان کی طرف سے سیکڑوں سال تک کسی اندرونی یا بیرونی سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا، یہاں تک کہ ۲۲۷ھ میں منذر کے پوتے عمر بن عبدالعزیز ہباری نے سندھ کے عباسی حاکم عمران بن موسیٰ برمکی سے کھل کر مقابلہ کیا جس کا نتیجہ عمران کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا، یہ خلیفہ واثق کا زمانہ تھا عمر اور عمران کا یہ مقابلہ خروج و بغاوت یا غلبہ و اقتدار کے نام پر نہیں تھا بلکہ سندھ میں مقیم عربوں کی باہمی قبائلی جنگ نے یمنیوں اور نزاریوں میں عصبیت پیدا کر دی تھی، اور دونوں جماعتیں لڑ رہی تھیں، عباسی حاکم عمران بن موسیٰ برمکی نے اس میں صلح و مصالحت کی کوشش کے بجائے اہل یمن

کا ساتھ دیا، اس پر عمر بن عبد العزیز ہباری نے حجاز کے نزاریوں کی طرفداری کی اور عمران مارا گیا، بلاذری نے لکھا ہے :-

ثم وقعت العصبية بين النزارية واليمانية، فسار اليه عمر بن عبد العزيز الهباري فقتله وهو غار[1]	سندھ میں آباد نزاری اور یمنی عربوں میں عصبیت پیدا ہو گئی، جس میں عمران یمنیوں کا طرفدار بن گیا، یہ دیکھ کر عمر بن عبد العزیز اس کے مقابلہ کے لیے گیا اور عمران کو قتل کر دیا۔

قاضی رشید بن زبیر نے کتاب الذخائر والتحف میں تصریح کی ہے کہ عمران بن موسیٰ برمکی کا قتل سندھ میں ذوالحجہ ۲۲۷ھ واثق باللہ کے دورِ خلافت میں ہوا تھا[2]۔

عمر بن عبد العزیز ہباری نے قحطانیوں کے مقابلہ میں عدنانیوں کا ساتھ دے کر فتح پائی، جس سے پورے علاقۂ سندھ میں اس کا شہرہ ہو گیا اور بڑی حد تک اس کے حق میں زمین ہموار ہو گئی، اس کے باوجود بیس سال تک وہ ظاہری اقتدار و غلبہ حاصل نہ کر سکا۔

۲۴۷ھ میں دولتِ ہباریہ سندھ کی تاسیس

۲۴۷ھ میں خلیفہ متوکل کے قتل پر خلافتِ عباسیہ کے نظام میں ابتری پیدا ہوئی، اور پوری خلافت میں طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا، ان ہی ایام میں عمر بن عبد العزیز ہباری نے سندھ میں ایک خود مختار اور آزاد حکومت کی بنیاد رکھی اور منصورہ کو پایۂ تخت قرار دے کر پورے سندھ کی حکومت سنبھالی، امام ابن حزم نے جمہرۃ الانساب میں لکھا ہے :-

عمر بن عبد العزيز بن المنذر بن الزبير بن عبد الرحمن بن هبار بن الاسود صاحب السند[3]	عمر بن عبد العزیز بن منذر بن زبیر بن عبد الرحمن بن ہبار بن اسود حاکم سندھ، خلیفہ متوکل کے قتل ہونے کے بعد فتنہ کے

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۲، [2] کتاب الذخائر والتحف ص ۱۸۵ طبع کویت،

ولیہا ابتداء الفتنۃ إثر قتل المتوکل[1] ابتدائی دور میں سندھ کا حاکم بنا۔

عمر بن عبد العزیز ہباری کا سب سے قدیم تذکرہ اس کے معاصر امام انساب زبیر بن بکار متوفی ۲۵۶ھ نے جمہرۃ نسب قریش و اخبارہا میں کیا ہے اور عمر بن عبد العزیز کے سندھ پر غلبہ کی تصریح کی ہے، جس کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ وہ ۲۵۶ھ سے پہلے سندھ کا بادشاہ بن چکا تھا، ابن حزم کے بیان کی رو سے ۲۴۷ھ میں قتل متوکل کے فوراً ہی بعد وہ سندھ کا حاکم بن گیا، مورخ یعقوبی کا بیان ہے کہ سندھ کے والی ہارون بن خالد نے ۲۴۰ھ میں انتقال کیا تو عمر بن عبد العزیز نے جو کہ سندھ پر قابض تھا دربارِ خلافت کو لکھا کہ مجھے سندھ کی ولایت دی جائے میں بہت اچھا انتظام کروں گا، خلیفہ نے اس کی یہ درخواست منظور کر کے سندھ کی حکومت دے دی[2] اس بیان کی رو سے قتل متوکل سے پہلے ہی خاندانِ ہباریہ کا اقبال سندھ میں شروع ہو چکا تھا، اور مرکز خلافت سے ان کو حکومت کا پروانہ مل چکا تھا، البتہ خود مختاری ابھی نہ مل سکی تھی۔

دولت ہباریہ کے حکمراں اور سلاطین

دولتِ ہباریہ منصورہ کے بانی عمر بن عبد العزیز بن منذر ہبّاری قرشی کے علاوہ دیگر حکمرانوں کا باقاعدہ نام و نشان نہیں ملتا صرف مسعودی نے اپنے ایک معاصر ہبّاری حکمران عمر بن عبد اللہ بن عمر بن عبد العزیز کے حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں، اس زمانہ میں جو سیاح اور مورخ سندھ آئے انھوں نے یہاں کی حکومتوں کا مختصر تذکرہ ضرور کیا ہے مگر ان کے حکمرانوں کے نام نہیں بیان کیے ہیں البتہ اُن کے اجمالی بیان سے کچھ نتائج ضرور نکالے جا سکتے ہیں، عمر بن عبد العزیز ہباری کے معاصر مورخ و نساب مصعب زبیری ۲۳۳ھ نے عمر بن منذر کے بارے میں لکھا ہے

کان قد غلب علی السند (نسب قریش ص ۲۲) یعنی عمر نے سندھ پر غلبہ حاصل کیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ۲۳۳ھ تک عمر خود سندھ کا حکمران تھا اور اس کے دوسرے معاصر مورخ و

---

[1] جمہرۃ انساب العرب ص ۱۱۸۔ [2] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۹۹۔

نساب، زبیر بن بکار متوفی ۲۵۶ھ نے اس کے ذکر میں لکھا ہے کہ سندھ کا حاکم آجکل عمر بن منذر کی اولاد میں سے ہے۔[1] زبیر بن بکار کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ ۲۵۶ھ میں عمر کے بجائے اس کی کوئی اولاد سندھ پر حکمران تھی، ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ نے جمہرۃ الانساب میں عمر بن عبدالعزیز کے حال میں لکھا ہے کہ سندھ کی حکومت اس کی اولاد میں چلی، یہاں تک کہ اس خاندان کی حکومت ہمارے زمانہ میں سلطان محمود بن سبکتگین کے دور میں ختم ہوئی، ان کا دارالسلطنت منصورہ تھا۔[2] ظاہر ہے کہ اس حکومت کے خاتمہ تک اس میں متعدد حکمران گذرے ہوں گے مگر ابن حزم نے کسی کا نام تک نہیں لیا۔

ابن حوقل بغدادی ۳۵۸ھ نے کتاب صورالارض میں لکھا ہے کہ سندھ کے باشندے مسلمان ہیں، یہاں کا بادشاہ ایک قریشی ہے، جو ہبار بن اسود کی اولاد سے ہے،[3] اصطخری ۳۴۰ھ نے مسالک الممالک میں لکھا ہے کہ سندھ کے باشندے مسلمان ہیں اور ان کا بادشاہ قریش سے ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ہبار بن اسود کی اولاد سے ہے، یہ اور اس کے آباء و اجداد سندھ پر قابض ہو گئے ہیں۔[4] مقدسی بشاری بڑا بالغ نظر محقق و سیاح ہے، جس نے اپنی کتاب احسن التقاسیم ۳۷۵ھ میں لکھی ہے، اس نے بھی اجمالی طور پر صرف اتنا لکھا ہے کہ منصورہ پر ایک الگ سلطان حکمران ہے جو قبیلہ قریش سے ہے، یہ شاہانِ منصورہ خلیفہ عباسی کے نام کا خطبہ پڑھتے ہیں۔[5]

الغرض مسعودی کے علاوہ کسی سیاح نے منصورہ کے ان حکمرانوں کے حالات نہیں بیان کیے بلکہ سب نے صرف اشارے سے کام لیا، یہی حال سندھ کے دوسرے خود مختار حکمرانوں کا ہے کہ ان کے معاصر سیاحوں اور مورخوں نے ان کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی اگر کسی کا نام اور تذکرہ کہیں ملتا ہو تو ضمنی طور سے کسی بات کے سلسلے میں ہوتا ہے،

۱؎ جمہرۃ انساب قریش ج ۱ ص ۵۲۰۔ ۲؎ جمہرۃ انساب قریش ص ۱۱۸۔ ۳؎ کتاب صورالارض بحوالہ رجال السند والہند۔ ۴؎ مسالک والممالک ص ۱۷۳۔ ۵؎ احسن التقاسیم ص ۴۸۵

دولت ہباریہ کے جن حکمرانوں کا تذکرہ ہم کریں گے، ان کا بھی یہی حال ہے کہ کسی بات کے ضمن میں، ان کا کچھ حال معلوم ہوگا اور اتنا بھی غنیمت ہے کہ عرب مورخوں اور سیاحوں نے جا بجا ان کے نام دیدیئے ہیں، ہندوستان کی فارسی تاریخیں تو اس سے بھی محروم ہیں کہ ان میں ان کے نام تک مل سکیں چہ جائیکہ کچھ حالات ملیں۔

عمر بن عبدالعزیز ہباری قرشی بانیٔ دولتِ ہباریہ منصورہ سندھ

عمر بن عبدالعزیز بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن ہبّار بن اسود قرشی ہبّاری بانیٔ دولتِ ہبّاریہ منصورہ کا قدیم ترین تذکرہ اس کے دو معاصر ائمہ، انساب مصعب بن عبداللہ زبیری متوفی ۲۳۳ھ اور زبیر بن بکار متوفی ۲۵۶ھ نے کیا ہے، مگر ان دونوں نے عمر بن عبدالعزیز کے بجائے عمر بن منذر لکھا ہے یعنی باپ عبدالعزیز کے بجائے منذر کو بتایا ہے اور عبدالعزیز کا نام نہیں لیا ہے، البتہ ان کے بعد مورخ و نسّاب ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ نے عمر بن عبدالعزیز بن منذر لکھا ہے اور ان کے بعد تمام مورخوں اور سیاحوں نے اسی کو اختیار کیا۔[1]

عمر کے دادا منذر کا قیام بصرہ میں تھا، ۱۰۵ھ میں والی سندھ حکم بن عوانہ کلبی کے ساتھ سندھ چلا آیا اور شہر منصورہ کے جنوب میں بانیہ نامی ایک چھوٹے سے شہر میں سکونت پذیر ہو گیا، یہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا زمانہ تھا، جب پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح کا زمانہ آیا تو وہ سندھ سے نکل کر قرقیسیا گیا اور وہاں کے باغیوں کی رہنمائی کی پاداش میں ۱۳۳ھ میں سولی دے دیا گیا، مگر ہبّاری خاندان نے سندھ کے شہر بانیہ میں رہ کر خلافتِ عباسیہ سے تعلق قائم رکھا، یہاں تک کہ ۲۲۱ھ میں والیٔ سندھ موسیٰ بن یحییٰ برمکی کے مر جانے پر خلیفہ معتصم نے اس کے بیٹے عمران بن موسیٰ برمکی کو سندھ کا حاکم مقرر کیا، اس کے زمانہ میں سندھ میں مقیم عربوں میں شدید قسم کی قبائلی جنگ برپا ہو گئی اور یمانی و نزاری آپس میں لڑ پڑے، عمران بن موسیٰ نے یمن والوں کا ساتھ دیا، اور عمر بن عبدالعزیز ہباری نے نزاریوں

---

[1] جمہرۃ نسب قریش ج ۱ ص ۵۲۰، و جمہرۃ انساب العرب ص ۱۱۸۔

کی ہمدردی میں خروج کیا، نتیجہ کے طور پر ذوالحجہ ۲۲۷ھ میں عمران بن موسیٰ، عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھوں مارا گیا۔

یہ پہلا دن تھا جس میں ہباری خاندان کو سندھ میں کھلی ہوئی فتح نصیب ہوئی اور عباسی حاکم کے مقابلہ میں ایک ہباری کو کامیابی ہوئی، اور سندھ سے لے کر بغداد تک اس کی طاقت و شوکت کا چرچا ہوا، اس طرح کہنا چاہیے کہ سندھ کے ہباریوں نے اپنا لوہا ہر طرف سے منوا لیا، مگر اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہباری نے مرکزِ خلافت بغداد سے سرتابی نہیں کی، بلکہ وہ خلیفہ معتصم کے والی عنبسہ بن اسحاق ضبی کے ماتحت رہ کر عباسی خلافت کا وفادار رہا، اس کے باوجود عمر بن عبدالعزیز ہباری کی شان و شوکت اور قوت و طاقت حاکم مطلق سے کم نہ تھی، اور اس کی مرضی اور استقبال کے بغیر کوئی عباسی حاکم سندھ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا، زبیر بن بکار نے جمہرۃ نسب و قریش و اخبارہا میں لکھا ہے:

عمر بن المنذر بن الزبیر... کان قد غلب علی السند، وکان لا ید خلہا وال إلا أن یتلقاہ عمر بن المنذر فاذا تلقاہ عمر بن المنذر فی جماعۃ دخلہا[۱]	عمر بن منذر بن زبیر نے سندھ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا، اور جب تک عمر بن منذر کسی عباسی حاکم سے پہلے ملاقات نہ کرے وہ سندھ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا، اور جب وہ ایک جماعت کے ساتھ پہلے اس سے ملاقات کر لیتا تو وہ سندھ میں داخل ہوتا۔

اس صورتِ حال نے عمر بن عبدالعزیز کے حوصلے بہت بلند کر دیئے اور وہ حاکمانہ اقدام بھی کرنے لگا، چنانچہ ۲۴۰ھ میں جب سندھ کا عباسی حاکم ہارون بن ابو خالد مروزی قتل کر دیا گیا تو عمر بن عبدالعزیز نے بڑھ کر منصورہ پر قبضہ کر لیا، جو سندھ کے عرب حکام کا مرکز تھا، اور شہر بانیہ سے چند میل پر تھا، خلیفہ متوکل نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس کی ولایت و حکومت کو منظور کر لیا اور سندھ کے لوگوں نے بھی اس پر رضامندی

[۱] جمہرۃ نسب قریش ج ۱ ص ۵۲۰،

ظاہر کی، مورخ یعقوبی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

وتوفی هارون بن ابی خالد عامل السند سنة ۲۴۰، وکتب عمر بن عبد العزیز السامی المنتمی إلی سامة بن لوئ، وصاحب البلد انه إن ولی البلد فأقام به ضبطه، فاجابه إلی ذلك فاقام طول أیام المتوکل[1]

جب ۲۴۰ھ میں سندھ کا والی ہارون بن ابو خالد مرگیا تو عمر بن عبد العزیز سامی نے (جو کہ سامہ بن لوی کی طرف منسوب تھا اور شہر منصورہ کا حاکم تھا) خلیفہ متوکل کو لکھا کہ اگر مجھے شہر کا باقاعدہ حاکم بنالیا جائے تو میں یہاں کے معاملات کو ٹھیک کردوں گا چنانچہ خلیفہ نے اسے منظور کرلیا اور عمر بن عبد العزیز متوکل کے پورے دور میں سندھ کا حاکم رہا۔

ہباریوں کا یہ غلبہ و استیلا، خلیفہ کی منظوری سے تھا اور ان کو کامل خود مختاری نہیں ملی تھی، یہاں تک ۲۴۷ھ میں قتلِ متوکل کے بعد انھوں نے اپنی آزاد حکومت قائم کرلی۔

یعقوبی نے شبہ کی بنا پر عمر بن عبد العزیز ہباری کو سامہ بن لوی کی اولاد سے بتا کر اسے سامی لکھا ہے ورنہ درحقیقت سامہ بن لوی کی اولاد سے ملتان کے حکمراں تھے، جیسا کہ دولت سامیہ ملتان میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

عمر بن عبد العزیز ہباری کی خود مختارانہ اور آزاد حکومت کی تاریخ ابن حزم نے یوں بیان کی ہے۔

عمر بن عبد العزیز بن المنذر... صاحب السند، ولیها فی ابتداء الفتنة إثر قتل المتوکل[2]

عمر بن عبد العزیز بن منذر حاکم سندھ، متوکل کے قتل کے بعد اٹھنے والے فتنوں کے شروع میں سندھ کا حاکم بنا۔

متوکل کا قتل ۲۴۷ھ میں ہوا، اس لیے ظاہر ہے کہ دولتِ ہباریہ کا قیام اسی سال یا اس کے فوراً بعد ہوا ہوگا، عمر بن عبد العزیز نے اس کے بعد بھی مرکز خلافت بغداد سے تعلق

---

[1] تاریخ یعقوبی بحوالہ رجال السند والہند ص ۱۸۰ [2] جمہرۃ انساب العرب ص ۴۱۱

قائم رکھ کر عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا، اور اپنا مرکز بھی منصورہ ہی کو بنایا جو اموی اور عباسی دور میں عمّال و حکّام کا مرکز تھا، مگر اب بھی اپنے آبائی وطن بانیہ ہی میں رہتا تھا جو منصورہ سے تھوڑے فاصلہ پر جنوب میں واقع تھا، اس نے اپنے زمانہ میں نہایت کامیاب اور شاندار حکومت کی، پورے سندھ میں امن وامان قائم کیا، عوام میں مقبولیت حاصل کی، خراج اور ٹیکس وصول کیا، اور اسی کی نسبت سے منصورہ کے حکمران بعد میں بنو عمر بن عبد العزیز کے لقب سے مشہور ہوئے،

عبداللہ بن عمر بن عبد العزیز ہبّاری قرشی

عمر بن عبد العزیز کے مرنے پر اس کا بیٹا عبداللہ بن عمر بن عبد العزیز ہبّاری قرشی حکومت کا وارث ہوا، یہ ۲۷۰ھ میں حکمران تھا، اس نے بھی باپ کی طرح پورے سندھ پر نہایت کامیاب حکومت کی، قرب وجوار کے راجوں مہاراجوں میں اس کی بڑی قدر ومنزلت تھی، دین داری اور دینی خدمات میں دور دور تک اس کا شہرہ تھا، اس کے دربار میں علماء، فضلاء، ادباء، شعراء اور ارباب علم وفن رہا کرتے تھے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو کندہ کے ایک غلام ابو سمہ نے اس کے زمانے میں سندھ میں شورش برپا کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا تھا، مگر عبداللہ بن عمر ہباری نے اپنی طاقت سے اسے باہر نکال دیا، اور اس واقعہ کے بعد اس نے آبائی وطن بانیہ کو چھوڑ کر منصورہ ہی میں مستقل سکونت بھی اختیار کی، اس وقت سے منصورہ حکومت کا مرکز ہی نہیں بلکہ حکمرانوں کا مقام بھی بن گیا۔

مشہور سیاح اور جہاز راں بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے اپنی کتاب عجائب الہند میں عبداللہ بن عمر ہباری کے زمانے کا ایک نہایت اہم اور دلچسپ واقعہ لکھا ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھ سے ابو محمد حسن بن عمرو بجیرمی نے بصرہ میں بیان کیا کہ جب میں ۲۸۰ھ میں منصورہ میں تھا تو وہاں کے بعض معتبر مشائخ نے مجھ سے بیان کیا کہ کشمیر کے اطراف میں الور کا راجہ

مہروق بن رائق ہندوستان کے نامی گرامی بادشاہوں میں سے تھا، اس نے ۲۷۰ھ میں حاکم منصورہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ وہ راجہ کے لیے اسلامی شریعت اور احکام کو ہندی زبان میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کرے، عبداللہ بن عمر نے ایک عالم وفاضل کو بلایا جو منصورہ میں رہتا تھا، اس کا خاندان عراق کا تھا، یہ عالم ذہین وطباع اور معاملہ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا اچھا شاعر بھی تھا، اس کی نشوونما ہندوستان میں ہوئی تھی اور وہ یہاں کی مختلف زبانوں سے واقف تھا، عبداللہ بن عمر نے الور کے مہاراجہ مہروق بن رائق کی بات اس کے سامنے رکھی، اس نے راجہ کی خدمت میں حاضری سے پہلے ایک قصیدہ لکھ کر بھیجدیا، اس نے قصیدہ میں اپنی ان ضروریات کا تذکرہ کیا تھا جو مہاراجہ کے پاس جانے پر درکار تھیں جب یہ قصیدہ راجہ کو سنایا گیا تو وہ بہت خوش ہوا اور عبداللہ بن عمر کو لکھا کہ اس قصیدہ کے لکھنے والے عالم کو فوراً بھیجدیا جائے، چنانچہ عبداللہ بن عمر نے اس عالم کو راجہ کے پاس الور بھیجدیا جہاں وہ تین سال تک مقیم رہا۔

جب منصورہ واپس آیا تو عبداللہ بن عمر نے راجہ کے بارے میں دریافت کیا، عالم نے پوری تفصیل بیان کی اور کہا میں نے راجہ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ قلب وزبان سے تو وہ مسلمان ہوگیا ہے مگر حالات کی نزاکت اور سلطنت کے خیال سے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرسکا ہے، اس نے یہ بھی بتایا کہ راجہ نے مجھ سے قرآن کی تفسیر ہندی زبان میں بیان کرنے کی فرمائش کی تو میں نے یہ کام بھی کیا اور جب تفسیر بیان کرتے کرتے سورۂ یٰسٓ کی اس آیت پر پہنچا:

قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ	اس نے کہا کہ کون پرانی ہڈیوں کو زندہ کرے گا!
قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ	تم کہو کہ ان کو وہی اللہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا ہے، اور وہ ہر مخلوق کا علم رکھتا ہے۔

اور اس آیت کی تفسیر راجہ کے سامنے بیان کی تو وہ تخت سے اتر کر زمین پر چلنے لگا، پھر زمین

پر رُخسار رکھکر اس قدر رویا کہ اس کا چہرہ مٹی سے ملوث ہوگیا۔

اس کے بعد مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا کہ یہی رب معبود در اول قدیم ہے اس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ مثیل ہے، راجہ نے اپنے لیے ایک مخصوص کمرہ بھی بنوایا تھا جس میں وہ تنہا داخل ہو کر نماز پڑھتا تھا اور کسی دوسرے کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی تھی، ارکانِ دولت سمجھتے تھے کہ راجہ مہماتِ سلطنت اور ذاتی معاملات میں غور و فکر کے لیے اس کمرے میں جایا کرتا ہے، اس درمیان میں راجہ نے مجھے تین بار ہدیہ میں سونا دیا، جس کی مجموعی تعداد چھ سو سیر تھی[1]۔

واضح ہو کہ اس زمانہ میں مہاراجگانِ الور سلاطین منصورہ کی ماتحتی میں ان کے باج گذار بن کر حکومت کرتے تھے اور الور میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد تھی اور اسلامی شان و شوکت برپا تھی۔

موسیٰ بن عمر بن عبدالعزیز ہباری قرشی

یہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ہباری کا حقیقی بھائی تھا، ۲۷۱ھ میں اس کے حکمراں ہونے کا پتہ چلتا ہے، خلفاء عباسیہ سے اس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے، اس کا تذکرہ صرف قاضی رشید بن زبیر نے کتاب الذخائر و التحف میں یوں کیا ہے۔

وَأَهدى موسى بن عمر بن عبد العزيز	سندھ کے حاکم موسیٰ بن عمر بن
الهبارى صاحب السند إلى المعتمد	عبدالعزیز ہباری نے ۲۷۱ھ میں
على الله فى سنة أحدى وسبعين	خلیفہ معتمد کی خدمت میں ہدیہ
ومائتين هدية[2].	بھیجا۔

پھر اس ہدیہ کی تفصیل میں لکھا ہے کہ اس میں ایک عظیم الجثہ ہاتھی تھا جس کی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی، اور عمدہ نسل کے اونٹ، اور گائے کے مانند ہرن جن کا رنگ مائل بہ

---

[1] عجائب الہند طبع یورپ۔ [2] کتاب الذخائر و التحف ص ۲۰ طبع کویت۔

سیاہی تھا، سونے کے تین مجسمے، مشک وعنبر، ریشمی کپڑے، عود کا تخت اور اسی قسم کی دوسری گراں قدر اشیا اس ہدیہ میں شامل تھیں۔

ہدیہ کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ بن عمر ہباری بھی بڑے رعب اور دبدبہ کا حکمران گذرا ہے۔

ابوالمنذر عمر بن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ہبّاری قرشی

یہ عمر بن عبدالعزیز کا پوتا اور دولتِ ہباریہ منصورہ کا چوتھا حکمران ہے، اس کا حال علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں بیان کیا ہے، اوراس کے ذاتی حالات کم مگر اس کی حکومت کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں، ایک جگہ ملتان کے حاکم کے ضمن میں بغیر نام لیے یوں اس کا ذکر کیا ہے:

وکذلك صاحب مملكة المنصورة رجل من قريش من ولد هبار بن الاسودؒ	اور ملتان ہی کی طرح مملکت منصورہ کا حاکم بھی ایک قریشی شخص ہے۔ جو حضرت ہبار بن اسود کی اولاد سے ہے۔

دوسری جگہ کنیت اور نام کے ساتھ یوں ذکر کیا ہے۔

وکذلك کان دخولی الی بلاد المنصورة فی هذا الوقت، والملك علیها ابوالمنذر عمر بن عبد اللہؒ	ملتان کی طرح میرا داخلہ منصورہ میں بھی اسی زمانہ (۳۰۳ھ) میں ہوا تھا اس وقت اس پر ابوالمنذر عمر بن عبداللہ حکمران تھا،

ہم مسعودی کا پورا بیان درج کرتے ہیں کیونکہ دولت ہباریہ کے بارے میں اس قدر مفصل تذکرہ کسی اور مورخ اور سیاح نے نہیں لکھا ہے، اس تفصیلی بیان سے اس حکومت کے متعدد پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، اگرچہ یہ تمام چشم دید حالات صرف ابوالمنذر عمر بن عبداللہ ہباری کے دورِ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ میں ۳۰۳ھ کے

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۹۹ [2] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۷

بعد (۳۰۳ھ میں) بلادِ منصورہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ یہاں کا حاکم ابو المنذر عمر بن عبد اللہ ہے، اور اس کا ایک وزیر ہے جس کا نام رباح ہے، بادشاہ کے دو لڑکے ہیں ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام علی ہے، نیز میں نے منصورہ میں عرب کے ایک سردار اور حاکم کو دیکھا جو حمزہ کے نام سے مشہور ہے، منصورہ میں علویوں کی بہت بڑی آبادی ہے، علویوں میں عمر بن علی ۔۔۔ اور محمد بن علی کی اولاد بھی موجود ہے، سندھ کے ملوک منصورہ اور بغداد کے آل ابن ابی الشوارب کے درمیان خوشگوار تعلقات اور رشتہ داریاں ہیں، یہ ملوکِ منصورہ جن کے خاندان میں ہمارے زمانہ میں حکومت ہے حضرت ہبار بن اسودؓ کی اولاد سے ہیں، یہ لوگ بنو عمر بن عبد العزیز کے لقب سے مشہور رہیں، یہ نسبت حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کی طرف نہیں ہے۔

ان کا پایہ تخت منصورہ ہے جو ملتان سے سندھی فرسخ سے پچہتر فرسخ کی دوری پر ہے، ایک فرسخ آٹھ میل کا ہوتا ہے، حکومت منصورہ سے متعلق جو علاقہ ہے اس میں تین لاکھ ایسے دیہات اور بستیاں ہیں جن کا شمار ہو سکا ہے، پوری مملکت میں کھیتیاں درخت اور قریب قریب آبادیاں ہیں، اس میں مید (سمندری ڈاکو) نامی ایک قوم ہے جس سے اکثر جنگ رہا کرتی ہے۔

منصورہ کے بادشاہ کے پاس اسّی جنگی ہاتھی ہیں، اور یہاں کے جنگی اصول کے مطابق ہر ہاتھی کے ارد گرد پانچ سو پیدل فوج ہوتی ہے، ایک ہاتھی ایک ہزار گھوڑوں سے مقابلہ کرتا ہے، میں نے منصورہ کے حاکم کے یہاں دو ایسے ہاتھی دیکھے جو اپنی بہادری اور حملہ آوری میں سندھ اور ہندوستان کے تمام راجوں مہاراجوں میں مشہور ہیں، ان میں سے ایک کا نام منفر قلس، اور دوسرے کا نام حیدرہ ہے، منفر قلس کے بارے میں ان اطراف میں بہت سے حیرت انگیز واقعات مشہور ہیں، ایک واقعہ یہ ہے کہ جب منفر قلس کا سائیس مر گیا تو وہ کئی دنوں تک بھوکا پیاسا رہ کر غمگین آدمی کی طرح روتا رہا اور اس کی آنکھوں سے

آنسو جاری رہے، دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن منفرقلس فیل خانہ سے نکلا اس کے پیچھے حیدرہ تھا، اور اس کے بعد باقی اسّی ہاتھی تھے، جب وہ منصورہ کے ایک تنگ راستہ سے گذر رہا تھا تو ایک عورت اچانک اس کے سامنے آگئی، عورت اسے دیکھتے ہی مارے ڈر کے بیہوش ہو کر چت گر گئی، اور اس کے جسم سے چادر ہٹ گئی، یہ حال دیکھ کر منفرقلس یوں رُک گیا کہ اس کا دایاں پہلو پیچھے کے ہاتھیوں کی طرف تھا، تاکہ وہ آگے نہ بڑھ سکیں، منفرقلس نے اپنی سونڈھ سے عورت کی چادر ٹھیک کر کے اٹھنے کا اشارہ کیا، جب عورت ہوش میں آکر راستہ سے اٹھی تو منفرقلس آگے بڑھا اور دوسرے تمام ہاتھی بھی اس کے پیچھے چلے[1]

محمد بن عمر بن عبداللہ ہبّاری

ابوالمنذر عمر بن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ہبّاری کے دو لڑکوں کو مسعودی نے ۳۰۳ھ میں منصورہ میں دیکھا تھا، ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام علی تھا،

ورأیتُ بہا وزیرہ رباحاً وابنیہ محمداً وعلیاً[2]

میں نے منصورہ میں ابوالمنذر عمر بن عبداللہ کے وزیر رباح اور اس کے دو لڑکے محمد اور علی کو دیکھا۔

علی بن عمر بن عبداللہ ہبّاری

جیسا کہ مسعودی کے بیان سے معلوم ہوا، یہ ابوالمنذر عمر بن عبداللہ کا دوسرا لڑکا تھا مگر ان دونوں لڑکوں کے بارے میں یہ تصریح نہیں ملی کہ منصورہ کے تخت و تاج سے ان کا کیا تعلق تھا اور یہ دونوں سندھ کے حکمران تھے یا نہیں۔ قرین قیاس ہے کہ ان دونوں نے بھی حکومت کی ہوگی۔

یحییٰ بن محمد صاحب منصورہ

اس کا تذکرہ سیاح ابودلف مسعر بن مہلہل ینبوعی بغدادی (موجود ۳۷۰ھ) نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے، اس نے ملتان کے بت خانہ کے بیان میں لکھا ہے۔

البلد فی ید یحیٰی بن محمد الأموی وھو

شہر ملتان یحییٰ بن محمد اموی کے قبضہ میں ہے، نیز

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۰ تا ۱۶۹ - [2] ایضاً ص ۱۶۷۔

صاحب المنصورة أيضاوالسند كله. یہ منصورہ اور پورے اقلیم سندھ کا حکمران ہے۔

پھر منصورہ کے حال میں لکھا ہے کہ

وهي قصبة السند والخليفة الأموى مقيم بها، يخطب لنفسه، ويقيم الحدود ويملك السند كله بره وبحره۔

منصورہ سندھ کا دارالسلطنت ہے، اور خلیفہ اموی یہیں مقیم ہے، یہ اپنے نام کا خطبہ پڑھتا ہے اور شرعی حدود جاری کرتا ہے اور سندھ کے تمام خشک و تر کا مالک ہے۔

پھر آگے بغانین کے حال میں لکھا ہے :۔

وهو بلد واسع، يودى اهله الخراج الى الأموى والى صاحب بيت الذهب۔[1]

بغانین بہت بڑا شہر ہے، یہاں کے باشندے خلیفہ اموی اور بیت الذہب کے حاکم دونوں کو خراج ادا کرتے ہیں۔

ابودلف مسعر بن مہلہل کے ان بیانات میں الجھاؤ ہے، اس کو حل کرنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ چوتھی صدی میں پورا علاقہ سندھ ملوک ہباریہ کے زیر نگیں تھا، جن کا پایہ تخت منصورہ تھا، اس زمانہ میں بنو امیہ کا نام ونشان صفحۂ خلافت سے مٹ چکا تھا اس لیے نہ وہ بنی امیہ کے خلفاء و عمال تھے اور نہ ان کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے، بلکہ یہ بنو عباس کی خلافت کا زمانہ تھا جن کے نام کا خطبہ سندھ میں جاری تھا، اس اعتبار سے سندھ کے ہباری حکمران کسی حد تک عباسی کہے جا سکتے ہیں نہ کہ اموی، ملوک منصورہ سندھ کے حکمراں تھے، ملتان پر ان کی حکومت نہیں تھی بلکہ اس زمانہ میں یا تو سامہ بن لوی کے خاندان سے بنو منبہ ملتان کے حکمران تھے، یا اسماعیلی شیعوں کی حکومت تھی، ملوک ہباریہ منصورہ میں سے کسی کے اپنے نام کا خطبہ پڑھنے پڑھانے کی تصریح ان کے کسی معاصر مورخ و سیاح نے نہیں کی ہے بلکہ ایک موقع پر عضدالدولہ کے نام کا خطبہ پڑھنے کا

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۱۸ و ۴۱۹۔ طبع مصر۔

تذکرہ بعض مورخوں نے کیا ہے، ان وجوہ کی بنا پر یحییٰ بن محمد صاحب منصورہ خاندان ہباریہ کا حکمران تھا جس کی حکومت پورے سندھ پر تھی بلکہ بغانین کے باشندے بھی اس کو خراج دیتے تھے اور وہ دوسرے ہباری حکمرانوں کی طرح بنو عباسیہ کا خطبہ پڑھتا تھا، یہ بڑا مذہبی اور دیندار حکمران تھا اور اسلام کے شرعی قوانین اور حدود جاری کرتا تھا غالباً یہ یحییٰ بن محمد اسی محمد کا لڑکا تھا جسے مسعودی نے ابو المنذر عمر بن عبد اللہ ہباری کا بیٹا بتایا ہے، اور اس کا سلسلۂ نسب یوں ہے، یحییٰ بن محمد بن عمر بن عبد اللہ بن عبد العزیز ہباری قرشی۔

۲۴۷ھ سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر تک کے ہباری حکمرانوں کے یہ چند نام اور ان کے مختصر حالات ہم نے مختلف کتابوں سے پیش کیے ہیں ظاہر ہے کہ ۲۴۷ھ یا ۴۱۶ھ میں ختم ہونے والی حکومت میں ان کے علاوہ اور بھی حکمران گذرے ہوں گے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس درمیان کے بھی بعض حکمرانوں کے نام نہ معلوم ہوسکے ہوں۔

ملوک ہباریہ کے زمانے اور اوقات

دولت ہباریہ کا موسس و بانی عمر بن عبد العزیز ہباری ۲۴۷ھ میں سندھ کا خود مختار بادشاہ بنا مگر اس نے بہت کم مدت حکومت کی کیونکہ ۲۵۶ھ میں اس کی اولاد حکمران تھی، جیساکہ اس کے معاصر زبیر بن بکار نے لکھا ہے:

والی السند الیوم من ولد عمر بن المنذر[1]۔ — اس وقت سندھ کا حاکم عمر بن منذر کی اولاد سے ہے۔

زبیر بن بکار نے اپنی کتاب جمہرۃ انساب قریش ۲۵۶ھ میں لکھی، جب وہ مکہ کا قاضی تھا خطیب بغدادی نے ابو عبد اللہ احمد بن سلیمان طوسی کا قول نقل کیا ہے کہ زبیر بن بکار نے ہمیں کتاب النسب پڑھا کر فراغت پانے کے بعد تیسرے دن انتقال کیا[2]، زبیر کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت عمر بن عبد العزیز کے بجائے اس کی

---

[1] جمہرۃ انساب قریش ج ۱ ص ۵۲۰۔ [2] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۷۱، طبع مصر۔

اولاد میں کوئی شخص سندھ کا حاکم تھا، بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے اس کا انتقال ۲۰۵ھ کے قریب ہوا، اس کی رو سے وہ صرف ۱۴سال کے قریب حکمران رہا،

اس کے بیٹے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کا جو واقعہ بزرگ بن شہریار نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۷۰ھ میں سندھ کا حاکم تھا۔

اس کے دوسرے بیٹے موسیٰ بن عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں قاضی رشید بن زبیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۷۱ھ میں موجود تھا، اس نے اسی سال خلیفہ معتمد کو ہدیہ بھیجا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ اس کی حکومت کا پہلا سال رہا ہو اور اس نے اسی مناسبت سے خلیفہ کو ہدیہ روانہ کیا ہو،

عمر بن عبدالعزیز کا پوتا عمر بن عبداللہ مسعودی کے بیان کے مطابق ۳۰۳ھ میں کامیاب حکومت کرتا تھا۔

عمر بن عبداللہ کے جن دو شاہزادوں محمد بن عمر اور علی بن عمر کو مسعودی نے منصورہ میں دیکھا تھا معلوم نہیں کہ وہ کب حکمران ہوئے اور حکمران ہوئے بھی یا نہیں؟

یحییٰ بن محمد جس کا تذکرہ ابودلف نے کیا ہے اس کے زمانے کی تعیین صرف اسی سے ہو سکتی ہے کہ خود ابودلف ۳۳۱ھ میں موجود تھا اسی کے لگ بھگ اس نے دیکھا ہوگا۔

۴۱۶ھ یا ۴۱۷ھ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں دولتِ ہباریہ کا خاتمہ

سندھ اور ملتان کی دوسری خود مختار حکومتوں کی طرح منصورہ کی ہباری حکومت بھی سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ختم ہوئی، امام ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ نے جمہرۃ الانساب میں لکھا ہے۔

وتداول أولاده ملكها، إلى أن انقطع أمرهم في زماننا هذا، أيام محمود بن سبكتگين صاحب ما دون النهر من خراسان۔ (جمہرۃ الانساب العرب ص۴۱۱)

عمر بن عبدالعزیز ہباری کی اولاد سندھ پر حکمران رہی یہاں تک کہ ہمارے زمانہ میں بعہد سلطان محمود غزنوی ان کی حکومت ختم ہو گئی۔

اور بعینہ یہی عبارت علامہ ابن خلدون نے بھی نقل کی ہے۔

علامہ ابن اثیر اور علامہ ابن خلدون دونوں نے محمود غزنوی کے ہاتھوں اس حکومت کے خاتمہ کی داستان لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے آخر ۴۱۶ھ یا شروع ۴۱۷ھ میں اس حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ نصف ذی قعدہ ۴۱۶ھ میں سلطان محمود نے سومنات پر چڑھائی کی، اور اس کی فتح کے بعد ہی منصورہ پر حملہ کیا۔

وقصد المنصورة، وكان صاحبها قد ارتد عن الاسلام فلما بلغه مجئ يمين الدولة فارقها واحتمى بغياض اشبة. فقصده يمين الدولة من موضعين فأحاط به وبمن معه فقتلوا أكثرهم، وغرق منهم كثير، ولم ينج منهم إلا القليل۔[1]	سومنات فتح کرکے محمود غزنوی نے منصورہ کا قصد کیا، بات یہ ہوئی کہ منصورہ کا حاکم اسلام سے مرتد ہو گیا تھا، جب اسے سلطان محمود کی آمد کی خبر ملی تو وہ منصورہ چھوڑ کر اشبہ کی جھاڑیوں میں چھپ گیا، محمود نے دو طرف سے اسے اور اس کے ساتھیوں کو گھیرے میں لیا اور ان میں اکثر قتل کیے گئے اور بہت سے غرق ہو گئے، اور بہت کم بچ سکے۔

ابن خلدون نے بھی لکھا ہے کہ منصورہ کا حاکم اسلام سے مرتد ہو گیا تھا تو سلطان محمود نے منصورہ پر چڑھائی کا قصد کیا، اور اسے اس کی خبر لگی تو جھاڑیوں میں گھس گیا، مگر ان جھاڑیوں کو سلطان کی فوجوں نے گھیر لیا اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ سب کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر سلطان یہاں سے بھاٹیہ گیا وہاں کے لوگوں نے اسکی اطاعت قبول کی، اور صفر ۴۱۷ھ میں غزنہ واپس آگیا۔[2]

صاحب منصورہ کے ارتداد کی حقیقت سلطان منصورہ کے اسلام سے مرتد ہونے کی تصریح بڑی حیرت انگیز اور قابل نقد و نظر ہے، جیسا کہ معلوم ہوگا ملوک منصورہ انتہائی دیندار، اہل سنت والجماعت میں سے تھے، اور امام داؤد ظاہری

---

[1] تاریخ الکامل ج ۹ ص ۱۱۹۔ [2] تاریخ ابن خلدون۔

کے طریقہ پر شدت سے عامل تھے، منصورہ میں بڑے بڑے ظاہری علماء فقہاء اور قضاۃ تھے، دولت ہباریہ کا سرکاری مذہب ظاہری تھا، اور وہ اوّل سے آخر تک عباسی خلفاء سے متعلق رہے، آس پاس کے ہندو راجوں مہاراجوں سے ان کے تعلقات خوشگوار تھے، الور کے راجہ نے ان سے اسلام فہمی کی خواہش کی تو انھوں نے ایک عالم و فاضل کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا کام انجام دیا، ان ہی کے زمانہ میں سندھ کا ایک راجہ مسلمان ہوا، اور کعبہ کے لیے گراں قدر نذرانہ عقیدت پیش کیا اسی طرح ہباری حکمرانوں نے خالص دینی اور اسلامی کام کیے جوان کے دورِ حکومت کے لیے قابلِ فخر کارنامے ہیں، ان حقائق کے ہوتے ہوئے سلطان محمود کے ہندوستان پر بار بار فتح یاب ہونے کے زمانے میں منصورہ کے بادشاہ کا اسلام ہی سے برگشتہ ہوجانا بالکل قرینِ قیاس نہیں ہے، اور نہ کوئی اس کی دلیل ہے اور اگر اسلام سے مرتد ہوجانے کا مطلب اسماعیلی شیعہ اور باطنی بن جانا ہے تو یہ بھی قرینِ قیاس نہیں ہے، ملتان اور اس کے اطراف میں اسماعیلی شیعوں نے شورش برپا کر کے بنومنبہ کی حکومت پر قبضہ کیا تھا جن کو سلطان محمود نے ۳۹۶ھ میں ملتان سے نیست و نابود کیا جس سے ان کا زور ٹوٹ گیا، اس کے بیس سال بعد منصورہ کے حاکم کا شیعہ یا باطنی ہونا بالکل غیر یقینی ہے، خاص طور سے ایسی حالت میں جبکہ ملتان اور منصورہ کے درمیان کافی دوری ہے، اور منصورہ میں باطنیوں کا نام تک نہیں ملتا ہے

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی یلغار نے ہندوستان کو اس طرح اپنے حلقہ میں لے لیا تھا کہ پنجاب، کشمیر، سندھ اور گجرات تک اُس کی حکومت میں آگئے تھے، سندھ اور ملتان کی خود مختار عرب حکومتیں بھی اس کی حکومت کا حصہ بن چکی تھیں، صرف منصورہ کی ایک حکومت اب تک الگ تھی، لہٰذا اسے بھی دولتِ غزنویہ میں کرنے کے لیے جواز کی شکل ڈھونڈھ لی گئی، اور منصورہ کی خالص سُنّی اور متصلب دینی حکومت کی پیشانی پر ارتداد کا ٹیکہ لگا کر اس کو بھی فتح کر لیا گیا، غالباً ایسا اس لیے کیا گیا کہ منصورہ

میں علویوں کی بہت بڑی آبادی تھی اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے آباء و اجداد بنو عباس کے خلاف خروج و بغاوت میں نمایاں حصہ لے چکے تھے، اور جہاں بھی ان علویوں کا زور چلتا وہ اپنے اس کام سے نہیں چوکتے تھے، جیسا کہ ان ہی لوگوں نے ملتان کی سُنّی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا، ہو سکتا ہے کہ محمود غزنوی کو منصورہ کے ان علویوں اور ان کے طرف داروں سے خطرہ محسوس ہوتا رہا ہو اور اس نے منصورہ کو اپنی حکومت میں شامل کرنے کے لیے ارتداد کی خبر عام کی کرائی ہو، ملک گیری کی سیاست میں یہ سب باتیں ممکن ہوتی ہیں، بنو ہبار کی حکومت اگرچہ منصورہ سے ختم ہو گئی، مگر ظاہر کہ اس حکمران خاندان کے افراد دیگر عرب قبائل کی طرح سندھ وغیرہ میں آباد رہے ہوں گے، اور ان کی نسلیں پھیلی ہوں گی۔

فی الحال ہمیں ہباری خاندان کے کسی قابلِ ذکر شخص کا حال نہیں مل سکا، البتہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا بن محمد ملتانی متوفی ۶۶۶ھ رحمۃ اللہ علیہ اسی ہباری خاندان کے چشم و چراغ ہیں، جنھوں نے منصورہ کے بنو ہبار کے تقریباً تین سو سال بعد ملتان میں رشد و ہدایت اور علم و فضل کی بساط بچھائی اس ہباری فقیر نے اپنے دلق و سجادہ کے ذریعہ ہباری حکمرانوں کے تخت و تاج سے زیادہ دوام و شہرت پایا اور ملتان کا نام اس خانوادۂ علم و فضل کی وجہ سے مدتوں روشن رہا۔

نظامِ حکومت اور ملکی انتظامات

منصورہ میں ہباری حکومت کے قیام کا پس منظر

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے "عرب و ہند کے تعلقات" میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں سندھ اور ملتان کو فتح کیا، اس کے بعد سے تقریباً سوا سو برس تک یہ ملک پہلے دمشق پھر بغداد کا جزء رہا۔ تیسری صدی ہجری کے بیچ میں معتصم باللہ کے بعد مرکز کی کمزوری کے سبب یہاں کے عرب گورنروں نے خود مختاری سی حاصل کر لی، اس کے

بعد کہیں ہندو راجاؤں نے کسی کسی حصہ پر قبضہ کر لیا، اور کہیں مسلمانوں نے اپنی ریاستیں کھڑی کرلیں، سلطان محمود غزنوی کے حملہ تک ان میں سے بعض بعض مسلمان ریاستیں سندھ میں قائم تھیں، ان میں سے دو نسبتاً ذرا بڑی تھیں، ایک سندھ کے سرے پر منصورہ میں، اور دوسری سندھ کے خاتمہ پر ملتان میں، چوتھی صدی ہجری کے آخر تک جو عرب سیاح یہاں آتے گئے ہیں، وہ ان دونوں اسلامی ریاستوں کا حال بیان کرتے آئے ہیں۔

آگے چل کر لکھا ہے کہ عربوں نے سندھ کا علاقہ فتح کرنے کے بعد وہاں اپنی نوآبادیاں قائم کیں، قریش، کلب، تمیم، اسد، اور یمن و حجاز کے بہت سے قبیلے یہاں کے مختلف شہروں میں آباد ہو گئے، اور تیسری صدی ہجری کے بیچ تک ان کی حکومت ملتان سے لے کر سمندر تک کسی نہ کسی طرح قائم رہی، لیکن آخر کار یمنی اور حجازی عربوں کی خانہ جنگی نے ان کو برباد کر دیا، اور بہت سے علاقے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے، تاہم ملتان اور منصورہ دو ریاستیں ان کی ایسی تھیں جو سلطان محمود غزنوی کے حملہ تک قائم رہیں[1]

منصورہ میں دولتِ ہبّاریہ کے لیے حالات کی سازگاری کا سلسلہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے جبکہ تمیم بن زید عُتبی کو جنید بن عبدالرحمٰن مرّی کی جگہ سندھ کا حاکم مقرر کیا گیا، تمیم کی کمزوری کی وجہ سے سندھ کے نظامِ مملکت میں ابتری پھیل گئی، اور سندھ و ملتان کے مسلمان اپنے اپنے مرکزوں اور شہروں کو چھوڑ کر نکل گئے، علاقہ کچھ کے علاوہ ہر جگہ ہندو راجاؤں نے سر اٹھایا اور قبضہ کرنا چاہا، ان حالات میں یہاں کسی اچھے حکمراں کی ضرورت تھی، چنانچہ ہشام نے تمیم کے مرنے کے بعد حکم بن عوانہ کلبی کو ۱۰۵ھ میں سندھ کی حکومت سپرد کی، حکم نے محمد بن قاسم کے صاحبزادے عمرو بن محمد بن قاسم کی مدد سے سندھ کے حالات پر قابو پانے کی کوشش کی اور اسے اہم امورِ مملکت میں دخیل بنا کر حالات درست کیے، سب سے پہلے ایک مرکزی مقام محفوظ کے نام سے آباد کر کے اس کو

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات ص ۳۰۳ اور ص ۳۰۴۔

فوجی سرگرمی کا مرکز بنایا اور اسی چھاؤنی سے اطراف وجوانب میں فوج کشی کی، آگے چل کر حکم نے ایک اور شہر منصورہ کے نام سے آباد کر کے اسے پورے سندھ کا مرکز اور دارالامارت قرار دیا، جو بعد میں اموی اور عباسی عُمّال وحکّام کا مستقر ہوا، حکم نے محفوظہ، اور منصورہ دونوں مرکزوں میں طاقت جمع کر کے سندھ میں فتوحات حاصل کیں، اور جو علاقے نکل گئے تھے ان کو واپس لیا، اس کے دورِ حکومت میں عوام بھی بہت خوش اور مطمئن ہو گئے تھے، مگر حکم کے قتل ہوتے ہی پھر سندھ میں اموی حکومت کمزور پڑ گئی اور حکم سے پہلے جو ابتری پھیلی ہوئی تھی واپس آگئی[1]۔

آخر عباسی خلیفہ متوکل کے قتل ہونے کے بعد ۲۴۷ھ میں ہباریوں نے منصورہ پر قبضہ کر کے پورے سندھ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اور اس کے پہلے ہی حکمران عمر بن عبدالعزیز ہباری نے اپنے استقلال کا اعلان کر کے یہاں امن وامان قائم کیا اور نہایت کامیاب حکومت کی۔

سندھ کی ابتری میں بڑا ہاتھ خود عربوں کی باہمی قبائلی جنگ کا تھا، جو یمنیوں اور حجازیوں میں نزاریہ اور قحطانیہ کے نام سے دوسرے اسلامی ممالک کی طرح سندھ میں بھی برپا تھی، ان خانگی فتنوں نے عجمیوں کو موقع دیا کہ وہ کسی ایک جماعت کا ساتھ دے کر فتنہ کی آگ بھڑکائیں، اور شعوبیت کی تحریک کو کامیاب کریں، نیز علویوں اور خوارج کی ریشہ دوانیوں اور خفیہ سازشوں نے سندھ کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا اور کرمان ومکران سے لے کر سندھ اور ملتان تک یہ لوگ اقتدار کی خفیہ اور علانیہ جنگ کرتے تھے، ان ہی خارجی اور داخلی فتنوں اور شورشوں میں منصورہ اور ملتان کی حکومتیں قائم ہوئیں اور اپنے چراغ کو اس آندھی میں ایک مدت تک روشن رکھا، یہی نہیں بلکہ امن وانتظام کا بہترین مظاہرہ بھی کیا۔

دولتِ ہباریہ کی استقلالی، اور خود مختارانہ حیثیت | ملتان (پنجاب) اور منصورہ

[1] تاریخ ابنِ خلدون ج ۴ ص ۶۷۔

سندھ کی دونوں حکومتیں عرب مورخوں اور سیاحوں کے نزدیک مستقل حکومت کی حیثیت رکھتی تھیں، اور وہ ان کو اسی حیثیت سے یاد کرتے تھے، مسعودی نے لکھا ہے:

وصاحب مملكة بلد المولتان رجل من قريش من ولد سامة بن لوی بن غالب وكذلك صاحب مملكة المنصورة رجل من قريش من ولد هبار بن الأسود، والملك في هؤلاء وملك صاحب المولتان متوارثان من صدر الاسلام[1]

مملکت ملتان کا حاکم سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد سے ایک قریشی شخص ہے، اسی طرح مملکت منصورہ کا حاکم ہبار بن اسود کی اولاد سے ایک قریشی شخص ہے، اور ملوک منصورہ اور ملوک ملتان کی حکومت صدر اسلام خاندانی ہے۔

ملوکِ منصورہ ایک خاص امتیازی نسبت ولقب سے مشہور تھے اور اپنے بانی حکومت عمر بن عبدالعزیز قریشی ہباری کی طرف منسوب ہوکر بنو عمر بن عبدالعزیز کہے جاتے تھے مسعودی نے لکھا ہے:

ويعرفون ببني عمر بن عبد العزيز وليس هو عمر بن عبد العزيز بن مروان الأموي[2]

منصورہ کے حکمراں بنی عمر بن عبدالعزیز کی کنیت سے مشہور ہیں، یہ خلیفہ اموی عمر بن عبدالعزیز بن مروان نہیں ہے۔

زبیر بن بکار، اور ابن حزم نے ان کو والیِ سندھ اور صاحبِ سندھ لکھا ہے، اصطخری اور یاقوت حموی نے مَلِک اور مقدسی نے سلطان لکھا ہے، مسعودی نے ملوک منصورہ اور صاحب منصورہ کے خطاب سے ان کو یاد کیا ہے۔

خلافت عباسیہ کا خطبہ

ہباری حکمرانوں نے اپنی خود مختاری اور ہر قسم کی داخلی آزادی کے باوجود اپنے کو مرکز خلافت بغداد سے وابستہ رکھ کر عباسی

[1] مروج الذهب ج ۱ ص ۹۹ ۔ [2] ایضاً ج ۱ ص ۱۶۸

خلفاء کا خطبہ پڑھا اور ان کی ماتحتی کو اپنے لیے بہتر سمجھا، جیسا کہ اس زمانہ میں عراق و جزیرہ کے علاوہ تقریباً پورے عالم اسلام میں الگ الگ حکومتیں قائم تھیں اور دولِ مشترکہ کے طور پر بغداد سے وابستہ تھیں، مرکز کی کمزوری اس کو اپنے لیے غنیمت تصور کر کے اپنی نیابت اور خوشنودی کا پروانہ دے دیا کرتی تھی، بنو عمر بن عبدالعزیز خالص سُنّی مذہب کے پیرو تھے اور عاملین بالحدیث میں اصحاب ظواہر کے مسلک پر تھے، اس لیے انھوں نے سندھ میں خلافتِ عباسیہ کے مخالف علویوں، خوارج اور شیعوں کے مقابلہ میں اپنے کو خلافت سے وابستہ رکھا، اس دور کے مورخوں اور سیاحوں نے منصورہ کے حکمرانوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وہ عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھتے ہیں، اصطخری نے منصورہ کے ذکر میں لکھا ہے۔

وملکھم من قریش یقال انہ من ولد ھبار بن الأسود تغلب علیھا ھو وأجدادہ إلا أن الخطبة للخطبة۔[1]	یہاں کا بادشاہ قبیلۂ قریش سے ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ہبار بن اسود کی اولاد سے ہے جو خود اور اس کے آباء و اجداد یہاں قابض ہیں البتہ خطبہ خلیفہ کے نام کا جاری ہے۔

مقدسی بشاری نے لکھا ہے:

وأما المنصورة فعلیھا سلطان من قریش یخطبون للعباسی۔[2]	منصورہ کا بادشاہ قبیلہ قریش سے ہے، یہاں کے بادشاہ خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھتے ہیں۔

ابن حوقل نے لکھا ہے کہ

غیر أن الخطبة لبنی العباس	البتہ خطبہ بنو عباس کا پڑھا جاتا ہے۔

نیز دوسرے مورخوں اور سیاحوں نے اس کی تصریح کی ہے، اسی تعلق کی بنا پر بنو عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں بھی سندھ کا پورا علاقہ خلافت عباسیہ کے محروسہ و مقبوضہ میں شمار ہوتا تھا۔

[1] مسالک الممالک ص ۱۷۳، [2] احسن التقاسیم ص ۴۸۵۔

اور ہباری حکمران اس کے نائب کی حیثیت رکھتے تھے، چنانچہ ۲۳۵ھ میں ہباری حکومت سے پہلے خلیفہ متوکل نے اپنے بیٹے محمد المنتصر باللہ کے لیے ولی عہدی کی بیعت لی اور اسے خلافتِ عباسیہ کے جو ممالک اور علاقے سپرد کیے گئے، ان میں سندھ، مکران، قندابیل، اور فرخ بیت الذہب (ملتان) سب شامل تھے[1] مگر جب شوال ۲۶۱ھ میں خلیفہ معتمد نے اپنے صاحبزادے جعفر کو ولی عہد بنا کر جو سند دی اس میں صرف سندھ کا نام ملتا ہے[2]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مدت میں مکران اور قندابیل وغیرہ مرکز سے کٹ کر خود مختار ہو گئے تھے اور ان پر ایسے افراد حکمران تھے جو عباسی خلفاء کی نیابت نہیں تسلیم کرتے تھے، البتہ سندھ میں ۲۷۰ھ کے حدود میں ہباری حکومت قائم ہونے کے باوجود عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ جاری تھا، اس لیے وہ خلافت عباسیہ کا ایک حصہ اب بھی شمار کیا جاتا تھا۔

عضد الدولہ دیلمی کے نام کا خطبہ

ہباری حکمران شروع سے آخر تک عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھ کر مرکز خلافت بغداد سے وابستہ رہے، البتہ درمیان میں ایک موقع پر چند دنوں کے لیے دیلم کے بنی بویہ کے دوسرے حکمران عضد الدولہ بن رکن الدولہ بن بویہ دیلمی متوفی ۳۷۲ھ کے نام کا خطبہ بھی پڑھا گیا تھا، مقدسی بشاری نے لکھا ہے:

وأما المنصورة فعليها سلطان من قريش، يخطبون للعباسي، وقد كانوا خطبوا على عضد الدولة ورأيت رسولهم قد وافى إلى ابنه ونحن بشيراز[3]	منصورہ کا بادشاہ قریشی ہے، یہ عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھتے ہیں، اور ایک زمانہ میں عضد الدولہ کا خطبہ پڑھتے تھے، میں نے شیراز میں ان کے قاصد کو عضد الدولہ کے بیٹے کے پاس دیکھا ہے،

مقدسی کی احسن التقاسیم کے حواشی کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عضد الدولہ

[1] کامل ابن اثیر ج ۷، ص ۱۶، [2] ایضاً ص ۹۱، [3] احسن التقاسیم ص ۴۸۵۔

کے نام کا خطبہ صرف سندھ کے ساحلی شہروں میں پڑھا گیا تھا، اور عمر بن عبداللہ ہباری کا ایک بیٹا اس لیے شیراز میں عضد الدولہ کے بیٹے کے پاس گیا تھا کہ کسی غلام نے منصورہ کی ہباری حکومت کے خلاف خروج کیا تھا، اور اس کے مقابلہ میں مدد درکار تھی، پہلے گذر چکا ہے کہ دوسرے ہباری حکمراں عبداللہ بن عمر کے زمانہ میں بنو کندہ کے ایک غلام ابو الصمہ نے منصورہ پر قبضہ کرنا چاہا تھا جسے عبداللہ بن عمر نے شکست دے دی تھی، ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ (حدود ۳۷۰ھ) میں عضد الدولہ کے نام سے خطبہ پڑھا گیا ہو، نیز ۳۶۹ھ میں خلیفہ طائع باللہ نے دیلمیوں کے دباؤ سے خود حکم جاری کیا تھا کہ تمام ماتحت دارالسلطنتوں میں منبروں پر عضد الدولہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے[1]، ہو سکتا ہے کہ اسی زمانے میں منصورہ میں بھی اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا ہو جو درحقیقت خلیفہ عباسی کی اطاعت میں تھا، اس سے پہلے ۳۶۵ھ میں کوفہ میں عز الدولہ کے بجائے عضد الدولہ کا خطبہ پڑھا گیا تھا، الغرض مقدسی کے زمانہ (۳۷۵ھ) سے پہلے کبھی عضد الدولہ کا خطبہ پڑھا گیا تھا مگر جب مقدسی سندھ پہنچا ہے تو اس وقت کے سلاطین منصورہ عباسی خطبہ پڑھتے تھے،

اپنے نام کا خطبہ

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہباری حکمراں نے اپنے نام کا بھی خطبہ پڑھا پڑھایا تھا چنانچہ سیاح ابو دلف ینبوعی بغدادی نے اپنے سفرنامے میں منصورہ کے حالات میں لکھا ہے:

والخلیفة الأموی مقیم بها یخطب لنفسه[2]	خلیفہ اموی یہاں مقیم ہے، جو اپنے نام کا خطبہ پڑھتا ہے۔

یہ منصورہ کا ہباری حکمراں جسے ابو دلف نے غلطی سے خلیفہ اموی بتایا ہے اسی کی تصریح کے مطابق یحییٰ بن محمد صاحب منصورہ ہے، ابو دلف کا زمانہ ۳۳۱ھ سے ۳۷۷ھ تک ہے، اگر اس کی معلومات صحیح ہیں تو یحییٰ بن محمد ہباری نے اپنے نام کا بھی خطبہ جاری کیا تھا۔

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی: ذکر الطائع باللہ، [2] معجم البلدان ج ۵ ص ۱۹۸،

قاضی رشید بن زبیر کے بیان کے مطابق موسیٰ بن عمرو بن عبد العزیز ہباری صاحبِ منصورہ نے ۲۷۱ھ میں خلیفہ معتمد کی خدمت میں جو گراں قدر ہدایا و تحائف بھیجے تھے ان کی تفصیل دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہباری حکمرانوں کے تعلقات عباسی خلفاء سے نہایت خوشگوار اور پرخلوص تھے اور وہ ان کے نام کا خطبہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کے گن بھی گاتے تھے۔

جن عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ ہباری حکومت میں پڑھا گیا

۲۴۷ھ سے ۴۱۶ھ یا ۴۱۷ھ تک تقریباً ۱۷۰ کی مدتِ حکومت میں منصورہ کے حکمرانوں نے خلافتِ عباسیہ کے جن خلفاء کا خطبہ پڑھا اُن کی تعداد پندرہ ہے، ان میں آخری خلیفہ ابو العباس قادر باللہ احمد متوفی ۴۲۲ھ نے اکتالیس سال تین ماہ خلافت کی، اور دوسروں کی مدتِ خلافت نہایت مختصر رہی، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) منتصر باللہ،	ابو جعفر محمد بن متوکل	وفات ربیع الآخر	۲۴۸ھ
(۲) مستعین باللہ،	ابو العباس احمد بن متوکل	خلع	۲۵۲ھ
(۳) معتز باللہ،	ابو عبد اللہ محمد بن متوکل	وفات شعبان	۲۵۵ھ
(۴) مہتدی باللہ	ابو محمد اسحاق	وفات	۲۵۶ھ
(۵) معتمد علی اللہ	ابو العباس احمد بن متوکل	وفات	۲۷۹ھ
(۶) معتضد باللہ	ابو العباس احمد	وفات ربیع الآخر	۲۸۹ھ
(۷) مکتفی باللہ	ابو محمد محمد	وفات ذی قعدہ	۲۹۵ھ
(۸) مقتدر باللہ	ابو الفضل جعفر	قتل	۳۲۰ھ
(۹) قاہر باللہ	ابو منصور محمد	خلع	۳۲۲ھ
(۱۱) راضی باللہ	ابو العباس محمد	وفات ربیع الآخر	۳۲۹ھ
(۱۱) متقی باللہ	ابو اسحاق ابراہیم	خلع محرم	۳۳۳ھ
(۱۲) مستکفی باللہ	ابو القاسم عبد اللہ	خلع	۳۳۴ھ

(۱۳) مطیع للہ، ابوالقاسم فضل خلع ۳۶۴ھ

(۱۴) طائع للہ، ابوبکر عبدالکریم خلع ۳۸۱ھ

(۱۵) قادر باللہ، ابوالعباس احمد وفات ۴۲۲ھ

ملوک منصورہ کے بیرونی تعلقات

ملوکِ منصورہ عباسی خلفاء کا خطبہ پڑھ کر ان سے وابستہ تھے، مگر اپنے تمام خارجی اور داخلی امور و معاملات میں سیاہ و سفید کے مالک و مختار تھے، غیر ممالک سے ان کے تعلقات تھے، جس سے ان کی شہرت و عظمت اور شان و شوکت کا پتہ چلتا ہے، اس سلسلہ میں بغداد کے آل بن ابی الشوارب سے گوناگوں اور دیرینہ تعلقات خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں، جن کی گہرائی ہدایا و تحائف اور صلات سے گذر کر نسبی قرابت اور رشتہ داری تک پہنچی ہوئی تھی، مسعودی کا بیان ہے۔

وبین ملوك المنصورة وآل (ابن) ابی الشوارب القاضی قرابة وصلة ونسب[۱]

منصورہ کے بادشاہوں اور قاضی ابن ابی الشوارب کے خاندان میں قرابت، نسبی رشتہ اور لین دین ہے۔

قاضی ابن ابی الشوارب بغداد کے قاضی القضاۃ تھے عباسی دورِ خلافت میں ان کا خاندان پشتہا پشت سے علم اور دین کا گھرانا تھا، قضاۃ آل ابن ابی الشوارب خلفاء کے بعد سب سے زیادہ اثر و رسوخ اور اقتدار کے مالک تھے، اس خاندان میں عہدۂ قضاء اس کے جد امجد حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے چلا آتا تھا جن کو فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قاضی و حاکم مقرر فرمایا تھا، سندھ کے ہباری حکمرانوں کے اس خاندان سے چند در چند..... نجی تعلقات سے پتہ چلتا ہے کہ خود یہ بھی کس قدر معزز و محترم شمار کیے جاتے تھے، اور ان کی علمی و دینی زندگی کس قدر اونچی تھی۔

---

[۱] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۸،

فارس میں آل بویہ کی حکومت اپنے وقت میں عالم اسلام کی سب سے بڑی اور با اقتدار طاقت تھی، جو مرکزِ بغداد پر قابض و دخیل ہو کر امور خلافت کے سیاہ و سفید کی مالک بن گئی تھی اس سلطنت کے دوسرے حکمران عضد الدولہ سے بھی ہباریوں کے تعلقات تھے، اور جیسا کہ مقدسی نے بیان کیا ہے منصورہ کا ایک سفیر و نمائندہ عضد الدولہ کے بیٹے کے پاس شیراز گیا تھا۔[1]

ہباریوں کی شہرت دوسرے ممالک میں دور دور تک تھی جس کی وجہ سے بعض اوقات دوسرے ممالک کے امراء...... اور حکام منصورہ آتے رہتے تھے ۳۰۳ھ میں حمزہ نامی ایک عرب حاکم و سردار وہاں پر موجود تھا جسے مسعودی نے بھی دیکھا تھا، اس کا بیان ہے،

ورأیتُ بہا رجلا سیدا من العرب	میں نے منصورہ میں ایک عرب سردار اور
وملکا من ملوکھم وھو المعروف بحمزۃ[2]	بادشاہ کو دیکھا جو حمزہ کے نام سے مشہور تھا۔

منصورہ میں علویوں کی آبادیاں اور پر امن سکونت

آل ہبار حجازی تھے اور ان کے جد اعلیٰ عمر بن عبد العزیز نے یمانیوں کے مقابلہ میں حجازیوں کا ساتھ دے کر فتح پائی تھی، اس لیے ان کی حکومت میں حجازیوں کو سندھ میں بڑی عافیت کی زندگی نصیب ہوئی، اور وہ زیادہ سے زیادہ یہاں آکر آباد ہو گئے، خاص اور سے علویوں کو خوب پناہ ملی، کیونکہ عام طور سے علوی عباسی خلافت کے خلاف خروج و بغاوت میں سرگرمی دکھانے کی وجہ سے ہر طرف اپنے لیے خطرات محسوس کرتے تھے، ان میں بے گناہ بھی شک و شبہ کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، ہباری حکمران ان بے گناہ علویوں سے محبت کرتے تھے اور ان کو بغیر کسی شک و شبہ کے اپنے یہاں رہنے کی اجازت دیتے تھے، چنانچہ خود مرکزِ منصورہ میں ان علویوں کی بہت بڑی تعداد آباد تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مختلف اولاد سے تعلق رکھتے تھے،

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۵، [2] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۷

مسعودی نے لکھا ہے

وبها خلق من ولد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ثم من ولد عمر بن علی، وولد محمد بن علیؓ[1]

منصورہ میں حضرت علیؓ، ان کے صاحبزادے عمر بن علیؓ اور محمد بن علیؓ کی اولاد سے ایک جماعت موجود ہے،

حسنِ انتظام اور داخلی اور خارجی فتنوں سے امن

ہباری حکومت سے پہلے پورا علاقہ سندھ اقتدار پسندوں کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا، جگہ جگہ شورشیں ابھرتی تھیں، عربوں کی باہمی آویزش خون خرابہ برپا کرتی تھی، شیعوں اور علویوں کی خفیہ ریشہ دوانیاں ہر طرف بے اطمینانی پیدا کیے ہوئے تھیں، مگر ہباری حکومت نے آتے ہی نقشہ بدل دیا، جو مسلمان پہلے دور کی ابتری میں اپنا مرکز چھوڑ کر یہاں سے نکل گئے تھے وہ اپنے اپنے گھروں میں واپس آگئے اور حدود منصورہ میں واقع سندھ کی جو ہندو ریاستیں سرکشی کر رہی تھیں وہ بھی مرکز منصورہ سے وابستہ ہو کر مطمئن ہو گئیں، الور جیسی عظیم الشان ہندو حکومت منصورہ کی اطاعت میں آگئی، ہباری حکمران چونکہ بڑے مذہبی اور دیندار تھے اور انھوں نے اپنے نظام مملکت کی بنیاد اسلامی حکومت و سیاست پر رکھی تھی، اس لیے ہر طرف عدل و انصاف، امن و امان، اور خوش حالی کا دور دورہ ہو گیا، سندھ کے عوام پہلے کی تمام الجھنوں کو بھول کر مطمئن زندگی بسر کرنے لگے، اور بلا کسی امتیاز کے تمام رعایا ان کی اطاعت شعاری دل و جان سے کرنے لگی، ابن حوقل اپنے مشاہدات کی روشنی میں دولت ہباریہ کے حکمرانوں کے حسن انتظام اور عدل و انصاف کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

وساسوهم سياسته أوجبت رغبته الرعية فيهم وإيثارهم

ہباری حکمرانوں نے ملکی انتظام میں وہ قابلیت دکھائی جس نے رعایا کے دلوں کو ان کی طرف کھینچ

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۸۔

علی من سواھم غیر ان الخطبة لنبی العباس[1] | یا اور وہ دوسرے حکمرانوں کے مقابلہ میں ہباریوں کو چاہنے لگے، البتہ خطبہ عباسی خلفاء کا جاری ہے۔

ابن حوقل کے یہ چند الفاظ منصورہ کی ہباری حکومت کے حسن انتظام اور کامیابی کو واضح کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ۲۴۰ھ سے ۴۱۶ھ تک کی ۱۷۰ سالہ مدت حکومت میں کسی چھوٹی بڑی شورش کا پتہ نہیں چلتا۔

ایک شورش اور اس کا خاتمہ

البتہ ایک معمولی سی شورش ہباری حکومت کے خلاف اس کے ابتدائی دور میں اٹھی تھی، جسے اس وقت کے بادشاہ نے فوراً کچل دیا تھا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہباری حکومت سے پہلے سندھ کے عباسی حاکم داؤد بن یزید بن حاتم کے ہمراہ عراق سے بنو کندہ کا ایک غلام ابوصمہ نامی سندھ آیا تھا جس نے اپنے اقتدار و غلبہ کی کوشش کی۔ بلاذری نے لکھا ہے:۔

وکان معہ ابوصمۃ المتغلب الیوم وھو مولی الکندۃ[2] | داؤد کے ساتھ ابوصمہ تھا جو ان دنوں سندھ پر قابض ہے، یہ بنو کندہ کا غلام تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی کے نصف بعد (فتوح البلدان کا سن تصنیف ۲۵۵ھ ہے) ابوصمہ مولی کندہ نے سندھ کے کسی علاقہ پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لیا تھا، اسی ابوصمہ نے آگے چل کر غالباً ۲۷۰ھ میں منصورہ پر بھی قبضہ کرنا چاہا تھا، اس وقت عمر بن عبد العزیز کے بیٹے عبد اللہ کی حکومت تھی۔ اس نے ابوصمہ کو منصورہ سے مار بھگایا، اس واقعہ کے بعد وہ آبائی وطن بانیہ کو چھوڑ کر منصورہ میں مستقل رہنے لگا، اس واقعہ سے پہلے منصورہ کے بادشاہ بانیہ میں رہا کرتے تھے جو صرف ایک فرسخ کی دوری پر تھا، اس ایک واقعہ کے بعد پھر پورے دورِ حکومت میں کسی قسم کا کوئی فتنہ و فساد نہیں ہوا۔ اور نہ کسی علاقہ میں بے اطمینانی اور الجھن پیدا ہوئی، مگر جب سلطان محمود غزنوی کی فاتحانہ یلغار کا رخ منصورہ کی طرف ہوا، تو ہباری حکومت کو

[1] کتاب صور الارض بحوالہ رجال السند الہند ص ۱۸۰۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۳۲

وقت کے میدان میں سپر انداز ہونا ہی پڑا،

کرمان و مکران سے سندھ اور ملتان تک اس دور میں داخلی فتنوں کا زور تھا، علویوں کی شورش ہر طرف عام تھی، ان کے دعاۃ و مبلغین کے بہت سے مرکزی مقامات تھے، ملتان کی سُنی حکومت پر اسماعیلی شیعوں نے قبضہ کر کے وہاں سے باطنی اسمٰعیلی دعوت عام کی، اور افریقہ کے فاطمی حکمرانوں کا خطبہ جاری کیا، ان کے مقابلہ میں خوارج کی سرگرمیاں بھی کچھ کم نہ تھیں، طوران، قزدار، قندابیل اور مکران کے علاقے گویا خوارج کے وطن تھے، بلکہ قزدار میں مستقل خارجی حکومت تھی قرامطہ کشت وخون میں سرگرمی دکھا رہے تھے، اور سب سے بڑھ کر خود یہاں پر آباد عرب قبائل کی باہمی آویزش اور قبائلی عصبیت کی آگ بھڑک رہی تھی، ان حالات میں منصورہ کے ہباری حکمرانوں نے جس حکمتِ عملی اور حسن تدبیر سے امن و امان بحال رکھا، یہ ان کا امتیازی کارنامہ ہے، حالانکہ یہ لوگ اہلِ سنت والجماعت کے ظاہریہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے جو حنابلہ کی طرح بہت ہی متصلب اور سخت ہوتے تھے، ان کے ایک جانب طوران اور قزدار کے تشدد پسند خوارج تھے، اور دوسری جانب ملتان میں بنو سامہ کے بعد باطنی شیعہ تھے، جو افریقہ کی فاطمی حکومت کے گویا نمائندے تھے، خود منصورہ میں علویوں کی بہت بڑی آبادی تھی، لیکن پورے ہباری دورِ حکومت میں ان مذکورہ فتنوں میں سے کسی کا پتہ نہیں چلتا، اس کی اس امتیازی حیثیت میں کوئی معاصر حکومت ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی، اور کوئی مورخ ہباریوں کی وسیع المشربی، حسن سیاست، امن پروری، تدبیر مملکت ، دور اندیشی، اور حسنِ کارکردگی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک خطرہ سے آگاہی اور ترکوں کا قتل سندھ کے ملوک ہباریہ ملکی سیاست اور حکومت کے انتظام میں بڑی بیدار مغزی اور حکمت عملی سے کام لیتے تھے، آل بویہ سے ان کے تعلقات دوستانہ تھے، اس لیے ان کے باغیوں اور دشمنوں کو اپنے ملک میں پناہ نہیں دیتے تھے، اور دیلمی حکومت کے شورش پسندوں کو اپنے لیے بھی

خطرناک سمجھتے تھے، وزیر ابو شجاع محمد بن حسن، ظہیر الدین روذ راوری متوفی ۴۸۸ھ نے ذیل تجارب الامم[1] میں لکھا ہے کہ ۳۸۵ھ میں صمصام الدولہ دیلمی نے حکم دیا کہ فارس کے علاقہ میں پناہ گزین ترکوں کو قتل کر دیا جائے، چنانچہ شیراز میں ان کا قتل عام ہوا جس کی وجہ سے انھوں نے پورے علاقۂ فارس میں شورش برپا کر رکھی تھی، صمصام الدولہ نے ان کی سرکوبی کی، یہاں تک کہ وہ کرمان کی طرف بھاگ گئے جب وہاں بھی ان کو امن نہیں مل سکا تو سندھ کے حاکم سے اجازت لے کر یہاں آئے، اور حاکم سندھ نے ان کو تباہ کر دیا۔

فدفعتهم الضرورة الى قصد	ان ترکوں کو بلاد سندھ کی طرف آنا پڑا، انھوں نے حاکم
بلاد السند، واستاذنوا ملكها في	سندھ سے داخلہ کی اجازت چاہی تو اس نے
دخول بلده، واظهر لهم القبول	بظاہر اسے منظور کر لیا، اور ان کے استقبال کے لیے
وخرج لاستقبالهم ورتب	یوں نکلا کہ اپنی پیدل فوج دو صفوں میں ترتیب دی
اصحابه صفين، ورجالة	اور کہا کہ جب ترک حدودِ سلطنت میں داخل
ووافقهم على الايقاع بهم	ہو جائیں تو وہ ان پر ٹوٹ پڑیں، چنانچہ اس کے
اذا دخلوا بينهم، ففعلوا ذلك	آدمیوں نے ایسا ہی کیا، اور چند ترکوں کے علاوہ
ولم يفلت منهم الا نفر حصلوا	کوئی نہ بچ سکا جو مقتولوں کے درمیان رہ گئے تھے
بين القتلى، وهربوا تحت الليل[1]	اور وہ بھی راتوں رات بھاگ نکلے.

بظاہر یہ لوگ سندھ میں آ کر فتنہ و فساد برپا کرتے، اور آل بویہ جیسی پر شکوہ حکومت کو پریشان کرنے والے سندھ کی حکومت کو بھی پریشان کرتے، اس لیے حاکم سندھ نے ان کو بڑی حکمتِ عملی سے ختم کر دیا۔

جنگی طاقت، اور جنگی ہاتھی

ہباری حکمرانوں نے امن و امان کی برقراری اور مفسدانہ طاقتوں کو دبانے کے لیے اپنا فوجی نظام نہایت مستحکم بنا رکھا تھا، ان کی فوجی

[1] ذیل تجارب الامم ص ۲۶۴ و ۲۶۵۔

طاقت کا اندازہ مسعودی کے اس بیان سے ہوتا ہے:

وللملك المنصورة فيلة حربية، وهي ثمانون فيلاً رسم كل فيل أيكون حوله على ماذكرنا خمسمائة راجل، وأنه يحارب ألوفا من الخيل على ماذكرنا[۱]	منصورہ کے بادشاہ کے یہاں جنگی ہاتھی ہیں. جن کی تعداد اسّی ہے، قاعدہ ہے کہ ہر ہاتھی کے ساتھ پانچ سو کی پیدل فوج ہوتی ہے اور ایک ہاتھی ہزار رشتہ سواروں سے لڑتا ہے.

ان جنگی ہاتھیوں میں منفرقلس اور حیدرہ دو ہاتھی سمجھ بوجھ اور جنگی مہارت و خدمت میں سندھ اور ہندوستان کے تمام بادشاہوں اور راجوں میں خاص شہرت رکھتے تھے، کیونکہ وہ بہادری حملہ آوری اور فوجوں کو شکست دینے میں اپنا جواب آپ تھے، جب یہ جنگی ہاتھی نکلتے تھے تو منفرقلس آگے آگے چلتا تھا، حیدرہ اس کے پیچھے ہوتا اور اس کے بعد دوسرے تمام ہاتھی ہوتے تھے،

سندھ کے راجوں مہاراجوں کے یہاں کے ان جنگی ہاتھیوں کے میدان جنگ میں اترنے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ جو ہاتھی زیادہ بہادر ہوتا اس کی سونڈھ میں کٹار باندھا جاتا تھا اور اس کی پوری سونڈھ کو زرہوں سے چھپا دیا جاتا تھا، نیز اس کے پورے جسم پر لوہے کی زرہیں اور میخیں ہوتی تھیں، اس کے گرداگرد پانچ سو کی پیدل فوج آگے پیچھے سے اس کی دیکھ بھال کرتی تھی، اس وقت وہ ہاتھی پانچ چھ ہزار رشتہ سواروں سے نبرد آزما ہوکر ان کے لیے تنہا کافی ہوتا تھا، کبھی ان میں گھس جاتا، کبھی نکل آتا اور بالکل اسی طرح حملہ آور ہوتا تھا جیسے کوئی سپاہی سوار پر حملہ کرتا ہے تمام لڑائیوں میں ہاتھی کی جنگ کا یہی طریقہ تھا[۲]۔

اندازہ لگانا چاہیے کہ جس حکومت کے پاس صرف جنگی ہاتھی اسّی ہوں، اور ہر ہاتھی پر پانچ سو کی پیدل فوج ہو یعنی صرف جنگی ہاتھیوں کے سلسلے میں چالیس ہزار فوج ہو، اس

[۱] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۸ [۲] ایضاً ص ۱۶۸

کے پاس کتنے زیادہ فوجی سپاہی اور لشکر رہے ہوں گے؟

آلات جنگ اور اسلحہ

اُس زمانہ میں سندھ اور دوسرے ملکوں میں تلوار اور نیزے عام آلات جنگ تھے۔ ان کے علاوہ ہباری حکمرانوں کے یہاں کون کون سے آلاتِ حرب تھے جن سے وہ لڑائیوں میں کام لیتے تھے؟ ان کے بارے میں براہِ راست ہمیں معلومات نہیں ہیں، البتہ یہ ظاہر ہے کہ جو اسلحۂ جنگ ان سے پہلے سندھ کے عباسی امراو حکام استعمال کرتے تھے ان ہی کو وہ بھی استعمال کرتے رہے ہوں گے اس کے لئے ہمیں سندھ میں عباسی عمال کے اسلحہ خانہ کا جائزہ لینا چاہیے، قاضی رشید بن زبیر نے منصورہ کے عباسی حکمران عمران بن موسیٰ برمکی مقتول ذوالحجہ ۲۲۷ھ کے سرکاری اسلحہ خانہ میں ان آلات کے ملنے کی خبر دی ہے (۱) سات سو قدیم ہندی نیزے جن پر روغن پھیرا ہوا تھا (۲) سابری زرہیں (۳) اونچے قسم کے طرخونی جنگی بباس، (۴) تبت کے بکتر اور سینہ بند (۵) لوہے کے سینہ بند (۶) بازو بند (۷) ساق بند (۸) خود، (۹) گھوڑوں کے لیے لوہے کے جھل اور زرہیں، اور اسی قسم کے بہت سے دوسرے سامان جنگ جن کا کوئی شمار نہیں تھا۔[۱]

اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں سندھ کے عرب حکمران ان آلاتِ جنگ سے کام لیتے تھے، اور اسی قسم کے سامانِ جنگ سندھ کے ہباری دور میں بھی رائج رہے ہوں گے،

قرب وجوار کی معاصر حکومتوں کے ساتھ صلح ومصالحت

ہباریوں کے پورے دورِ حکومت میں قرب وجوار کی کسی مسلم یا غیر مسلم حکومت سے اقدامی یا دفاعی جنگ کا پتہ نہیں چلتا، اور ان کا پورا دور صلح کل کا آئینہ دار معلوم ہوتا ہے، البتہ منصورہ کے دوسرے حکمران کے زمانہ میں ابو صمہ نے منصورہ پر جب یلغار کی تو اس نے طاقت کے ذریعہ اسے شکست دی، ان کی معاصر حکمران طاقت ملتان کے بنو منبہ کی تھی مگر وہ بھی عباسی خلفاء

۱؎ الذخائر والتحف ص ۱۸۰۔

کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے اور منصورہ کے ہباریوں کے ہم سیاست تھے، نیز دونوں جگہ کے حکمران سنی المذہب تھے اس لیے ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور نہ کبھی مقابلہ کی صورت پیدا ہوئی، منصورہ کی عملداری میں ایک قدیم غیر مسلم حکومت الور کے مہاراجوں کی تھی، جس طرح قنوج کے راجے ملتان کے بنو منبہ سے نبرد آزمائی کیا کرتے تھے الور کے راجے بھی منصورہ کے بنو عمر بن عبد العزیز سے جنگ کر سکتے تھے، مگر ہباریوں کی سیاست اور تدبیر مملکت نے الور کو اپنی اطاعت و امان میں لے لیا تھا، اس طرح اس کی طرف سے بھی بے فکری تھی، البتہ سندھ کی ساحلی قوم مید سے ان کی ہمیشہ جنگ جاری رہا کرتی تھی۔

مید قوم سے جھڑپیں اور لڑائیاں

سندھ سے لیکر ہندوستان کے ساحلی علاقوں تک مید نامی ایک قوم آباد تھی، یہ لوگ سمندری رہزن اور ڈاکو تھے۔ بحری ڈاکہ مارنا ان کا پیشہ تھا، اصطخری نے لکھا ہے کہ بلادِ ہند کی حدود میں بدھ اور مید قوم کے لوگ آباد ہیں، مید ملتان سے لیکر دریائے سندھ کے سمندری دہانے تک تمام سواحل پر پھیلے ہوئے ہیں، اور دریائے سندھ اور قامہل کے درمیان جو میدانی علاقے ہیں ان میں ان کی چراگاہیں اور آبادیاں ہیں یہ قوم ان میں بہت بڑی تعداد میں پائی جاتی ہے۔[1]

مید قوم صرف سندھ اور ہندوستان ہی کے ساحلی سمندر میں عربوں کے تجارتی جہازوں کو نہیں لوٹتی تھی بلکہ بحرِ عرب میں سقوطرہ تک یہ لٹیرے مسلمانوں کے جہازوں کو لوٹتے تھے، مسعودی نے لکھا ہے کہ اس وقت (۳۳۲ھ) مسلمان بحری تاجروں کو لوٹنے کے لئے سقوطرہ تک ہندوستان کے ڈاکوؤں کی کشتیاں آتی ہیں اور وہ ان ہی کشتیوں کے ذریعہ مسلمانوں کے ان جہازوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں جو چین اور ہندوستان جاتے ہیں جسطرح

[1] مسالک الممالک ص ۱۷۶۔

یورپ کے بحری ڈاکو بحر روم میں ساحلِ شام کے قریب اپنی کشتیوں کے ذریعہ مسلمانوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔[۱]

اس شریر و سرکش قوم سے منصورہ کے سلاطین ہباریہ کی ہمیشہ جنگ رہا کرتی تھی، اور خشکی و تری میں اس سے مقابلہ جاری رہتا تھا۔ مسعودی نے منصورہ اور اس کے حکمرانوں کے حال میں لکھا ہے:

وفیها حروب کثیرة من جنس یقال لهم المید، هم نوع من السند وغیرهم من الاجناس، وهم ثغر الهند	منصورہ کے حدود میں مید سے بکثرت لڑائیاں جاری رہتی ہیں، یہ سندھ وغیرہ کی ایک قوم ہے، اور یہ لوگ یہاں کے حدود میں آباد ہیں۔

ہباریوں نے خشکی اور تری کے ان ڈاکوؤں اور لٹیروں کو زیر کرنے کے لیے ہمیشہ جنگ کی اور پورے ساحلی مقبوضہ میں ان کا زور ختم کر کے امن و امان کی فضا قائم کی جس کی وجہ سے اندرون ملک امن و عافیت کی بحالی کے ساتھ ساتھ غیر ملکی بری اور بحری تجارت کو بڑا فروغ ہوا، اور تجارتی قافلے اور جہاز بے خوف و خطر زیادہ سے زیادہ سامانِ تجارت لے کر ہندوستان آنے جانے لگے۔

دولت ہباریہ کا سرکاری مذہب داؤدی ظاہری تھا

ہباریوں کا پورا دورِ حکومت دینی اور مذہبی اعتبار سے بہت شاندار تھا، وہ خود پکے سُنی اور خلافتِ عباسیہ کے طرفدار و مطیع تھے، خلافت عباسیہ کے قاضی القضاۃ ابن ابی الشوارب کے خاندان سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے، یہ بجائے خود ہباریوں کے مذہبی ہونے کی دلیل ہے، ان کے فقہی مسلک کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی ہے مگر قوی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام داؤد ظاہریؒ متوفی ۲۷۰ھ کے مسلک پر رہ کر

---

[۱] مروج الذہب ج ۲ ص ۲۰ — [۲] ایضاً ج ۱ ص ۱۶۸۔

عامل بالحدیث تھے۔

چوتھی صدی ہجری میں مشرقی عالم اسلام میں ظاہری مسلک کو بہت زیادہ فروغ ہوا، اور اس نے حنبلی مسلک کی جگہ لے لی، چنانچہ مقدسی نے اس زمانہ کے اہل سنت کے چار فقہی مذاہب میں حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور داؤدیہ کو بتایا ہے اور حنبلیہ کا نام نہیں لیا ہے[۱]۔

سندھ کے مذہبی حال میں لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر اصحاب حدیث ہیں، اور میں نے قاضی ابو محمد منصوری سے ملاقات کی ہے جو داؤدی المذہب ہیں اور اپنے مذہب کے امام ہیں، ان کا حلقۂ درس جاری ہے، اور انھوں نے کئی اچھی اچھی کتابیں تصنیف کی ہیں، ملتان والے شیعہ ہیں، اور یہاں کے بڑے بڑے شہر حنفی فقہاء سے خالی نہیں ہیں، یہاں پر مالکیہ اور معتزلہ نہیں ہیں، اور نہ ہی حنابلہ کے مسلک پر عمل ہوتا ہے، یہاں کے مسلمان نہایت اچھے مسلک پر ہیں، ان کا مذہبی حال بہت ہی قابل تعریف ہے، صلاح و پرہیز گاری ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مذہبی غلو، عصبیت، اور فتنہ و فساد سے بچا کر امن و راحت میں رکھا ہے[۲]۔

ظاہریہ کا مسلک صرف سندھ اور منصورہ ہی میں رائج نہیں تھا بلکہ اقلیم فارس میں بھی اس کو فروغ تھا، بنی بویہ کے دور میں فارس میں امام داؤد ظاہری کے مسلک کے علماء و فضلاء محکمۂ قضا اور سرکاری عہدوں پر قابض تھے، عضد الدولہ داؤدی مسلک کا معتقد تھا، مقدسی نے لکھا ہے کہ اقلیم فارس میں داؤدی فرقہ کی درسگاہیں، دینی و علمی مجلسیں ہیں اور ان کا غلبہ ہے داؤدی مسلک والے قضاء، اور دوسرے اعمال پر قابض ہیں اور خود عضد الدولہ داؤدی مذہب کا معتقد ہے[۳]۔ مطلب یہ ہے کہ اقلیم فارس اور اقلیم سندھ ایک ہی وقت میں ظاہری مذہب کے مرکزی مقامات تھے جہاں ظواہر کو خوب فروغ ہوا اور

۱ احسن التقاسیم ص ۳۰ ۲ " ص ۴۸۱ - ۳ " ص ۴۳۹ -

ان کے علوم وفنون کی اشاعت ہوئی، بلکہ سندھ کے دوسرے پڑوسی ملک عمان میں بھی اہلسنت والجماعت داؤدی مذہب کے تھے اور ان کی مذہبی مجلسیں ودرسگاہیں بھی وہاں تھیں[1]۔

سندھ میں بھی عہدۂ قضا پر داؤدی علماء قابض تھے، مقدسی نے اپنے زمانہ میں امام ابو محمد داؤدی کو منصورہ کا قاضی بتایا ہے، جو اس وقت داؤدی مذہب کے امام تھے اور اس میں ان کی متعدد عمدہ تصانیف تھیں، اسی طرح قاضی ابو العباس احمد بن محمد تمیمی منصوری بھی، کئی کتابوں کے مصنف اور منصورہ کے قاضی تھے۔

ویسے پورے اقلیم سندھ میں اہلِ سنت والجماعت حنفی تھے اور ان کا غلبہ تھا، یاقوت نے لکھا ہے کہ سندھ والوں کے مذاہب میں غالب امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے[2]۔

عہدۂ قضا اور حدود وقصاص کا اجراء

ہباریوں کی دینداری اور امور مملکت میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ان کے یہاں باقاعدہ عہدۂ قضا قائم تھا، جہاں خالص دینی قوانین کی رو سے فیصلہ ہوتا تھا، حدود و تعزیرات جاری ہوتی تھیں، اور پوری مملکت میں اسلامی احکام نافذ تھے، ابودلف نے اپنے زمانہ کے حاکم منصورہ کے بارے میں لکھا ہے۔

ویقیم الحدود[3]، یہ حاکم حدود شرعیہ کو جاری کرتا ہے،

ہباریوں کی دینداری کا اثر ان کی غیر مسلم رعایا اور خواص پر

سندھ کی عام رعایا غیر مسلم اور بت پرست تھی، مگر ہباریوں کی دینداری اور حسن سیاست کی وجہ سے سب خوش تھے، ان کو اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں تھیں دور ہو گئیں بلکہ اسلام سے ایک گونہ محبت پیدا ہو گئی، اور بعض راجوں نے اسلام سمجھنے کی براہ راست کوشش کی، چنانچہ الور کے راجہ مہروق بن رائق نے ۲۷۰ھ، سلطان منصورہ عبداللہ بن عمر ہباری کو لکھ کر ایک عالم وفاضل کے ذریعہ قرآن اور اسلام کو سمجھا اور در پردہ اسلام لایا، اسی طرح

---

[1] احسن التقاسیم ص ۹۶، [2] معجم البلدان ج ۵ ص ۱۵۱ ذکر سندھ [3] ایضاً ج ۵ ص ۱۹۸۔

سنہ ۲۷۰ھ میں سندھ کا ایک راجہ مسلمان ہوا جس نے کعبہ کو نہایت گراں قدر نذرانۂ عقیدت پیش کیا،

شاہی لباس

ہباری حکمران باوجودیکہ سُنّی مسلمان تھے اور اسلامی احکام و قوانین پر شدت سے عمل کرتے کراتے تھے، لیکن رواداری کا یہ حال تھا کہ وہ ظاہری شکل وصورت اور شاہی لباس میں ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کے مشابہ تھے اور ان باتوں میں کوئی فرق نہیں تھا، اصطخری نے لکھا ہے:

وزيهم زيّ أهل العراق — منصورہ والوں کا طرز زندگی اور لباس وغیرہ اہل عراق

إلا أن زي ملوكهم يتارب — کے مانند ہے البتہ ان کے بادشاہوں کی ہیئت ہندوستان

زي ملوك الهند، من الشعور — کے راجوں سے قریب ہے، یعنی ان کے بھی بال لمبے

والقراطق[1] — ہوتے ہیں اور وہ بھی کرتے پہنتے ہیں۔

ہندوستان کے راجے مہاراجے سر پر لمبے لمبے بال رکھتے تھے اور کرتے پہنتے تھے، ہباری حکمران بھی اسی طرح بال رکھتے تھے اور کرتے پہنتے تھے۔

وزارت

کسی باقاعدہ اور بڑی حکومت کے لیے عہدۂ وزارت کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ سندھ ہباری حکمرانوں کے یہاں وزارت کا مستقل شعبہ تھا اور قابل اعتماد وزراء اس عہدہ پر ہوا کرتے تھے، مسعودی نے ۳۰۳ھ میں منصورہ میں ایک وزیر ریاح سے ملاقات کی تھی[2]،

سکے، اوزان اور محصول

ہباریوں کے عہد کے خاص سکے سندھ میں قاہریات کے نام سے مشہور تھے، یہ عام دراہم سے زیادہ قیمت کے ہوا کرتے تھے، یعنی ایک قاہری درہم میں پانچ عام درہم ہوتے تھے، ان کے علاوہ طاطری نام کا ایک سکہ رائج تھا، یہ ایک درہم، عام دو درہم کے برابر ہوتا تھا، اس میں تصویر بھی ہوتی تھی، ان دونوں

---

[1] مسالک الممالک ص ۱۰۳۔ [2] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۷۔

سکون یعنی قاہری اور طاطری کے علاوہ دینار کا بھی عام رواج تھا۔

ہباری حکومت کے پیمانوں اور اوزان کا ذکر نظر سے نہیں گذرا مگر مقدسی نے طوران کے مکی سیر کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہی سیر ملتان، سندھ (منصورہ) اور ہندوستان میں رائج تھا۔

وَمِنْھم بطوران مکی وکذلک	طوران کا سیر کی ہے، اور اسی طرح ملتان،
بالملتان والسند والھند[۱]	سندھ، اور ہندوستان میں کی سیر
	کا رواج ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ طوران میں کیجی نامی ایک پیمانہ رائج ہے جس میں مکی سیر چالیس سیر گیہوں آتا ہے، ایک کیجی گیہوں کی قیمت بسا اوقات چار سے آٹھ درہم تک ہوتی ہے اور ملتان میں مطل نامی ایک پیمانہ رائج ہے جس میں بارہ سیر گیہوں آتا ہے، غالباً یہی پیمانے منصورہ کی حکومت میں بھی رائج تھے۔

اسی طرح ہباری حکومت میں درآمد و برآمد پر کیا شرح محصول تھی؟ اس کا پتہ نہیں چلتا، البتہ قرب وجوار کی معاصر حکومتوں کی شرح محصول سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مقدسی نے لکھا ہے کہ طوران میں جب کوئی مال آتا جاتا ہے تو دونوں مرتبہ فی بار چھ درہم کے حساب سے محصول لیا جاتا ہے، اور غلاموں پر فی راس بارہ درہم ہے، اگر ہندوستان سے کوئی مال آتا ہے تو فی بار بیس درہم محصول ہوتا ہے، مگر سندھ سے آنے والے مال پر قیمت کے حساب سے محصول لگتا ہے، ایک عدد صاف کیے ہوئے چمڑے پر ایک درہم وصول کیا جاتا ہے۔[۲]

غالباً اسی قسم کی شرح محصول ہباریوں کے یہاں سندھ میں رائج رہی ہوگی، مگر اس کی تصریح نہیں ملتی۔

---

[۱] و [۳] احسن التقاسیم ص ۴۸۲۔ [۲] احسن التقاسیم ص ۴۸۲

حدودِ سلطنت اور مشہور مقامات

قدیم عرب جغرافیہ نویسوں کے بیان کے مطابق اقلیم سندھ کے مشرق میں بحر فارس، مغرب میں کرمان اور سجستان کا صحرا، شمال میں بلاد ہندوستان اور جنوب میں مکران اور بلوچستان کا درمیانی صحرا، واقع تھا، مقدسی بشاری نے اقلیم سندھ کو پانچ علاقوں میں تقسیم کر کے سندھ خاص کے یہ بڑے بڑے شہر بتائے ہیں منصورہ دار السلطنت، دیبل، زندریج، کدار، مایل، تنبلی، نیرون، قالری، اتری، بلری، مسواہی، بہرج، بانیہ، منجابری، سدوسان، الرور (اور سندھ) سوپارہ (متصل بمبئی) کیناس، چیمور (بمبئی)[۱] اصطخری نے بھی اقلیم سندھ میں ان ہی شہروں کو شمار کیا ہے، البتہ اس نے نیرون کے بجائے بیرون لکھا ہے اور سوپارہ وچیمور کو بلادِ سندھ میں شمار نہیں کیا ہے۔[۲]

سندھ کے اطراف میں آلِ ہبّار کی کئی معاصر خود مختار حکومتیں موجود تھیں، ملتان میں بنومنبہ، قصدار میں آل مغیرہ، اور مکران میں آل معدان حکمران تھے، مگر قلب سندھ پر آلِ ہبّار نے قبضہ کر کے ان تمام حکومتوں میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی؛

ہبّاری حکومت کی وسعت

ہبّاری حکومت کی وسعت کا اندازہ مسعودی کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ اس میں تین لاکھ دیہات اور بستیاں تھیں،

وجمیع ما للمنصورۃ بن الضیاع	حکومت منصورہ سے جن بستیوں اور دیہاتوں کا
والقریٰ مما یضاف إلیها ثلاث	تعلق ہے ان کی تعداد تین لاکھ ہے، جن میں کھیتی
مائۃ ألف قریۃ، ذات زروع	باڑی، درخت باغات اور ملے جلے دیہات اور
وأشجار وعمائر متصلۃ[۳]	آبادیاں ہیں۔

۱؎ احسن التقاسیم ص ۴۷۶ — ۴۷۷۔ ۲؎ مسالک الممالک ص ۱۷۱۔ ۳؎ مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۸۔

یہ تو خشکی اور آبادی کی وسعت تھی، بحری علاقوں کی وسعت کا حال یہ تھا کہ دیبل سے لیکر سوپارہ اور جیمور تک کا پورا ساحل ہباری حکمرانوں کے زیر نگیں تھا، اس طرح وہ سندھ کے تمام خشک و تر کے حاکم تھے، ابودلف نے یحییٰ بن محمد صاحب منصورہ کے بارے میں لکھا ہے:

ویملک السند کلہ، برہ وبحرہ[1] — وہ پورے سندھ پر مع خشک و تر کے قابض تھا۔

مقبوضہ علاقوں کی حیثیت

دولتِ ہباریہ منصورہ سندھ کے پورے خشک و تر علاقوں میں قائم تھی، اور کم از کم تین لاکھ دیہات اس میں پائے جاتے تھے، یہ بستیاں عام طور سے متصل تھیں اور ان کے درمیان زیادہ فاصلے نہیں تھے مگر بعض مقبوضہ مقامات منصورہ سے کافی دور اور دوسرے علاقوں میں تھے، جس طرح ہمارے زمانے میں بڑے زمیندار اور رئیس کی زمینیں اور جاگیریں مختلف علاقوں میں ہوتی تھیں اور اس کی بستی سے اس کے علاقے کافی دور ہوا کرتے تھے، چنانچہ منصورہ کا مقبوضہ شہر قہرج حدود سندھ سے باہر ہونے کے باوجود اس کے تابع تھا، اسی طرح جیمور اور سوپارہ ہندوستان میں داخل ہونے کے باوجود منصورہ سے متعلق تھے،

نیز دولتِ ہباریہ کے بعض مقبوضہ شہروں میں مقامی حکمران ہوا کرتے تھے، جو وہاں کے مستقل حاکم ہوتے مگر خراج ادا کرکے اور بعض دوسرے شرائط منظور کرکے مرکز منصورہ سے تعلق رکھتے تھے، جس طرح انگریزوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان میں ریاستیں تھیں اسی طرح دولتِ ہباریہ کے یہ ماتحت علاقے تھے، چنانچہ ساندھ کا شہر الور اسی اعتبار سے حکومت منصورہ میں شامل تھا کہ یہاں کے راجے اس کے ماتحت تھے اور ہباری حکمرانوں کی باجگذاری اور امان میں حکومت کرتے تھے، ان ہی میں مہروق بن رائق تھا جس نے اپنے ایک معاصر ہباری حکمران سے اسلام کے بارے میں معلومات چاہی تھی،

دولتِ ہباریہ کا دارالسلطنت منصورہ

سندھ میں بہنوا نامی ایک قدیم شہر تھا، جسے عرب

[1] معجم البلدان ج۵ ص ۴۱۹

سیاح اور جغرافیہ نویس اپنی اصطلاح میں برہمنا آباد لکھتے ہیں، آخر میں یہ شہر بالکل ویران ہو گیا تھا، اور یہاں جھاڑیاں تھیں، اسی ویرانہ اور جنگل سے دو فرسخ دور منصورہ شہر آباد کیا گیا جو بعد میں ہباری حکمرانوں کا دار السلطنت بنا، یہ شہر قدیم جغرافیہ نویسوں کی مساحت کے اعتبار سے اقلیم سوم میں واقع تھا، اور مغربی سمت سے اس کا طول البلد ترانوے ۹۳ درجہ، اور جنوبی سمت سے عرض البلد بائیس ۲۲ درجہ تھا، دریائے سندھ سے نکلی ہوئی ایک خلیج اس شہر کو تین طرف سے اس طرح گھیرے ہوئی تھی کہ جزیرہ نما بن گیا تھا، اگرچہ اطراف وجوانب کی آب وہوا معتدل تھی مگر خود شہر منصورہ بہت گرم تھا، پینے کے لئے پانی دریائے سندھ کی اسی خلیج سے حاصل کیا جاتا تھا، یہاں پر پسّو بہت زیادہ تھے، اطراف میں کھجور اور گنے کی پیداوار بہت زیادہ تھی میوہ جات نہیں تھے، البتہ لیموں اور آم کثرت سے ہوتے تھے، یہاں سے ملتان بارہ مرحلہ پر، اور طوران پندرہ مرحلہ پر واقع تھا۔

منصورہ کب آباد ہوا؟ کس نے آباد کیا؟ اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ ان کے بارے میں اختلاف ہے، بلاذری کی روایت جو زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ عراق کے گورنر خالد بن عبد اللہ قسری نے حکم بن عوانہ کلبی کو ۱۰۵ھ میں سندھ کی حکومت دے کر روانہ کیا، یہاں آنے پر محمد بن قاسم ثقفی کے صاحبزادے عمرو بن قاسم حکم کے ساتھ ہو کر اس کے معتمد بن گئے، حکم نے حکومت کے بڑے بڑے معاملات ان کے سپرد کر دیئے، اور غزوات میں ان کو افسر بنایا، یہ خلیفۂ اموی ہشام کا زمانہ تھا، حکم نے پہلے سندھ میں محفوظہ نامی شہر آباد کر کے اس کو اپنا مستقر بنایا، اور وہیں سے عمرو بن محمد بن قاسم کی قیادت میں جنگی سرگرمی شروع کی اور فتح وکامرانی کے بعد دریائے سندھ کے بحیرہ کے پیچھے ایک اور شہر آباد کر کے اس کا نام منصورہ رکھا، بعد میں محفوظہ کے بجائے یہی منصورہ اموی حکام، پھر عباسی حکام کا مستقر ومرکز بن گیا اور مرکز خلافت بغداد کے گورنر یہیں مستقل رہنے لگے[1]

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۱۔

اور جب ہباری حکمرانوں نے سندھ میں خلافت کے زیر سایہ اپنے استقلال کا اعلان کیا تو اسی شہر منصورہ کو انھوں نے بھی اپنا پایہ تخت قرار دیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور کے زمانہ میں سندھ کے عامل عمرو بن حفص ہزار مرد نے یہ شہر آباد کر کے خلیفہ منصور کے نام پر اس کا نام منصورہ رکھا، مگر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی، مسعودی کا بیان ہے کہ سندھ کے اموی عامل منصور بن جمہور کے نام پر اس کا نام منصورہ رکھا گیا۔ مگر منصور بن جمہور کی آمد سے پہلے منصورہ آباد ہو چکا تھا، چنانچہ اس نے منصورہ ہی میں رہ کر عباسی خلافت کے خلاف سرکشی کی تو ۱۳۴ھ میں ابوالعباس سفاح نے اس کی سرکوبی کے لیے موسیٰ بن کعب تمیمی کو سندھ کا مستقل حاکم و عامل بنایا گیا۔ اس نے سب سے پہلے منصورہ کی مرمت کرائی اور یہاں کی مسجد کو وسیع کیا۔[1]

مقدسی بشاری ہباری سلطنت کے زوال سے تقریباً چالیس سال پہلے منصورہ آیا تھا، اس نے اس شہر کی عظمت و وسعت کو یوں بیان کیا ہے کہ منصورہ سندھ کا دار السلطنت اور اس اقلیم کا سب سے بڑا شہر ہے، اس کی وسعت دمشق کے برابر ہے، مکانات لکڑی اور مٹی کے ہیں، جامع مسجد بازاروں کے وسط میں واقع ہے جو پتھر اور اینٹ سے بنی ہوئی ہے، اس کے ستون ساگوان کے ہیں، اور لمبائی چوڑائی میں عمان کی جامع مسجد کے برابر ہے۔ شہر منصورہ کے چاروں طرف چار دروازے ہیں:

(۱) باب البحر (۲) باب طوران (۳) باب سندان اور (۴) باب ملتان، یہاں کے باشندوں میں بڑی شرافت و مروت اور اسلامی معاملات و امور میں بڑی تازگی و شگفتگی ہے، علم اور اہل علم کی کثرت ہے، لوگ فہیم و ذکی ہیں، صدقات و خیرات کی کثرت ہے، یہاں کی تجارت میں نفع ہے، ساتھ ہی یہاں حسن اخلاق بھی پایا جاتا ہے۔[2]

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۱۔ [2] احسن التقاسیم ص ۴۷۹۔

منصورہ اور اس کے اطراف کی زبان عربی تھی، اسی کے ساتھ سندھی زبان بھی رائج تھی، الغرض تقریباً ۱۰۵ھ سے ۴۱۶ھ تک سندھ کا یہ اسلامی شہر مسلم حکمرانوں کا مرکز اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا مظہر رہا، مگر ہباری حکمرانوں کے دن پورے ہونے کے ساتھ اس کی شان و شوکت کے دن بھی پورے ہو گئے، ویسے منصورہ کسی نہ کسی شکل میں ۶۴۳ھ تک باقی رہا، آئین اکبری میں ہے کہ سندھ کے مشہور شہر بھکر ہی کا پرانا نام منصورہ تھا،[1]

دیبُل

منصورہ کے بعد دولت ہباریہ کا دوسرا بڑا شہر دیبل ساحل سمندر پر واقع تھا یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ شہر اقلیم دوم میں ہے، مغربی سمت سے طول البلد بانوے درجہ اور بیس[20] دقیقہ ہے، اور جنوبی سمت سے عرض البلد چوبیس[24] درجہ اور تیس[30] دقیقہ ہے، یہ تجارتی بندرگاہ ہے، لاہور اور ملتان کے دریا اس کی طرف بہ کر جاتے ہیں اور بحر عرب میں گرتے ہیں، یہاں بڑے بڑے علماء و محدثین قرّاء اور عبّاد و زہّاد گذرے ہیں رواۃ حدیث کی ایک جماعت دیبل کی طرف منسوب ہو کر دیبلی کہلاتی ہے،[2] قلقشندی کا بیان ہے کہ یہاں سے متاعِ دیبلی دوسرے ممالک کو لے جائے جاتے ہیں، تقویم البلدان میں ہے کہ یہاں انسی بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے، اور یہاں پر بصرہ سے کھجور آتی ہے،

بلاذری کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۱۵ھ میں عمان اور بحرین کے حاکم حضرت مغیرہ بن ابو العاص ثقفی رضؓ نے اپنے بھائی عثمان بن ابو العاص ثقفی رضؓ کو خلیج دیبل پر چڑھائی کے لیے بھیجا جہاں ان کی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی اور نتیجہ کے طور پر ان کو فتح و ظفر ہوئی۔[3] اس روایت کو حموی نے بھی بیان کیا ہے۔[4]

حضرت محمد بن قاسم ثقفیؒ نے مکران میں چند دن قیام کر کے قنز پور کو فتح کیا، پھر ارمائیل کو فتح کر کے جمعہ کے دن دَیبُل پہنچے اور شہر کے گرد اگرد خندق کھود کر نیزوں پر جھنڈے لہرائے اور منجنیق نصب کی، دیبل میں بہت بڑا بت خانہ تھا جس پر بہت بڑا جھنڈا

---

[1] آئین اکبری ج ۱ ص ۱۲۰۔ [2] معجم البلدان ج ۴ ص ۱۱۸۔ [3] فتوح البلدان ص ۴۲۰۔ [4] معجم البلدان ج ۳ ص ۱۸۱۔

لہراتا تھا، آپ نے سب سے پہلے اسی جھنڈے کو مار گرایا جس سے کفار کے دل ٹوٹ گئے پھر بھی انھوں نے نکل کر مقابلہ کیا، مگر ان کو ہزیمت اٹھانی پڑی، مسلمان شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے، اور راجہ داہر کا نائب حاکم یہاں سے بھاگ کھڑا ہوا، محمد بن قاسم نے یہاں چار ہزار مسلمانوں کو آباد کیا اور ایک مسجد بنائی۔[1]

خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ میں سندھ کے حاکم عنبسہ بن اسحاق ضبی نے دیبل کے بتخانہ کے سب سے اونچے منارہ کو منہدم کر کے اسی میں جیل خانہ بنوایا، اور اسی منارہ کے پتھروں سے شہر دیبل کی مرمت کرائی، مگر اس کی تکمیل سے پہلے وہ معزول ہو گیا اور اس کی جگہ ہارون بن ابو خالد مروزی حاکم بن کر آیا۔[2]

ہباری دور حکومت میں دیبل ایک مرتبہ بڑے خطرناک اور تباہ کن زلزلہ سے دوچار ہوا، اس کی تفصیل علامہ ابن جوزیؒ نے کتاب المنتظم میں یوں بیان کی ہے کہ ۲۸۰ھ میں دیبل سے دار الخلافہ بغداد میں خبر آئی کہ ۱۴ شوال کو دیبل میں چاند گرہن ہوا، جو رات کے آخری حصہ میں ختم ہوا، اس کے بعد صبح ہوتے ہوتے دنیا ظلمت کدہ بن گئی اسی عالم میں عصر کے وقت نہایت تند و تیز کالی آندھی اٹھی جو تہائی رات تک جاری رہی، اس کے بعد ہی دیبل میں ایسا تباہ کن اور شدید زلزلہ آیا کہ صبح تک پورا شہر یوں نیست و نابود ہو گیا کہ صرف سو مکانات کے قریب بچ سکے، باقی پورا شہر گر کر کھنڈر بن گیا، پوری آبادی زندہ دفن ہو گئی، اس حادثہ کی خبر بغداد میں ذوالحجہ میں پہنچی، اس وقت تک ملبہ سے تیس ہزار لاشیں نکال کر دوسری جگہ دفن کی جا چکی تھیں، اس تباہی کے بعد بھی پانچ مرتبہ زلزلہ آیا، اور ایک خبر کے مطابق ملبہ سے ڈیڑھ لاکھ لاشیں نکالی گئیں۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی تاریخ الخلفاء میں دیبل کے اس مہلک زلزلہ کا مختصر تذکرہ کیا ہے، یہ خلیفہ معتضد عباسی کا دور خلافت تھا۔[3]

دیبل، منصورہ کے بعد سندھ میں اسلامی علوم و فنون اور رجال اسلام کا دوسرا مرکز بنا

[1] فتوح البلدان ص ۴۴۲ و ص ۴۴۵ ۔ [2] ایضاً ص ۴۴۵ [3] کتاب المنتظم ج ۵ ص ۱۴۳ و تاریخ الخلفاء، ذکر معتضد،

دیبل کو بعد میں ٹھٹھ کہتے تھے جو موجودہ کراچی کے پاس ہے۔

بوقان یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ بوقان سرزمین سندھ کا شہر ہے، بلاذری کی روایت کے مطابق زیاد بن ابیہ نے ابوالاشعث منذر بن جارود عبدی کو ثغر ہند کا حاکم مقرر کیا تو انھوں نے بوقان اور قیقان میں جنگ کی اور مسلمانوں نے فتح وظفر پاکر غنیمت حاصل کی، اس کے بعد عبیداللہ بن زیاد نے حری ابن حری باہلی کو والی بناکر بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں ان بلاد وامصار پر مسلمانوں کو فتح دی، ایک روایت کے مطابق سنان بن سلمہ بن محبق ہذلیؓ کے ساتھ حری بن حری اسلامی فوج کے امیر بن کر آئے تھے، ایک شاعر نے حری بن حری باہلی کی ان جنگی خدمات کا یوں تذکرہ کیا ہے:

لولا طعانی بیوقان ما رجعت   منہ سرایا ابن حری باسلاب

اگر میں بوقان کی جنگ میں نیزہ بازی نہ کرتا تو ابن حری کی فوجیں مال غنیمت لے کر واپس نہ ہوتیں،

تیسری صدی میں بوقان میں مسلمانوں کی آبادی تھی، خلیفہ معتصم کے زمانہ میں عمران بن موسیٰ برمکی نے بوقان ہی میں بیضا نامی شہر آباد کیا تھا[1]، بوقان مرکزی شہر تھا اور یہاں سے کئی علماء ومحدثین اٹھے ہیں،

قیقان قیقان گیگان کا معرب ہے، یہ قلات وغیرہ کے علاقہ کا نام تھا اور سندھ میں شامل تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۳۸ھ اور ۳۹ھ کے درمیان آپ کی اجازت سے حارث بن مرہ عبدیؓ ہندوستان کے علاقہ پر حملہ آور ہو کر فاتح وغانم ہوئے، مگر ۴۲ھ میں حارث اور ان کے ساتھی قیقان میں شہید کر دیئے گئے، اس کے بعد ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے یہاں جنگ کی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عبداللہ بن سوار عبدی نے قیقان پر حملہ کر کے فتح پائی اور حضرت معاویہ کی خدمت میں حاضر ہو کر قیقانی گھوڑے اور دوسرے ہدایا پیش کئے۔ پھر

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۳۔

واپس آکر یہاں حملہ کیا مگر اب کے بار شہید کر دیئے گئے، اور کفار کا غلبہ ہو گیا۔[1]

سیوستان

یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ سیوستان سندھ کا ایک بڑا علاقہ ہے جو ہندوستان کی سرحد پر دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے یہ بہت بڑا شہر بھی ہے اور اس کی آمدنی بہت زیادہ ہے، اس میں بہت سے شہر اور قریات ہیں، پہلے زمانہ میں یہاں الور کے راجوں کی حکومت تھی، اسے سیوان، سہوان، سیستان بھی کہتے ہیں، یہ نام سندھ کے ایک حاکم کے نام پر ہے۔

الرور (الور)

الور سندھ کا قدیم شہر تھا جو اپنے راجاؤں کی راجدھانی تھا، اور یہاں پرائے خاندان کی حکومت تھی، عرب اس کو عام طور سے الرور لکھتے ہیں، یہ شہر دریائے سندھ کے ساحل پر باغات اور چشموں کے درمیان بڑے پُر فضا مقام پر واقع تھا، الور کی حکومت قدیم زمانہ میں بہت بڑی تھی، مشرق میں کشمیر و قنوج تک، مغرب میں مکران دیبل اور ساحل سمندر تک، جنوب میں گجرات اور سورت تک اور شمال میں قندھار، کرمان، جبل سلیمان اور گیگان (قلات) تک اس کی عملداری تھی،

بلاذری کا بیان ہے کہ جب محمد بن قاسم الرور (الور) اور لغرور کی تسخیر کے لیے چلے تو درمیان میں ساوندری کے باشندوں نے نکل کر امان چاہا، آپ نے ان کو امان دے کر ان کے ذمہ مسلمانوں کی خاطر تواضع اور رہنمائی سپرد کی، ساوندری میں تیسری صدی ہجری تک مسلمان موجود تھے، یہاں سے محمد بن قاسم بسمد کی طرف بڑھے تو وہاں کے لوگوں نے بھی ساوندری والوں کی طرح امن و صلح پر معاملہ طے کر لیا، اس کے بعد آپ الور پہنچے جو سندھ کا ایک پہاڑی شہر ہے، کئی ماہ تک اس کا محاصرہ رہا، آخر میں اس شرط پر فتح ہوئی کہ نہ اہلِ الور کو قتل کیا جائے گا، اور نہ ان کے بُت خانہ سے تعرض کیا جائے گا، محمد بن قاسم نے یہ شرط منظور کر کے مقامی باشندوں پر خراج لگایا، اور ایک مسجد تعمیر کی[2]

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۱۔ [2] ایضاً ص ۴۲۶۔

نیز یہاں ایک خطیب مقرر کیا جس کے خاندان میں یہ عہدہ کئی صدیوں تک جاری رہا ہباری دورِ حکومت میں الور بہت ہی بڑا بارونق اور مرکزی شہر تھا، ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ شہر وسعت میں ملتان کے برابر ہے اس کے گرداگرد دوہری شہر پناہ ہے اور دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے، وزیر مہلبی کے حوالہ سے ابوالفدار نے تقویم البلدان میں الور کے حکومت منصورہ کی ماتحتی میں ہونے کی تصریح کی ہے اور یہ کہ یہاں کے عام باشندے مسلمان تھے:

و أهلها مسلمون فی طاعة صاحب المنصورة[۱]	الور کے مسلمان منصورہ کے بادشاہ کی اطاعت کرتے ہیں۔

اسی کے ایک راجہ نے عبداللہ بن عمر ہباری کے دور میں اسلام فہمی کے لئے منصورہ سے ایک عالم دین کو طلب کیا تھا الور کو عربی کتابوں میں الرور، الرّا، اور ازور لکھا گیا ہے، یہ مقام سندھ کے موجودہ شہر سکھر کے پاس تھا۔

بیرون یا نیرون بیرون بھی سندھ کے بڑے شہروں میں سے دیبل اور منصورہ کے درمیان واقع تھا، قلقشندی نے لکھا ہے کہ بیرون دیبل کی عملداری میں منصورہ کے قریب واقع ہے، اقلیم دوم میں اس کا طول البلد چورانوے ۹۴ درجہ اور تیس ۳۰ دقیقہ ہے اور عرض البلد چوبیس ۲۴ درجہ اور پینتالیس ۴۵ دقیقہ ہے یہ بحر عرب کی ایک خلیج پر ہونے کی وجہ سے تجارتی بندرگاہ تھا۔ شہر دیبل سے چار مرحلہ پر اور منصورہ سے پندرہ فرسخ پر تھا، یہ بھی محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہوا، جب آپ بیرون آئے تو یہاں کے باشندوں نے اپنے دو نمائندوں کو بھیجکر صلح کی بات چیت کر لی اور ان کو اپنے شہر کے اندر لے گئے اور شرائط صلح کو پورا کرتے ہوئے بڑی تعظیم و تکریم کی[۲]

ہباری حکمرانوں کے دور میں یہ شہر بھی مسلمانوں کا مرکزی مقام تھا، یہاں نہایت

[۱] تقویم البلدان ذکر السند [۲] فتوح البلدان ص ۴۲۵۔

مضبوط قلعہ بھی تھا، اور عام باشندے مسلمان تھے، وزیر مہلبی نے لکھا ہے

وأهلها مسلمون — بیرون کے باشندے مسلمان ہیں۔

کئی مورخوں اور سیاحوں نے اس کا نام بیرون کے بجائے نیرون بتایا ہے، یہ شہر موجودہ حیدرآباد سندھ کے پاس تھا۔

بانیہ — یہ چھوٹا سا شہر منصورہ کے جنوب میں قامہل کی طرف ایک مرحلہ پر واقع تھا، اسی شہر میں آل ہبار کا مورثِ اعلیٰ عمر بن عبدالعزیز مقیم تھا، اور یہ اس کا آبائی وطن تھا، وہ خود مختار ہوکر منصورہ کو پایۂ تخت قرار دینے کے بعد بھی بانیہ کے آبائی مکان میں رہتا تھا۔ مگر اس کے لڑکے عبداللہ بن عمر ہباری نے منصورہ کو اپنا مستقل وطن بھی بنالیا اور اسی زمانہ سے منصورہ ہباریوں کا مستقل وطن ہوگیا۔

سدوسان — یہ شہر دریائے سندھ کے مغرب میں واقع تھا اور منصورہ سے بلاد بدھ جاتے ہوئے درمیان میں پڑتا تھا، یہ بھی محمد بن قاسم کے زمانہ میں فتح ہوا ہے، صورت یہ ہوئی، محمد بن قاسم نے محمد بن مصعب بن عبدالرحمٰن ثقفی کو چند شہسواروں اور فوجوں کے ساتھ سدوسان کی طرف روانہ کیا، اہل شہر نے خبر پاکر امان اور صلح چاہی، اور محمد بن مصعب اور اہل سدوسان کے درمیان سندھ کے سُمنی لوگوں نے بات چیت کی، جس کے نتیجہ میں محمد بن مصعب نے امان دیتے ہوئے ان پر خراج عائد کیا، اور رہن کے طور پر یہاں کے جاٹوں کو اپنے پاس رکھا، چنانچہ جس وقت وہ یہاں سے محمد بن قاسم کے پاس پہنچا تو اس کے ہمراہ چار ہزار جاٹ تھے جو بعد میں محمد بن قاسم کی فوج میں شامل ہوگئے، محمد بن قاسم نے اس کے بعد سدوسان میں اپنے ایک آدمی کو حاکم مقرر کیا،[1]

ہباری دور میں سدوسان بہت سرسبز و شاداب شہر تھا۔ اس کے آس پاس بہت سے گاؤں تھے، لوگوں میں خوش حالی تھی اور یہاں بازار بھی تھے۔

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۵۔

بہرج
یہ سندھ کے مشہور شہروں میں سے تھا، اصطخری نے لکھا ہے کہ مسواہی، بہرج اور سدوسان یہ تینوں شہر دریائے سندھ کے مغرب میں واقع ہیں، مقدسی بشاری نے اسے منصورہ کی سلطنت میں شمار کیا ہے، یاقوت حموی نے اصطخری کے حوالے سے فارس اور بصرہ کے فہرج نامی شہروں کا تذکرہ کیا، نیز بہرہ کے نام سے مکران کے ایک شہر کا ذکر کیا ہے مگر تعجب ہے کہ سندھ کے شہر بہرج کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اتری اور قلری
یہ دونوں شہر دریائے سندھ کے مشرق میں ساحل سے بہت دور واقع تھے، منصورہ سے ملتان جاتے ہوئے راستے میں پڑتے تھے، اتری سے قلری دو مرحلہ پر تھا، اور قلری سے منصورہ ایک مرحلہ پر تھا۔

بُلری
یہ شہر دریائے سندھ کے مغرب میں واقع تھا اور اس خلیج سے متصل تھا جو دریائے سندھ سے نکل کر منصورہ کی پشت سے گذرتی ہے۔

منجابری
دریائے سندھ کے مغرب میں منصورہ کے سامنے تھا، اور دیبل سے منصورہ کے لیے منجابری سے ہوکر جانا پڑتا تھا۔

بنبلی
یہ دریائے سندھ کی خلیج کے پاس ایک مقام تھا، اس کی شہرت بحری تاجروں اور سیاحوں کے یہاں زیادہ تھی۔

راہوق
یہ سندھ کا ایک علاقہ ہے۔ جو منصورہ سے ملا ہوا ہے، یہاں کھیتی باڑی بہت ہوتی ہے، مویشی بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں البتہ پھل معمولی مقدار میں ہوتے ہیں۔

بغرور
یہ شہر الور کے قریب تھا، سندھ کی اسلامی فتوحات میں اس کا ذکر موجود ہے، اور جب محمد بن قاسم برہمناباد (منصورہ) سے نکلے تو الور اور بغرور دونوں کو فتح کرنے کے ارادے سے چلے تھے[1]۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۶۔

تتّہ	یہ شہر بھی دیبل کی طرح ساحلِ سمندر پر واقع تھا، اور اپنی موقعیت کے اعتبار سے کافی اہمیت رکھتا تھا۔
قبیلا	سندھ کا ایک شہر ہے جو دیبل سے چار مرحلہ کی دوری پر واقع تھا۔
تنبلی	یہ شہر ساحل سمندر پر واقع ہے، اس میں قلعہ بھی ہے، یہاں مسلمانوں کی آبادی کم ہے، اسی طرح بڑے بڑے تاجروں کی آبادی بھی بہت کم ہے؛
کیفانہ	سندھ کا مشہور شہر جو سمندر سے دو فرسخ کی دوری پر تھا، یہاں سے قامہل چار مرحلہ اور سندان تقریبًا پانچ مرحلہ پر تھا، غالبًا اسی کو گنتیانہ کہتے ہیں جو آجکل سوراشٹر اور کاٹھیاوار میں ایک مشہور مقام ہے۔
مسواہی	یہ شہر بھی دریائے سندھ کے مغرب میں واقع تھا۔
سوپارہ اور چیمور	یہ دونوں شہر منصورہ سے بہت دور مہاراجگانِ گجرات کی عملداری میں واقع تھے، اور آج کل بمبئی کے حصے ہیں مقدسی نے حدود ۳۷۵ھ میں ان دونوں کو منصورہ کی حکومت میں شمار کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں ساحلی شہر بھی کسی نہ کسی حیثیت سے منصورہ سے متعلق تھے، اور چوتھی صدی میں ان کا شمار سندھ میں ہوتا تھا۔ ان دونوں مقامات کا تذکرہ دولتِ ماہانیہ سندان میں موجود ہے۔

مسعودی کے بیان کی رو سے دولت ہباریہ منصورہ کے ماتحت تین لاکھ قصبات ودیہات تھے۔ جن میں سے چند مقامات کے یہ نام پیش کیے جا سکے ہیں، باقی سب کے سب تاریخ کے آثار قدیمہ کی نذر ہو کر یوں نیست ونابود ہو چکے ہیں کہ تاریخ کے صفحات پر بھی ان کے نام تک باقی نہ رہ سکے۔

منصورہ اور دیبل سے مختلف شہروں کی مسافت

منصورہ سے دیبل چھ مرحلہ

منصورہ سے	ملتان	بارہ مرحلہ
منصورہ سے	طوران	پندرہ مرحلہ
منصورہ سے	حدود بدھ	پانچ مرحلہ
منصورہ سے	قندابیل	آٹھ مرحلہ
منصورہ سے	قامہل	آٹھ مرحلہ
منصورہ سے	قلری	ایک مرحلہ
منصورہ سے	بانیہ	ایک مرحلہ
منصورہ سے	قزدار (قصدار)	اسی فرسخ
منصورہ سے	اثری	تین مرحلہ
منصورہ سے	الور	چھ مرحلہ

مقدسی نے لکھا ہے کہ منصورہ سے ملتان کے راستے میں چالیس فرسخ تک دیہاتوں اور آبادیوں سے گذرنا ہوتا ہے اور تمام راستہ پرامن ہے، اس کے بعد ایک سو فرسخ ایک ایسا صحرا رطے کرنا پڑتا ہے جس میں آبادی بہت کم ہے۔

دیبل سے	قنبلی	چار مرحلہ
دیبل سے	بیرون	" "
دیبل سے	ارمائیل	" "[1]

واضح ہو کہ ایک دن کی مسافت کو ایک مرحلہ کہتے ہیں، ایک فرسخ بارہ ہزار ذراع کا ہوتا ہے، ایک ذراع چوبیس انگلی کا، اور ایک انگلی چھ جَو کی ہوتی ہے، اور ایک فرسخ کے تہائی حصّہ کو ایک میل کہتے ہیں،

[1] ان اعداد و شمار کے لیے ملاحظہ ہو مسالک الممالک ص ۱۷۸، و ص ۱۷۹، اور احسن التقاسیم ص ۴۸۶۔

طبعی حالات، پیداوار، تجارت اور باشندے

طبعی حالات اقلیم سندھ مجموعی اعتبار سے حار تھا، بعض علاقوں کی آب و ہوا معتدل تھی، سردی، گرمی اور برسات تینوں موسم تھے، خاص طور سے منصورہ کی ہوا نرم اور بارش معتدل وخوشگوار تھی، کبھی کبھی بارش زیادہ ہوتی تھی، پورے سندھ میں جاڑے میں ایک قسم کی بارش ہوتی تھی جسے بسار کہتے تھے، سارا علاقہ ریگستانی اور پہاڑی تھا، الور بھی پہاڑی علاقہ تھا، کوئی بحیرہ نہ تھا، منصورہ اور اطراف سے باشندے بڑے تن و توش اور قد وقامت کے تھے۔

دریا اور ندیاں ہماری حدود سلطنت میں بحر فارس جسے عرب بحر عرب بھی کہتے ہیں سندھ سے گذرتا ہوا ساحل گجرات اور جیمور و سوپارہ تک چلا گیا ہے اور تیز مکران سے مشرق کی طرف مڑتا ہوا دیبل کے قریب سے گذرا ہے، جہاں دریائے سندھ جسے عرب مہران کہتے ہیں سمندر میں مل جاتا ہے، دریائے سندھ یہاں کا سب سے بڑا دریا ہے، جو مصر کے دریائے نیل کے مشابہ ہے، اس کا پانی نہایت شیریں ہے، یہ ملتان کی طرف سے ہوتا ہوا منصورہ کے پاس سے بہتا ہے اور دیبل کے قریب سمندر میں گرجاتا ہے، اس کے پورے ساحل پر سیلاب کے زمانہ میں دونوں طرف کھیتیاں ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ ملک میں ایک اور دریا سندرود کے نام سے بہتا ہے جو ملتان سے تین مرحلہ پر ہے، اس کا پانی بھی شیریں ہے؛ یہ دریائے سندھ میں گرتا ہے، دیبل کے پاس ایک خلیج ہے جسے خور دیبل کہتے ہیں۔ اس خلیج سے عہد فاروقی میں ۱۵ھ میں حضرت مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی رضؓ نے دیبل پر حملہ کیا تھا، نیز ایک اور خلیج ہے جو دریائے سندھ سے نکلی ہے۔ اس کے قریب ساحل پر بنسلی نامی ایک مقام ہے، اسی طرح شہر منصورہ کے تین طرف ایک خلیج ہے جو دریائے سندھ سے نکلی ہے۔

پیداوار اور مویشی اقلیم سندھ کا ہماری علاقہ سرسبز و شاداب تھا، کہیں کہیں ریگستانی

اور پہاڑی علاقے بھی تھے، چاول، ہر قسم کی کھجور، گنّا، آم، لیموں، نارجیل، کیلا، شہد، السی وغیرہ...... کی پیداوار بہت زیادہ تھی، ہری بھری چراگاہیں اور مویشی تھے، منصورہ کی بھینسیں اور سندھ کا پالا اونٹ بہت مشہور تھا، بڑے بڑے باغات اور سر سبز درخت تھے طرح طرح کی دوائیں اور جڑی بوٹیاں بھی پیدا ہوتی تھیں، مسعودی نے لکھا ہے کہ دریائے سندھ ملتان کی طرف سے مملکت ہبّاریہ کے پورے علاقہ سے گذر کر دیبل کے قریب سمندر میں گرتا تھا، اس پورے علاقہ میں سیلاب کے زمانہ میں دونوں کناروں پر کھیتیاں ہوتی تھیں، مقدسی کا بیان ہے کہ سندھ میں بڑی بڑی چراگاہیں ہیں اور مویشیوں کی کثرت ہے، البتہ یہ چراگاہیں ہری بھری نہیں ہیں، یہاں آم، لیموں، ہر قسم کی کھجور کیلا اور چاول ہوتا ہے، جیمور اور کھمبائت سر سبز و شاداب علاقے ہیں، ان میں آبادیاں ہیں بہت زیادہ ارزانی ہے، نیز یہ علاقے چاول اور شہد کی کان ہیں، اصطخری نے سندان وجیمور کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ علاقے بہت وسیع اور ہرے بھرے ہیں، ان میں ناریل، کیلے اور آم پیدا ہوتے ہیں شہد بھی بہت زیادہ پایا جاتا ہے، البتہ کھجور نہیں ہے، حدود منصورہ میں راہوق نامی مقام میں کوئی پیداوار نہیں ہے مگر یہاں جانور اور مویشی بہت زیادہ پائے جاتے ہیں، خاص منصورہ کے متعلق مقدسی کا بیان ہے کہ یہاں کی بھینسیں بہت بڑی بڑی اور فربہ ہوتی ہیں، گنے کی پیداوار بہت زیادہ ہے، پھلوں میں آم اور لیموں کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا، اصطخری نے منصورہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں اشیاء کی قیمتیں بہت کم ہیں اور شادابی ہے، اقلیم سندھ کی خاص پیداوار جو دنیا بھر میں مشہور رہی یہ ہیں آم، لیموں، کھمبائت کے بنے ہوئے عمدہ جوتے اور پالہ اونٹ جن کو صرف بادشاہ استعمال کرتے ہیں[1]۔

آم اور لیموں سندھ کی مخصوص اور مشہور چیزوں میں آم، لیموں، کھمبائت کے جوتے

[1] ملخص از مسالک الممالک، مروج الذہب و احسن التقاسیم۔

اور پالہ اونٹ تھے، جو پورے عالم اسلام میں ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے تھے، آم کا تذکرہ ابن حوقل، اصطخری اور مقدسی نے کیا ہے، اصطخری نے منصورہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہاں ایک پھل سیب کے برابر ہوتا ہے جسے لیمونہ (لیموں) کہتے ہیں، یہ بہت ہی ترش ہوتا ہے، ایک اور میوہ خوخ (شفتالو) کے مانند ہوتا ہے جسے انبج (انبہ، آم) کہتے ہیں، اس کا مزا بھی خوخ ہی کی طرح ہوتا ہے[1]۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ سندھ کے دو خاص پھل ہیں ایک لیمونہ، یہ مشمش کے مانند اور بہت ہی ترش ہوتا ہے، دوسرا خوخ کے مانند ہے، اسے انبج کہتے ہیں، یہ لذیذ پھل ہے[2]۔

ہندوستان میں یہ پھل کس طرح استعمال ہوتا تھا اور اسے کیسے کھایا جاتا تھا؟ یہ دل چسپ بات ہے، صاحب لسان العرب نے لکھا ہے کہ انبج ہندوستان میں ایک درخت کا پھل ہوتا ہے، خوخ کی طرح شہد میں اس کا مربہ بنایا جاتا ہے، یہ خوخ کے مانند ہوتا ہے اس کا سرا منحرف ہوتا ہے، آم عراق میں لایا جاتا ہے۔ اس میں خوخ کی طرح گٹھلی ہوتی ہے، اسی لفظ انبج سے انبجات ان چیزوں کو کہتے ہیں جو اترج (لیموں)، اور ہلیلہ (ہڑ) وغیرہ سے شہد کے اندر مربہ بنائی جاتی ہیں، ابو حنیفہ دینوری کا بیان ہے کہ سرزمین عرب کے اندر نواحی عمان میں آم کے درخت بہت زیادہ ہیں، اس کے پودے لگائے جاتے ہیں، آم دو قسم کا ہوتا ہے، ایک میٹھا جو شروع ہی سے میٹھا ہوتا ہے اور اس کا پھل لوز (بادام) کی شکل کا ہوتا ہے، اور دوسرا کھٹا یا اجاس (آلو بخارا) کی شکل کا ہوتا ہے اور شروع میں کھٹا ہوتا ہے، مگر پک جانے کے بعد میٹھا ہو جاتا ہے، ان دونوں قسم کے آموں میں گٹھلی اور خوشبو ہوتی ہے، ان میں کچے اور کھٹے آموں کو گڑھوں میں بند کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ پک جاتے ہیں، اس وقت وہ خوشبو اور لذت میں کیلے کے مانند ہو جاتے ہیں، آم کا درخت بڑھ کر جوز (اخروٹ) کے درخت کے

---

[1] مسالک الممالک ص ۳۰، [2] احسن التقاسیم ص ۴۸۲۔

برابر ہوجاتا ہے اور اس کا پتہ بھی اس کے پتہ کے مشابہ ہوتا ہے، جب آم پک جاتا ہے تو میٹھا زرد رنگ کا ہوجاتا ہے اور آدھ کچا آم سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔[۱]

نارنگی اور امرود

مسعودی نے لکھا ہے کہ تیسری صدی کے بعد ہندوستان سے نارنگی اور امرود کے درخت باہر گئے، اور سب سے پہلے ان کی کاشت سندھ کے قریب عمان میں کی گئی، پھر بصرہ، عراق اور شام وغیرہ میں ان کے درخت پھیلے، یہاں تک کہ شامی علاقوں اور شہروں مثلاً طرسوس، انطاکیہ، سواحلِ شام، فلسطین اور مصر میں لوگوں کے گھروں میں ان کے درخت کثرت سے لگ گئے، چونکہ ان کی دیکھ بھال جیسی چاہیئے تھی نہ ہوسکی اور نہ ہی ان کی باغبانی کا طریقہ معلوم تھا، اس لیے نارنگی کی وہ خوشبو اور خوش رنگی جو ہندوستان میں تھی ختم ہوگئی، نیز ان مقامات میں وہ آب و ہوا، مٹی، پانی اور جگہ کی خصوصیت نہیں تھی، جو اس کے لیے ہندوستان میں میسر تھی۔[۲]

تمر ہندی یعنی املی

تمر ہندی یعنی املی کو عربی میں حمر اور حومر بھی کہتے ہیں، حومر کے درخت جبال سے لے کر جنوب میں یمن تک پورے جبال سرات کے سلسلۂ کوہ میں پھیلے ہوئے تھے، اسی طرح بلاد عمان میں اس کے درخت بہت زیادہ تھے، اس کی پتیاں خلاف یعنی صفصاف کی پتیوں کی طرح ہوتی ہیں، صفصاف کو بلخی بھی کہتے ہیں، ابو حنیفہ دینوریؒ نے بتایا ہے کہ میں نے حومر کے درخت عمان کی دو نوں مسجدوں کے درمیان دیکھے ہیں، اس کے درخت جوز کے مانند ہوتے ہیں اور اس کا پھل سینگ کی طرح ہوتا ہے[۳] افریقہ کے بلاد بجاۃ میں ساحلی شہر سواکن کے قریب عقیق نامی ایک مقام تھا، جہاں سے تمر ہندی باہر جاتی تھی۔[۴]

پالہ اونٹ

سندھ کا فالج یعنی پالہ اونٹ بڑا قیمتی ہوتا تھا جسے صرف امراء و ملوک

---

[۱] لسان العرب ج ۲ ص ۳۰۲ مادہ نبج، [۲] مروج الذہب ج ۱ ص ۲۷۸۔ [۳] لسان العرب ج ۴ ص ۲۱۴ مادہ حمر۔ [۴] معجم البلدان ج ۶ ص ۲۰۰۔

استعمال کرتے تھے، اس کے کوہان دوہرے ہوتے تھے، اور یہ بختی اور عربی اونٹوں کے درمیان ہوتا تھا، صحاح جوہری میں ہے کہ یہ اونٹ بہت ہی موٹا تازہ اور دوہرے کوہان والا ہوتا تھا۔ اور سندھ سے لایا جاتا تھا۔ تاکہ اس سے اچھے اونٹوں کی نسل کشی کی جائے، حدیث میں بھی اس کا تذکرہ آیا ہے[۱]۔

طاؤس

ہندوستان کے خوش رنگ طاؤس اور دوسرے پرند عالم اسلام میں بڑے ذوق وشوق سے پالے جاتے تھے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ طاؤس کے سینے کے پر لہراتے ہوئے رنگوں کی وجہ سے چمکتے ہیں، یہ رنگ اس کی دم اور بازو سے جداگانہ ہوتے ہیں، مگر یہ خصوصیت مذکر طاؤس میں پائی جاتی ہے، مؤنث میں یہ بات نہیں ہوتی، میں نے ہندوستان میں ان طاؤسوں میں ایک ہی ساتھ متعدد رنگ دیکھے ہیں جو غور کرنے سے نظر آتے ہیں، اس ملے جلے رنگ کو کسی اور رنگ سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی، اور طاؤس کے پروں میں رنگوں کا تنوع عجیب خوش رنگی کا منظر پیش کرتا ہے، طاؤس کے حسنِ تخلیق، جسامت اور پروں کی کثرت سے اس کے رنگ میں اور بھی حسن وجمال پیدا ہوتا ہے، اسی لیے ہندوستان کی سرزمین میں طاؤسوں کی عجیب شان ہوتی ہے، اور جو طاؤس وہاں سے نکال کر عالم اسلام میں لائے جاتے ہیں اور یہاں ان کی پیدائش ہوتی ہے۔ وہ چھوٹے ہو کر بد رنگ ہو جاتے ہیں اور نگاہوں کو ان کا رنگ نہیں بھاتا، بلکہ ہندوستان کے معمولی طاؤس کے مانند ہو جاتے ہیں[۲]۔

۳۰۵ھ میں خلیفہ مقتدر باللہ کے پاس عمان کے حاکم نے ہدایا و تحائف روانہ کیے تھے، جن میں ایک کالے رنگ کی چڑیا تھی جو فارسی اور ہندی زبانوں میں بولتی تھی اور طوطے سے زیادہ فصیح و بلیغ انداز میں گفتگو کرتی تھی[۳]۔

---

[۱] لسان العرب مادہ فلج ج ۳ ص ۲۴۶ – [۲] مروج الذہب ج ۱ ص ۳۷۷ و ص ۳۷۸ – [۳] تاریخ الخلفاء سیوطی

کھمبائتی جوتے

سندھ کی خاص مصنوعات میں کھمبائت کے جوتے بہت مشہور تھے جو نعال کنبایتہ کے نام سے عرب ممالک اور عالم اسلام میں استعمال کیے جاتے تھے چونکہ ان کی برآمد سندان اور سندھ ہی کے علاقوں سے دیگر ممالک میں ہوتی تھی اس لیے ان کو وہاں کی خاص مصنوعات میں شمار کیا گیا، ورنہ یہ جوتے گجرات کے مشہور شہر کھمبائت میں تیار ہوتے تھے، یہاں کے جوتے نہایت مضبوط، نرم و نازک اور خوش منظر ہوا کرتے تھے، ان میں ایک قسم کو صرارہ کہتے تھے، جن میں چلتے وقت آواز ہوتی تھی، اسے بڑے لوگ استعمال کرتے تھے۔

ارزانی، خوش حالی اور فارغ البالی

سندھ کا ملک ہباری حکومت میں بڑا خوشحال اور فارغ البال تھا، ضروریات زندگی کی ہر چیز بافراط اور سستی ملتی تھی، ہر طرف رفاہیت اور عیش و عشرت کا دور دورہ تھا، مقدسی نے پورے اقلیم کی اس بارے میں بڑی تعریف کی ہے وہ لکھتا ہے کہ یہ اقلیم سونے، دوا، خیر و فلاح کی اقلیم ہے، ہر چیز کی ارزانی و فراوانی ہے، عدل و انصاف، سیاست اور حسن انتظام کی بہتات ہے، یہاں فائدے ہی فائدے ہیں۔ تجارتیں نفع بخش ہیں، تجارتی مال و اسباب پٹے پڑے ہیں، لوگوں میں سلامتیٔ طبع، امن پسندی اور امانت داری ہے، خاص منصورہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں کی آبادی بہت زیادہ، اور تجارت بہت فائدہ مند ہے، صلاح و نیکی اور صدقات و خیرات کا چرچا ہے، یہاں کے مسلمانوں کا مذہبی حال بھی بہت اچھا ہے صالحیت اور پرہیزگاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو غلو، مذہبی عصبیت اور فتنہ و فساد سے محفوظ رکھا ہے۔[1]

بری اور بحری تجارت

ہندوستان قدیم زمانہ سے ہر قسم کی بری اور بحری تجارت کا مرکز رہا ہے، اقلیم سندھ ہباریوں کے دور میں امن و

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۱۔

امان اور عدل و انصاف کی وجہ سے عالمی تجارت گاہ بن گیا تھا، مقدسی اور دیگر سیاحوں نے سندھ کی تجارت اور ارزانی کو خاص طور سے بیان کیا ہے دنیا بھر کے سامان یہاں آکر فروخت ہوتے تھے اور یہاں کے سامان دنیا بھر میں بکتے تھے، اندرون ملک ایک مقام سے دوسرے مقام تجارتی قافلے آتے جاتے تھے اور ساتھ ہی بیرونی تجارت کا زور تھا، خشکی کے راستے سے دور دور تک تجارت ہوتی تھی. مسعودی نے لکھا ہے کہ خشکی کے راستے سے صغد، چین، تبت اور خراسان سے ہندوستان کے شہر منصورہ اور ملتان تک تجارت عام تھی، اسی طرح سندھ اور ہندوستان سے تجارتی قافلے خراسان تک ہمیشہ آتے جاتے تھے[۱]

بحری تجارت ہباری حکومت کے عہد میں بہت عروج پر تھی، سمندری ڈاکوؤں کی طاقت ٹوٹ چکی تھی جس سے بحری راستے محفوظ ہوگئے تھے اور بصرہ، ابلہ، اور سیراف وغیرہ کے بحری تاجر ہندوستان اور چین کا سفر کرتے تھے، اور ہند و چین کے بحری تاجر بھی ہندوستان اور سندھ ہوتے ہوئے عرب ممالک آتے جاتے تھے، دیبل میں ہر جگہ کے بحری تاجر جمع ہوتے تھے اور تجارتی سامانوں کا آپس میں لین دین اور تبادلہ کرتے تھے، یہاں کی منڈی میں مشرق و مغرب کے مال پٹے رہتے تھے، اسی مرکز سے عرب کی تجارتی چیزیں ہندوستان اور چین جاتی تھیں اور ہندوستان و چین کے سامان دیبل ہی سے عرب ممالک جاتے تھے، ابن حوقل کا بیان ہے کہ دیبل ان اطراف کے شہروں کی بندرگاہ ہے، ابن سعید کا بیان ہے کہ دیبل سندھ کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے.

دیبل کے بعد بحری تجارت کا دوسرا مرکز خود منصورہ تھا جو دریائے سندھ سے نکلی ہوئی ایک خلیج کے درمیان جزیرہ نما کی شکل میں تھا، یاقوت کا بیان ہے کہ خلیج منصورہ دریائے

[۱] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۵۷۔

سندھ سے نکلی ہے جو شہر کے اطراف سے بہتی ہے، سمندر سے آنے والے تجارتی سامان دریائے سندھ میں لائے جاتے پھر وہاں سے کشتیوں کے ذریعہ خلیج منصورہ میں پہنچائے جاتے تھے،

منصورہ کے قریب نیرون بھی تجارتی بندرگاہ تھا، اس کے قریب سمندر سے نکلی ہوئی ایک خلیج بہتی تھی جس میں تجارتی کشتیاں مال لے کر آتی تھیں اور نیرون کی بندرگاہ پر ٹھہرتی تھیں، ابن سعید کا بیان ہے کہ نیرون سندھ کی بندرگاہوں میں سے ہے اور سمندر سے نکلی ہوئی کھاری پانی کی خلیج اس کے آس پاس سے گذرتی ہے اسی کو بیرون بھی کہتے ہیں الور سمندر کے قریب دریائے سندھ کے کنارے پر واقع تھا۔ بہت اہم تجارتی مرکز اور بندرگاہ تھا، یاقوت حموی کا بیان ہے کہ الور تجارت کی جگہ اور اطراف کے شہروں کی بندرگاہ ہے۔

دیبل کی تجارتی مرکزیت کو ابن حوقل نے یوں بتایا ہے کہ یہاں اَلسی بہت زیادہ ہوتی ہے اور یہاں پر بصرہ سے کھجوریں آتی ہیں، ابوالفداء نے لکھا ہے کہ دیبل سے متاعِ دیبلی دیگر ممالک میں روانہ کیے جاتے ہیں اور یہ سندھ کی بڑی اور مشہور بندرگاہوں میں سے ہے، الور کے بارے میں گذر چکا ہے کہ بحری تجارت کا مرکز تھا، اس کی آبادی ملتان کے برابر تھی، شہر کے گرد دو دو شہر پناہیں تھیں، سامنے دریائے سندھ تھا اور بڑے بڑے تاجر یہاں پر تجارت کے لیے ٹھہرتے تھے،

قالری دریائے سندھ کے مغرب کی جانب واقع تھا، اس کے قریب دریائے سندھ دو حصوں میں منقسم ہو کر ایک حصہ مغرب میں منصورہ کی پشت سے ہو کر گذرتا تھا اور دوسرا شمال مغرب کی طرف منصورہ کے پیچھے بارہ میل پر بہتا تھا، شہر قالری بہت خوبصورت تھا اور یہاں کی تجارت بہت زیادہ نفع بخش تھی، ادریسی نے لکھا ہے کہ یہ خوب صورت شہر ہے اور یہاں کی تجارتوں میں منافع ہے۔

سدوسان، دریائے سندھ کے مغرب میں بہت بڑا شہر تھا، اس کے اطراف وجوانب میں بہت سی بستیاں اور علاقے تھے، اور کئی ایک بڑے بڑے بازار تھے، ابن حوقل نے سدوسان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شہر سرسبز اور کثیر الخیر ہے اس کے اطراف میں دیہات اور علاقے ہیں، یہ شہر کافی بڑا ہے جس میں کئی بازار ہیں۔

تنبلی کے متعلق مقدسی نے بیان ہے کہ یہ شہر سمندر سے گھرا ہوا ہے، یہاں مسلمان کم ہیں، مگر سامان تجارت فراہم کرنے والے تجار یہاں آتے ہیں اور رہتے ہیں۔

سندھ کی خاص پیداوار اور مصنوعات میں سے جو چیزیں عرب ممالک اور دیگر علاقوں میں جاتی تھیں، مقدسی نے ان کی تفصیل یوں بیان کی ہے، سندان سے بڑی مقدار میں چاول، ناریل، شہد اور عمدہ قسم کے کپڑے جو یہاں تیار ہوتے تھے، منصورہ سے ہاتھی اور ہاتھی کے دانت، جڑی بوٹیاں اور دوائیں، کھمبائت کے نفیس جوتے، نیز اور بہت سے عمدہ عمدہ سامان تجارت باہر بھیجے جاتے تھے، اور مقدسی نے عالم اسلام کی مختلف اقلیموں کی خصوصیات کے ذکر میں لکھا ہے کہ پورے عالم اسلام میں سب سے زیادہ فانیذ (مصری) اور چاول اور مشک، اور کفار سندھ میں ہیں[1]۔

دیبل اور منصورہ کے تاجر دور دور تک شہرت رکھتے تھے اور عالم اسلام کے بڑے تاجروں اور مالداروں میں شمار ہوتے تھے، اور تبرعات اور انفاق فی سبیل اللہ میں بھی آگے تھے، دیبل ایک بہت بڑے تاجر و عالم حسن بن حامد دیبلی متوفی ۴۰۷ھ بغداد میں رہتے تھے، درب زعفرانی میں ان کے نام سے ایک سرائے خان ابن حامد تھی یہ محدث و ادیب اور شاعر بھی تھے[2]۔

سیابوقہ دیبلی نامی ایک نیک دل تاجر نے نصیبین اور موصل کے درمیان مونسہ نامی مقام میں ۶۱۵ھ میں ایک سرائے بنوا کر وقف کیا تھا[3]۔ بزرگ بن شہریار ناخدا

---

[1] تفصیل کے لیے مسالک الممالک، تقویم البلدان، احسن التقاسیم وغیرہ ملاحظہ ہوں [2] تاریخ بغداد وغیرہ [3] معجم البلدان ذکر مونسہ۔

نے بیان کیا ہے کہ منصورہ کا ایک آدمی مارکین گیا جو کہ بلاد الامئون؟ سے ایک فرسخ پر ایک شہر ہے اور یہاں کا ہندو راجہ لہلوا نام کا ہے، اس منصوری آدمی نے مجھے بتایا ہے کہ مارکین کے پہاڑ میں چیتل اور بھورے رنگ کے سانپ ہوتے ہیں اگر وہ پہلے آدمی کی طرف دیکھ لیں تو آدمی مرجاتا ہے اور اگر آدمی ان کو پہلے دیکھ لے تو وہ مر جاتے ہیں اور اگر اتفاق سے ایک ہی وقت میں دونوں ایک دوسرے کو دیکھیں تو دونوں ہی ایک ساتھ مرجاتے ہیں[1]

الغرض ہباری دورِ حکومت میں سندھ کی بری اور بحری تجارت بہت ترقی پر تھی اور پورے عالم اسلام سے اس کا تجارتی تعلق قائم تھا،

دولت ہباریہ کی ذمی رعایا اور مذہبی آزادی

چوتھی صدی ہجری میں عالم اسلام میں چار مذاہب ماننے والے ذمی تھے، یہود، نصاریٰ، مجوسی اور صابئہ، یہ سب فرقے مسلم حکومتوں میں ہر قسم کے شہری، وطنی، قومی، انفرادی، اجتماعی اور دینی و مذہبی حقوق میں برابر کے شریک تھے اور ان کو اپنے مذہب پر رہ کر امن و امان اور اقبال و عروج کی زندگی حاصل تھی، چنانچہ ہباری حکومت میں بھی ان کو پوری آزادی تھی، سلاطین ہباریہ ذمیوں کے بارے میں اسلام کے قوانین کا پورا پورا احترام کر کے اپنی غیر مسلم ذمی رعایا کو آزاد زندگی بسر کرنے کا موقع دیتے تھے، جس کی وجہ سے وہ اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے مقابلہ میں ان مسلم حکمرانوں کو ترجیح دیتے تھے اور ان سے خوش رہتے تھے، بلکہ ہندو حکومتوں کے حکمران اور عوام مسلمانوں سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے، گجرات و سوراشٹر کے مہاراجگان بلہرا اور ان کے عوام مسلمانوں سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان مسلمانوں کی عزت و تکریم کی وجہ سے ہمارے راجوں مہاراجوں

---

[1] عجائب الہند ص ۵۰۔

کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں اور وہ زیادہ دنوں تک امن وامان سے حکومت کرتے ہیں، خود ہماری حدود مملکت کے ہندو حکمران ان کے حسن سلوک سے متاثر ہوکر اسلام سے عقیدت رکھتے تھے اور ان میں سے بعضوں نے اسلام قبول کیا۔

سندھ میں صابئہ یعنی بت پرست کفار بہت زیادہ تھے اور پورے ملک میں ان کی اکثریت تھی، مقدسی نے مختلف اسلامی اقلیموں کی خصوصیات میں لکھا ہے کہ سندھ کی خصوصیات میں وہاں کفار کی کثرت بھی شامل ہے[1]،

ایک جگہ مقدسی نے اقلیم سندھ کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مگر یہاں کے ذمی مشرک ہیں[2]۔

خود ہماری دارالسلطنت منصورہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں کی آبادی پر کفار کا غلبہ ہے دوسری جگہ لکھا ہے کہ یہاں کے ذمی بت پرست ہیں[3] دیبل کے بیان میں لکھا ہے کہ اس شہر کو تقریباً ایک سو دیہات گھیرے ہوئے ہیں جن میں اکثر کفار رہیں[4]۔ اصطخری نے سندھ کے عام غیر مسلموں کو بدھ اور کچھ کو مید بتایا ہے وہ لکھتا ہے کہ حدود سندھ کے کفار سب کے سب بدھ ہیں، ان میں ایک اور قوم ہے جو مید کے نام سے مشہور ہے[5]۔

یعنی جو غیر مسلم ذمی شہروں میں رہتے تھے وہ بت پرست تھے اور بدھ مذہب کے پیرو تھے، اور ان میں جو دور دراز ساحلی علاقوں اور ریگستانوں میں بدوی زندگی بسر کرتے تھے وہ مید تھے، جو عام طور سے جرائم پیشہ ہوا کرتے تھے، اور ان میں کچھ راستوں کے محافظ ہوا کرتے تھے، یہ لوگ بدھ مذہب کے پیرو نہیں تھے۔

ہماری حدود مملکت میں ہندوؤں کے کسی بڑے بت خانہ کا تذکرہ نہیں ملتا،

---

[1] احسن التقاسیم ص ۳۳، [2] رر ص ۴۷۴۔ [3] رر ص ۴۸۱۔ [4] رر ص ۴۷۵۔

[5] مسالک الممالک ص ۱۷۶۔

دیبل کا بت خانہ محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت ختم ہو چکا تھا البتہ ملتان اور بھیرا میں بڑے بت خانہ تھے جن کی پوجا پاٹ اور نذر، دنیاز کے لیے پورے ہندوستان سے ہندو جاتے تھے، ان میں سندھ کے ہندو بھی شامل تھے مگر ہماریوں نے کبھی ان کے اس مذہبی کام میں رکاوٹ نہیں ڈالی، ملتان کے بت خانہ کے ذکر میں مسلمان مورخوں اور سیاحوں کا متفقہ بیان ہے کہ اس کے پاس سندھ اور ہندوستان کے دور دراز مقامات سے ہندو نذر، اموال، جواہر، عود، اور قسم قسم کی خوشبوئیں لے کر آتے تھے اور آزادی سے بت پرستی کرتے تھے۔[۱]

مقدسی نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ایسے مسلمان سے ملاقات کی ہے جو ان بتوں کے طلسمات میں پھنسکر اسلام سے مرتد ہو گیا تھا، اور ان کی پرستش میں لگ گیا تھا، اور جب تک سندھ میں رہا اس کی پرستش کرتا رہا مگر جب نیسا پور واپس گیا تو توبہ کر کے پھر مسلمان ہو گیا، اس واقعہ سے اگر ایک طرف ایک مسلمان کی ضعیف الاعتقادی معلوم ہوتی ہے، تو دوسری طرف ہماری حکمرانوں کی وسیع المشربی اور مذہبی رواداری بھی معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے ایک مرتد کو بھی اپنے ملک میں بت پرستی کی آزادی دے رکھی تھی، جو اسلامی نقطۂ نظر کے سخت خلاف تھی، ان کے یہاں محکمۂ قضا قائم تھا، شرعی حدود جاری ہوتی تھیں اگر وہ اسلام کے قانون ارتداد کی رو سے اس مرتد کو سزا دیتے تو کون ان کا ہاتھ پکڑ سکتا تھا؟

اسی رواداری اور حکمتِ عملی وحسن سیاست کا نتیجہ تھا کہ یہاں کے راجے مہاراجے تک اسلام قبول کر کے اس کی خدمت کرتے تھے،

سندھ کے ایک راجہ کا قبولِ اسلام اور کعبہ کے لئے نذرانہ عقیدت	امام تقی الدین فاسی مکی ؒ نے شفاء العرام باخبار البلد الحرام میں فاکہی ؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۲۵۹ھ سندھ

[۱] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۷۔

کا ایک راجہ مسلمان ہوا، اور اس نے کعبہ کے لیے سونے کا ایک طوق ہدیہ بھیجا جس کا وزن ایکسو مثقال تھا، اس طوق میں زمرد، یاقوت اور الماس کے جڑاؤ تھے، اور ایک بہت بڑا یاقوت سبز بھی تھا، جس کا وزن چوبیس مثقال تھا۔ راجہ نے یہ ہدیہ کعبہ کے خدام کے پاس بھیجا تو انھوں نے خلیفہ معتمد کو اس کی اطلاع کی، معتمد نے لکھا کہ اس ہدیہ کو دوسرے ہدایا کے ساتھ کعبہ میں آویزاں کر دیا جائے، چنانچہ انھوں نے طوق کو سونے کی زنجیر میں باندھکر کعبہ کے اندر یوں آویزاں کر دیا کہ اس کا حلقہ نکال کر زمرد اور یاقوت کے بیچ میں لگا دیا[۱]۔

الور کے راجہ مہروق بن رائق کا قبولِ اسلام | عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ہباری کے ذکر میں بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی کے حوالہ سے اس کا مفصل واقعہ گذر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۲۷۰ھ میں الور کے راجہ مہروق بن رائق نے عبداللہ کو لکھا کہ مجھے اسلامی تعلیمات سمجھاؤ، اس نے منصورہ سے ایک عالم کو الور بھیجا، جس نے اسے قرآن حکیم کی تعلیم دی اور اس کے لیے ہندی زبان میں قرآن کی تفسیر لکھی، اس طرح تین سال تک اسے اسلام کے احکام سکھاتا رہا، آخر میں راجہ مسلمان ہو گیا مگر ملکی مصالح کی وجہ سے اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکا اور راجہ نے اپنے اس دینی استاد کو دولت اسلام حاصل ہونے کی خوشی میں کئی من سونا پیش کیا تھا۔

اسلامی علوم اور علمائے اسلام

چوتھی صدی ہجری میں پورا عالم اسلام علمی و دینی نشاط سے معمور تھا، مشرق سے مغرب تک مسلمانوں کے بلاد و امصار اور شہر و قریات اسلامی علوم و فنون اور دینی رجال و شخصیات کے گہوارے تھے جن میں اسلامی ثقافت پرورش پا رہی تھی، یہی پُر بہار زمانہ سندھ میں ہباریوں کی حکومت کا دور تھا، اور بغداد و بصرہ

[۱] شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ج ۱ ص ۱۱۷، مطبوعہ مصر ۱۹۵۶ء

کی طرح سندھ و منصورہ اور دیبل وغیرہ بھی اسلامی علوم و فنون کے مرکز تھے، جگہ جگہ دینی علوم و فنون کی بساطین بچھی ہوئی تھیں، گھر گھر دار العلوم بنا ہوا تھا، اور ایک ایک بستی میں سیکڑوں علماء و فضلاء رہتے تھے، اس دور میں سندھ میں اسلامی زندگی اپنے پورے شباب پر تھی، ہباری حکمران بڑے علم دوست اور اہلِ علم کے قدر دان تھے انھوں نے دینی علوم و رجال کی سرپرستی کی، علمی خاندانوں سے ان سے تعلقات تھے اور اہل علم و فضل ان کے دربار سے وابستہ تھے، ان کا مسلک اگرچہ امام داؤد ظاہری کا تھا اور وہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے، مگر پورے سندھ میں فقہائے احناف کی کثرت تھی۔ معتزلہ کی عقلیت پسندی سے نجات تھی۔ عام مسلمانوں کا دینی حال نہایت اچھا تھا، مذہبی تعصب، گروہ بندی اور جانبداری کا نام تک نہیں تھا، بلکہ ہر مسلک کے لوگ آزادی اور سکون سے اپنے مسلک پر عمل کرتے تھے، حسنِ اخلاق، سیر چشمی اور انسانیت و مروّت سندھ کے مسلمانوں کے امتیازی صفات تھے، بڑے بڑے شہروں کی زبان عربی اور سندھی دونوں تھیں بود و باش اور طرزِ زندگی مرکز خلافت عراق سے ملتا جلتا تھا، اور ذہن و مزاج کے اعتبار سے وہ سچے مسلمان تھے، خاص طور سے بڑے شہروں میں اسلامی شان و شوکت کا غلبہ تھا، الور بہت بڑا شہر تھا، اور وہاں مسلمانوں کی بہت زیادہ آبادی تھی، بیرون بھی خالص اسلامی شہر تھا، دیبل علماء و فقہاء کا مرکز تھا، اور منصورہ تو گویا دار الاسلام والمسلمین بن کر بغداد کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ رسم و رواج عراق سے ملتے جلتے تھے، ساتھ ہی حسنِ اخلاق اور شرافت میں بھی یہ لوگ مشہور تھے، پورے اقلیم سندھ کا مذہبی اور دینی حال مقدسی نے یوں بیان کیا ہے:

مذاھبھم اکثرھم اصحاب حدیث. سندھ کے اکثر مسلمان حدیث پر عامل ہیں

ولا تخلوا القصبات من فقہاء علی اور مرکزی شہر حنفی فقہاء و علماء سے خالی نہیں

مذہب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ولیس	ہیں، یہاں نہ مالکی ہیں، نہ معتزلی، اور
بہ مالکیۃ، ولا معتزلۃ، ولا عمل	نہ ہی حنابلہ کے مسلک پر عمل ہے ......
للحنابلۃ، إنھم علی طریقۃ مستقیمۃ	یہاں کے لوگ صراط مستقیم، اور اچھے مسلک
ومذاہب محمودۃ، وصلاح وعفۃ	پر ہیں اور صلاحیت و پرہیزگاری رکھتے ہیں، اللہ
قد اراحھم اللہ من الغلو والعصبیۃ	تعالیٰ نے ان کو مذہبی غلو، تعصب، اور فتنہ
والفتنۃ۔[1]	فساد سے امان میں رکھا ہے،

یاقوت حموی نے اقلیم سندھ کے مذہبی حال میں لکھا ہے:

ومذاہب أھلھا الغالب علیھا مذہب	سندھ والوں پر حنفی مذہب کا غلبہ
ابی حنیفۃ[2]	ہے۔

دارالسلطنت منصورہ کے بارے میں مقدسی نے لکھا ہے:

وللاسلام طراوۃ، والعلم واھلہ	یہاں اسلام تروتازہ ہے، اور علم اور اہل علم
کثیر..... والرسوم تقارب العراق	کثرت سے ہیں، ان کے اخلاق و عادات اہل عراق
مع وطاء وحسن اخلاق[3]	سے ملتے جلتے ہیں اور ان میں بردباری اور حسن خلاق ہے۔

دیبل کے بیان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے:

وقد نسب إلیھا قوم	دیبل کی طرف رواۃ حدیث کی ایک جماعت
من الرواۃ[4]	منسوب ہے۔

چیمور اور سوپارہ یہ دونوں مرکزی اور ساحلی شہر اگرچہ دارالسلطنت منصورہ سے کچھ ہی عرصہ تک کے لیے وابستہ ہو گئے تھے اور کافی دوری پر تھے، مگر یہاں بھی مسلمانوں کی دینی زندگی بہت شاندار تھی، یہاں عرب مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی تھی، اور

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۱۔ [2] معجم البلدان ذکر سندھ ج ۵ ص ۱۵۱۔ [3] احسن التقاسیم ص ۴۷۹
[4] معجم البلدان ج ۴ ص ۱۱۸۔

عرب تاجر رہا کرتے تھے، ہباریوں کے عمل و دخل کے زمانہ میں ان دونوں شہروں میں مقامی راجہ کی طرف سے مسلمانوں کی الگ عدالت قائم تھی اور ان کے شرعی و دینی معاملات ان ہی میں طے ہوتے تھے، مسجدیں آباد تھیں، جمعہ و جماعات کا باقاعدہ اہتمام تھا اور آزادی کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل ہوتا تھا۔ ہباریوں کے بہت بعد تک یہاں اسلام اور مسلمانوں کو شان و شوکت حاصل رہی، یاقوت حموی نے لکھا ہے:

الاان صیمور و کتامنتقون بر دفیها مسلمون، والی علیهم من قبل بلهرا الا مسلم، وبها مسجد جامع تجمع فیه الجماعات۔[1]

صیمور اور کتامہ ان شہروں میں سے ہیں جہاں مسلمان آباد ہیں، اور راجہ بلہرا کی طرف سے مسلمانوں کا حاکم مسلمان ہی ہوتا ہے، یہاں جامع مسجد بھی ہے جس میں جماعتیں ہوتی ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں پورے عالم اسلام میں وعظ و تذکیر اور تبلیغ کے خصوصی حلقے اور جلسے ہوا کرتے تھے جن میں عامۃ المسلمین حاضر ہو کر دینی علوم و مسائل سے واقف ہوتے تھے، ہر علاقہ میں وعظ و تذکیر کے طریقے جدا جدا ہوتے تھے، کہیں کتابیں پڑھی جاتی تھیں، کہیں زبانی وعظ ہوا کرتے تھے، کسی جگہ اس کام کے لئے خصوصی مقامات ہوتے تھے، کہیں مسجدیں مجالس وعظ و تذکیر بنتی تھیں، مگر سندھ میں وعظ و تذکیر کا کوئی خاص انتظام و اہتمام نہیں تھا۔ مقدسی نے لکھا ہے:

ولیس للمذکرین به صیت، ولاهم رسوم تذکیر۔[2]

سندھ میں مذکروں اور واعظوں کا شہرہ نہیں ہے، اور نہ ان کے وعظ و تذکیر کا کوئی خاص انداز ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ سندھ میں دین داری اور اسلامی احکام پر عمل نہایت مطمئن صورت میں تھا اور لوگ معتزلہ کی عقلیت پسندی اور خوارج و روافض کی بے اعتدالی سے دور رہ کر ظاہریہ کے مسلک پر تھے اور احادیث پر عمل کرتے تھے۔

---

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۰۷۔ [2] احسن التقاسیم ص ۴۸۱۔

اقلیم سندھ کے علماء و محدثین

اب ہم دولت ہباریہ کے دور (۲۴۷ھ سے ۴۱۶ھ) تک کے چند مشہور علماء و فقہاء اور محدثین و شیوخ کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں جو پورے عالم اسلام کے لئے وجہ نازش تھے اور دنیائے اسلام سے ان کے دینی و علمی تعلقات تھے اس کے بعد سندھ کے دوسرے مشہور مقامات کے علماء کے نام اور مختصر حالات پیش کریں گے ان کے ناموں کے ساتھ پہلی نسبت مقامی ہو گی اور دوسری نسبت اس ملک یا شہر کی ہو گی جہاں انہوں نے جا کر علم و فضل کی مسند اور اپنے علمی و دینی فیوض و برکات عام کئے ان علماء کے مفصل حالات کے لئے ہماری کتاب رجال السند والہند الی القرن السابع کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

یہ بات خاص طور سے ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ سندان، منصورہ، ملتان، مکران اور طوران کے جن علماء کی نشان دہی کی جا رہی ہے وہ سب کے سب یہاں پر عربوں کی حکومت کے دور کے نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض غزنوی دور حکومت سے تعلق رکھتے ہیں مکران کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ درحقیقت یہ بھی اسی چمن کے پھول تھے جن کی آبیاری اور تختہ بندی یہاں کے عرب حکمرانوں کے دور میں ہوئی اور ان کے علم و فضل کا سلسلہ عرب حکمرانوں کے دور سے ملتا ہے اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے لئے ماہانیوں ہباریوں سامیوں اور معدانیوں نے جو زمین ہندوستان اور سندھ میں تیار کی تھی اور اس سے علم و فن کے گل بوٹے کھلائے تھے بعد میں حکومت غزنویہ نے اس پر قبضہ کر کے اپنی کاشت کی اور یہ فصل خوب لہلہائی اس لئے بعض ایسے علماء کے نام بھی ملیں گے جن کا تعلق بعد کے ادوار سے ہے۔

ابوبکر احمد بن سندی بن حسن بن بحر حدّاد سندی بغدادی متوفی ۲۵۹ھ زبردست محدث اور مستجاب الدعاء عابد و زاہد تھے بغداد کے محلہ قطیفہ الحداد میں مستقل قیام تھا۔ احمد بن سندی بن فروخ مطرز بغدادی (موجود ۳۰۰ھ) مستقل قیام بغداد میں تھا۔ بصرہ میں بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ زبردست محدث تھے۔

احمد بن سندی رازیؒ تیسری صدی ہجری کے علمائے حدیث میں ہیں خراسان کے شہر رےؔ میں رہتے تھے ابوبکر احمد بن قاسم بن سیما بیّع معدِّل بغدادیؒ چوتھی صدی کے رواۃ حدیث میں ہیں ابن السندی کی کنیت سے مشہور ہیں۔ بیّع تھے یعنی تجارتی مال کی دلالی کرتے تھے معدِّل تھے یعنی عدالت و قضا میں گواہوں کی تعدیل و توثیق کرتے تھے۔

ابوالفوارس احمد بن محمد بن حسین بن سندی مصریؒ متوفی ۳۴۹ھ مسند دیار مصر کے لقب سے مشہور ہیں علم حدیث میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔

ابراہیم بن علی سندی بغدادیؒ آپ نے محمد بن عبداللہ بن یزید مُعریؒ سے روایت کی ہے۔

اسلم بن سندیؒ آپ سے ابوالحسن بن علی بن حسن سیازی بخاری نے روایت کی ہے۔

ابو ابراہیم اسمٰعیل ابن سندی الخلال بغدادیؒ تیسری صدی کے کبار محدثین میں ہیں خل یعنی سرکہ بناتے اور فروخت کرتے تھے۔ بغداد کے محلہ باب الشام میں رہتے تھے۔

اسمٰعیل بن عیسیٰ بن زخ سندیؒ مولا ابن لقیطین،

اسمٰعیل بن محمد بن رجاء سندی نیسا پوریؒ۔

حُبیش بن سندی بغدادیؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے تلامذہ میں ہیں اور ان سے حدیث پڑھی ہے۔

ابومحمد خلف بن سالم سندی بغدادیؒ متوفی سنہ ۲۳۱ھ حافظ حدیث اور بغداد کے اعیان میں ہیں۔

ابومحمد رجاء بن سندی نیسا پوریؒ، تیسری صدی کے محدثین نیسا پور میں ہیں۔

ابوبکر سندی خواتیمی بغدادیؒ، یہ بھی حضرت امام احمد بن حنبل کے شاگردوں میں ہیں۔

سندی بن ابو ہارونؒ، تیسری صدی کے محدث ہیں،

ابو نصر سندی بن ابان بغدادی، متوفی ۲۸۱ھ . بغداد کے قدماء محدثین، ائمہ مشہور رواۃ حدیث میں ہیں۔

سندی بن عبدویہ کلبی رازیؒ، تیسری صدی کے محدث ہیں، مستقل قیام رے میں تھا، ہمدان اور قزوین دونوں شہروں کے بیک وقت قاضی تھے، اصل نام سہل بن عبدالرحمٰن ہے۔

عبداللہ بن حسن بن سندی اندلسی، متوفی ۳۳۵ھ سندھ سے نکل کر اندلس میں مستقل قیام کیا اور وہیں مسند درس بچھائی۔

عثمان سندی بغدادیؒ، چوتھی صدی میں بغداد کے کبار مشائخ میں سے ہیں،

علی بن بنان سندی بغدادیؒ، تیسری صدی میں بغداد کے رواۃ حدیث میں ہیں۔

ابو نصر فتح بن عبداللہ سندیؒ، چوتھی صدی کے فقہائے متکلمین میں سے ہیں۔

ابوالعباس فضل بن سکین بن سمیت سندی بغدادیؒ، بغداد کے رواۃ حدیث میں ہیں،

ابو عبداللہ محمد بن رجاء سندی نیسا پوریؒ، اسفرائن میں رہتے تھے، بغداد میں حدیث کی روایت کی ہے، ان کے والد رجاء سندی، ان کے لڑکے ابو بکر محمد بن محمد بن رجاء سندی اور ابو بکر حمدان بن محمد بن رجاء بن سندی، یہ سب حدیث کے ثقہ علماء ہیں، سندھ کا یہ گھرانا خراسان میں بیت العلم اور معدن الحدیث تھا،

عبداللہ بن حسن بن سندی اندلسیؒ متوفی ۳۳۵ھ، آپ نے اندلس کے شہر دمشق میں سکونت اختیار فرمائی اور سندی، دمشقی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

ابوالحسن محمد بن عبداللہ سندی بصریؒ، تیسری صدی کے محدث ہیں، بصرہ میں رہتے تھے۔

ابو بکر محمد بن محمد بن رجا سندی جرجانیؒ متوفی ۲۸۶ھ ۔ حافظ حدیث ہیں اور صحیح مسلم کے انداز پر حدیث کی ایک اہم کتاب مستخرج علی صحیح مسلم لکھی ہے ۔

ابو القاسم منصور بن محمد سندی اصفہانیؒ چوتھی صدی کے مشہور مقری ہیں، مستقل قیام اصفہان میں تھا۔ ابو محمد موسیٰ بن سندی جرجانی بکراباذیؒ تیسری صدی میں جرجان کے مشہور رواۃ حدیث میں ہیں۔

ابو محسن نصر اللہ بن احمد بن قاسم بن سما سندی بغدادیؒ متوفی ۴۲۳ھ ، بغداد کے ائمہ حدیث میں سے ہیں،

ہبۃ اللہ بن سہل سندی اصفہانیؒ، محدث ہیں۔

ابو جعفر سندیؒ، تیسری صدی کے رواۃ و اساتذۂ حدیث میں سے ہیں۔

ابو علی سندی بغدادیؒ حضرت بایزید بسطامیؒ کے شیوخ میں سے ہیں، بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، مستقل قیام بغداد میں تھا۔

یزید بن سندی، فاطمی دور میں اسے مصر میں بڑی عظمت و اہمیت حاصل تھی، کاتب الحکم یعنی فیصلہ نویس تھا۔ ۳۷۹ھ کی ایک سرکاری مہم میں اپنی خدمات پیش کی تھیں، جس کا تذکرہ کندی نے کتاب الولاۃ و کتاب القضاۃ میں کیا ہے، غالباً یزید بن سندی امامیہ شیعہ تھا۔

علی بن عبداللہ بن سندھی، چوتھی صدی کے مشہور محدث تھے، محمد بن علیؒ عبدالکریم تیمی طرسوسی نے بغداد میں علی بن عبداللہ سندی سے مجموعہ فضائل طرسوس کی روایت کی، یہ نہیں معلوم کہ کتاب فضائل طرسوس خود ان کی تصنیف تھی یا ان کے کسی شیخ کی۔

علی بن اسمٰعیل سندھی شیعی، رجال کشی میں ان کا تذکرہ مختصر طور سے موجود ہے، نصر بن صباح نے ان کی توثیق کی ہے اور بتایا ہے کہ ان کے والد اسمٰعیل سندھی کے لقب سے مشہور ہوئے؛

ان تمام علماء کی نسبت پورے اقلیم سندھ کی طرف ہے اور دوسری نسبت کسی بیرونی

ملک کی طرف ہے مگر یہ سندھ کے کس مقام کے تھے؟ اس کا پتہ نہیں چلتا ہے اسی لیے ہم نے ان کو الگ بیان کیا ہے، اب منصورہ، دیبل، بوقان اور الور وغیرہ کی دینی و علمی سرگرمیوں اور وہاں کے علماء کو بیان کرتے ہیں۔

منصورہ کی علمی مرکزیت اور یہاں کے علماء و محدثین

جیسا کہ کہا گیا ہے تیسری اور چوتھی صدی کا زمانہ کتاب و سنت اور دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے حق میں گویا بہار کے شباب کا زمانہ تھا، پورا عالم اسلام دار العلم بنا ہوا تھا، جس میں حاملین علوم گھوم گھوم کر تعلیم و تعلم میں مصروف تھے، ان کے علمی اسفار نے گویا زمین کی مسافتیں ختم کر دی تھیں، اس زمانہ تک باقاعدہ مدارس اسلامیہ کا رواج نہیں ہوا تھا اور جوامع و مساجد اور علماء کے کاشانے دینی درس گاہ ہوا کرتے تھے، اور ہر مرکزی شہر علماء و فضلاء کی سرگرمیوں کا محور و مرکز بنا رہتا تھا، چنانچہ ہباریوں کا دار السلطنت منصورہ بھی ان ہی دینی و علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا، یہاں بھی اسی قسم کی درس گاہیں تھیں جن میں علماء و محدثین باقاعدہ کتاب و سنت کا درس دیتے، احادیث کی روایت کرتے، اور فقہ کی تعلیم دیتے، یہاں دوسرے علوم کے مقابلہ میں علوم شرعیہ کا رواج زیادہ تھا، مقدسی نے منصورہ میں قاضی ابو محمد منصوری کی تعلیمی و تدریسی سرگرمی اور تصنیفی کارگزاری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وله تدريس وتصانيف، قد	ان کے درس کی مجلس ہے اور تصنیفات ہیں، وہ
صنف كتباً عدة حسنة [1]	کئی اچھی اچھی کتابوں کے مصنف ہیں۔

قاضی ابو محمد منصوری داؤدی مسلک کے امام تھے اور منصورہ میں مستقل قیام پذیر تھے، اسی طرح قاضی ابو العباس احمد بن محمد منصوری یہاں کے قاضی تھے، وہ بھی داؤدی مسلک کے فضلاء میں سے تھے اور اس میں ان کی جلیل القدر تصنیفات تھیں، ظاہر ہے کہ

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۱

یہاں پر ان کے علمی و دینی فیوض و برکات بھی عام ہوتے رہے ہوں گے۔

عہد ہباری میں منصورہ کے چند علماء کے حالات سے معلوم ہوگا کہ جس خطۂ زمین سے یہ سر آمدگانِ روزگار اٹھے ہیں۔ اس میں علم و فضل کی کس قدر فراوانی رہی ہوگی، اور اس زمانہ میں مختلف حکومتوں کے دارالسلطنت کی جو علمی حالت ہوتی تھی وہی منصورہ کی بھی تھی۔

ابوبکر احمد بن محمد منصوری بکر آبادی آپ نے حدیث کی روایت امام ابوبکر اسمٰعیلی اور حافظ ابن عدی سے کی ہے، وطن منصورہ تھا مگر جرجان کے شہر بکر آباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، ۹ جمادی الاول ۳۲۲ھ کو انتقال فرمایا، آپ کا تذکرہ حافظ ابوالقاسم نے تاریخ جرجان میں کیا ہے۔

قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح تمیمی منصوریؒ آپ شہر منصورہ کے قاضی اور داؤدی مذہب کے امام تھے، ان کا شمار فضلاء داؤدیہ میں تھا آپ نے اس مسلک میں جلیل اور ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں، ابتداء میں اپنے آزاد کردہ غلام سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد جاکر وہاں کے علماء و محدثین سے احادیث کی روایت کی، اور منصورہ واپس آکر عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، آپ کی تصانیف میں کتاب المصباح کتاب الہادی اور کتاب النیر بہت اہم اور مشہور ہیں، آپ کا تذکرہ ابن ندیم، ابواسحٰق شیرازی، اور سمعانی نے کیا ہے،

قاضی ابومحمد داؤدی منصوریؒ آپ سے مقدسی نے منصورہ میں ملاقات کی ہے اور لکھا ہے کہ آپ داؤدی مذہب کے امام اور منصورہ کے قاضی ہیں، ساتھ ہی آپ کا حلقۂ درس اور سلسلۂ تصنیف بھی جاری ہے، کئی معیاری اور بڑی کتابیں لکھی ہیں۔

ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن مرۃ منصوریؒ آپ قرآن کے مستند قاری و مقری ہیں احادیث کا سماع حسن بن مکرم اور ان کے معاصرین سے کیا

اوران سے امام ابو عبداللہ حاکم نے روایت کی رنگ سیاہ تھا، آپ کا تذکرہ سمعانی نے کیا ہے۔

دیبل کی علمی مرکزیت اور یہاں کے علماء و محدثین

دیبل کا شہر سندھ میں محدثین اور رواۃ حدیث کا سب سے پہلا اور سب سے اہم مرکز تھا اور اس بارے میں یہ منصورہ سے بہت آگے تھا۔ یہاں کے علماء خاص طور سے پورے عالم اسلام سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ملک میں ان کی آمد و رفت جاری تھی۔ یاقوت حموی کا بیان دیبل کے بارے میں گزر چکا ہے کہ شہر دیبل کی جانب حدیث کے راویوں کی ایک جماعت منسوب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سندھ کا یہ شہر احادیث رسولؐ کا شہر تھا اور یہاں پر احادیث کی تعلیم و روایت عام تھی خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں امام خلف بن محمد موازینی دیبلیؒ کے ذکر میں امام علی بن موسیٰ دیبلیؒ کی درسگاہ کی نشاندہی کی ہے جو دیبل میں تھی اور جس میں امام خلف بن محمد دیبلی نے اپنے شیخ امام علی بن موسیٰ دیبلی سے حدیث پڑھی۔ خلف بن محمد کا بیان ہے۔

حدثنا علی بن موسیٰ الدیبلی بالدیبل — علی بن موسیٰ دیبلی نے ہم کو دیبل میں حدیث کی تعلیم دی۔

دیبل ساحلی شہر اور ہند و عرب کی تجارت کا بہت اہم مرکز تھا اس لئے یہاں کے بعض محدثین تاجر بھی تھے چنانچہ ابو محمد حسن بن حامد دیبلی بغدادی جو علم و حدیث میں اہم مقام کے مالک تھے بغداد کے بڑے تاجروں میں سے بھی تھے خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں یہ صاف الفاظ لکھے ہیں۔

وکان صدوقاً وکان تاجراً مموّلاً — وہ حدیث میں صدوق اور مالدار تاجر تھے

بغداد میں ان کی سرائے خان حامد کے نام سے مشہور تھی۔

چونکہ دیبل بہت قدیم شہر تھا اس لئے یہاں ہماری حکومت سے پہلے اور اس کے بعد علوم اسلامیہ کا رواج جاری رہا اور بہت سے محدثین و رواۃ حدیث دیبل کے مطلع پر جلوہ ہو کر اپنے دور میں آسمان علم کے شمس و قمر بنے اور پورے عالم اسلام میں خوب خوب چمکے ہم صرف ہماری دور کے چند علماء کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ابو العباس احمد بن عبداللہ دیبلی نیساپوریؒ آپ محدث و فقیہ کے ساتھ عابد و زاہد بھی تھے طالب علمی کے ابتدائی دور ہی سے غربت اور مسافرت کی زندگی بسر کی، امام ابن خزیمہؒ کی علمی شہرت سن کر دیبل سے نیساپور گئے اور اس طرح وہیں کے ہو کر رہ گئے، کہ حسن بن یعقوب حدّاد کی خانقاہ میں سکونت اختیار کی اور نیساپور ہی میں شادی کر لی، دن بھر شہر میں رہ کر پنج وقتہ نمازیں جامع مسجد میں ادا کرتے اور رات کو خانقاہ میں چلے آتے دیبل سے نیساپور، بصرہ، بغداد مکہ، مصر، دمشق، بیروت، حرّان، تستر اور عسکر کا سفر کر کے ان ممالک کے علماء و محدثین سے روایت کی۔ آپ کے تلامذہ میں امام ابو عبداللہ حاکم جیسے جلیل القدر امام حدیث بھی ہیں رجب ۳۴۳ھ میں نیساپور میں فوت ہوئے۔ آپ کا تذکرہ سمعانی نے کیا ہے۔

ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون حربی دیبلی رازیؒ آپ نے امام جعفر بن محمد فریابیؒ اور ابراہیم بن شریک کوفیؒ وغیرہ سے روایت کی اور قرآن کی تعلیم حسون بن ہشیم دویریؒ اور امام عاصم کوفیؒ کی قرأت سے حاصل کی ۲۷۵ھ دیبل میں پیدا ہوئے اور رجب ۳۷۰ھ میں بغداد میں فوت ہوئے۔

ابراہیم بن محمد بن ابراہیم دیبلی بغدادیؒ چوتھی صدی میں دیبل کے مشاہیر علمائے حدیث میں سے تھے آپ نے موسیٰ بن ہارونؒ اور محمد بن علی الصائغ الکبیرؒ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی تھی اور اعیان بغداد میں تھے۔

ابو محمد حسن بن حامد دیبلی بغدادیؒ

محدث و ادیب و شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بغداد کے بڑے تاجروں میں سے بھی تھے، بغداد میں درب زعفرانی کی سرائے خان ابن حامد آپ ہی کی طرف منسوب ہے، حدیث کا سماع علی بن محمد بن سعید موصلیؒ وغیرہ سے کیا تھا، اور محمد بن علی صوریؒ نے مصر میں آپ سے روایت کی تھی، عربی کے اچھے شاعر تھے، مشہور شاعر متنبی جب بغداد آیا تو آپ ہی کے یہاں قیام کیا۔ آپ نے اس کی خاطر تواضع کی تو اس نے کہا کہ "اگر میں کسی تاجر کی تعریف کرتا تو آپ کی تعریف اپنے اشعار میں ضرور کرتا" مصر میں سنہ ۳۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

ابو القاسم حسین بن محمد بن اسد دیبلی دمشقیؒ

آپ نے دمشق میں امام ابو یعلی موصلیؒ سے احادیث کی روایت کی ہے، سنہ ۳۴۰ھ تک دمشق میں زندہ تھے۔

خلف بن محمد موازینی دیبلی بغدادیؒ

دیبل سے بغداد گئے اور وہیں پر اپنے ہموطن امام حدیث علی بن موسیٰ دیبلیؒ سے حدیث کی روایت کی، اس سے پہلے یا اس کے بعد دیبل میں علی بن موسیٰؒ سے روایت کی ہے، آپ سے ابو الحسین بن جُندیؒ نے روایت کی ہے آپ چوتھی صدی میں دیبل کے کبار محدثین میں سے تھے۔

ابو القاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلیؒ

آپ ابن ابی قطعان دیبلیؒ کی کنیت سے مشہور ہیں، دیبل سے مصر جا کر احادیث کا درس دیا، ابو سعید بن یونسؒ نے وہیں آپ سے حدیث کا املا کیا، قدما محدثین میں ہیں،

علی بن احمد بن محمد دیبلیؒ

آپ غالباً مقری شام ابو عبداللہ دیبلیؒ کے نواسے ہیں،۔ ابو العباس الاصمؒ اور ابو عبداللہ بن احمد بن موسیٰ دیبلیؒ وغیرہ سے روایت کی ہے، آپ کی تصانیف میں کتاب ادب القضاء قضاء کے مسائل پر بہت ہی اہم کتاب ہے، تیسری صدی کے مشاہیر شوافع میں آپ کا شمار تھا۔

علی بن موسیٰ دیبلی بغدادیؒ آپ چوتھی صدی کے کبار محدثین میں سے ہیں، اپنے شہر دیبل میں حدیث کا درس دیتے تھے، چنانچہ خلف بن محمد دیبلی نے دیبل ہی میں آپ سے روایت کی ہے، آپ نے بغداد میں بھی حدیث کی روایت کی ہے۔

ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی مکیؒ آپ محدث مکہ کے لقب سے مشہور ہیں، دیبل سے جاکر مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت و مجاورت اختیار فرمائی، اور مجاور مکہ کہلائے، آپ کے صاحبزادے ابراہیم بن محمد دیبلیؒ بھی مشہور محدث ہیں، ابوعبداللہ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومیؒ، ابوعبداللہ حسین بن حسن مروزیؒ، عبدالحمید بن صبیحؒ، ابوالحسن احمد بن ابراہیم مکیؒ، اور ابوبکر محمد بن ابراہیم مقریؒ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے، جمادی الاول ۳۲۲ھ میں مکہ میں فوت ہوئے،

ابوبکر محمد بن حسین بن محمد دیبلی شامیؒ چوتھی صدی کے مشہور قاری و مقری تھے، امام ہارون اخفشؒ کے دو تلامذہ، ابن ابی حمزہؒ اور ابن ابی داؤدؒ سے قرأت کی تعلیم حاصل کی، اور ان سے امام حافظ ابوالحسن علی بن عمر دارقطنیؒ، اور عبدالباقی بن حسنؒ نے روایت کی ہے، آپ کی مستقل سکونت ملک شام میں تھی،

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ دیبلی شامیؒ ابوعبداللہ دیبلی کی کنیت و نسبت سے مشہور ہیں، اپنے زمانے کے اولیائے کبار میں سے ہیں، صاحب کشف و کرامت عابد و زاہد ہیں، ساتھ ہی زبردست قاری و مقری بھی ہیں تجوید و قرارت کے ساتھ قرآن کی تعلیم جعفر بن محمد بن سقیطؒ عبدالرزاق بن حسنؒ اور سکن بن بجرویہؒ جیسے ماہرین فن سے حاصل کی تھی، ابن جوزیؒ نے صفۃ الصفوۃ میں آپ کا حال لکھا ہے، تیسری صدی میں تھے، مستقل سکونت شام میں تھی،

ابوالعباس محمد بن محمد بن عبداللہ دیبلی عابد و زاہد اور بڑے نیک و پارسا عالم دین تھے،

ذریعہ معاش کتابوں کی تجارت تھا ابو خلیفہ فضل بن حباب حجمیؒ جعفر بن محمد بن حسن فریابی ؒ، عبدان بن احمد بن موسیٰ سکری ؒ، اور محمد بن عثمان بن ابی سوید بصری ؒ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی تھی، آپ کے تلامذہ میں مشہور امام حدیث ابو عبد اللہ حاکم ؒ ہیں، انھوں نے آپ سے حدیث کا سماع کیا ہے، رمضان ۳۵۴ھ میں فوت ہوئے،

ابو محمد دیبلی بغدادیؒ آپ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کے ارشد تلامذہ اور خاص اصحاب میں سے ہیں، ابو محمد دیبلیؒ نے حضرت شیخ جنیدؒ کے وصال کے وقت ان سے عرض کیا کہ آپ کے بعد ہم کس کے یہاں جائیں؟ اور کس کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کریں؟ تو آپ نے اپنے خلیفہ شیخ ابو محمد جریری ؒ کا نام لیا،

ابو موسیٰ دیبلی بغدادیؒ حضرت بایزید بسطامیؒ کے بھانجے ہیں اور ان کی بابرکت صحبت سے فیض اٹھایا ہے، حضرت بایزیدؒ کے بہت سے اقوال آپ سے منقول ہیں۔

بوقان کی علمی مرکزیت اور یہاں کے علماء و محدثین جیسا کہ معلوم ہوا بوقان سندھ کے ان خاص شہروں میں سے تھا، جہاں قدیم زمانہ سے مسلمان آباد تھے، اور یہ اسلامی علاقہ تھا، بلاذری نے تیسری صدی کے وسط میں لکھا ہے:

واھل البوقان الیوم مسلمون[1] بوقان کے باشندے ہمارے زمانہ میں مسلمان ہیں۔

اسی کے پاس عباسی گورنر عمران بن موسیٰ برمکی نے بیضا نامی شہر آباد کیا تھا، اور اسی جگہ سے اسلامی فوجیں اطراف و جوانب میں جہاد کرتی تھیں، الغرض یہ مقام شروع ہی سے اسلام اور مسلمانوں کی سرگرمی کا مرکز رہا ہے، ہماری دانست میں یہاں سے کئی علماء و محدثین اٹھے ہیں، جنہوں نے بوقان اور اس کے باہر دیگر ممالک میں دینی علوم و فنون کو پھیلایا

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۳۔

ہے، ان میں سے چند یہ ہیں۔

ابو المکارم فضل اللہ بن محمد بوقانی سندھی

امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ امام بغویؒ صاحب مصابیح کے حال میں کیا ہے اور لکھا ہے ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد بوقانی امام بغوی کے آخری شاگرد ہیں، جنہوں نے ان سے روایت بالاجازہ کی ہے۔

محمد بن احمد بن محمد بن خلیل بن احمد بوقانیؒ

۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے، اور محرم ۵۴۹ھ میں بوقان میں فوت ہوئے، آپ نے امام ابو بکر بن خلف شیرازی سے احادیث کا سماع کیا، اور آپ سے عبدالرحیم بن سمعانی نے روایت کی، آپ کا تذکرہ امام سبکیؒ نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں کیا ہے۔

محمد بن احمد بن منصور بوقانیؒ

آپ نے امام ابو حاتم بن محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ سے روایت کی، جیسا کہ امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابن حبان بستی کے ذکر میں کیا ہے۔

ابو سعید محمد بن اسعد بن محمد بوقانیؒ

آپ نے امام غزالیؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، آپ کا لقب سدید الدین تھا، ۵۵۶ھ میں مشہد امام رضاؒ میں ایک یلغار میں شہید کر دیئے گئے، آپ کا تذکرہ امام سبکیؒ نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں کیا ہے۔

الور کی علمی مرکزیت اور یہاں کے علماء و محدثین

ہباری حکومت میں علم کا ایک اور مرکز الور بھی تھا، پہلی صدی کے خاتمہ پر محمد بن قاسم نے اسے فتح کر کے ایک مسجد تعمیر کی اور یہاں مسلمان حاکم و قاضی اور خطیب مقرر کیا، اسی زمانہ سے الور سندھ کے مسلمان امراء و حکام کی اطاعت و امان میں رہا، یہاں کے غیر مسلم باشندے خراج ادا کرتے رہے، اور حکومت حسب سابق مقامی ہندو راجوں کے ہاتھ میں رہی، ہباری

دور حکومت میں بھی الور کی یہی حیثیت رہی کہ منصورہ سے وابستہ رہا اور قدیم خاندان کے ہاتھ
میں بھی الور کی یہی حیثیت رہی کہ منصورہ سے وابستہ رہا اور قدیم خاندان کے ہاتھ میں حکومت
رہی، یہیں کا راجہ مہروق بن رائق عبداللہ بن عمر ہباری کے زمانہ میں اسلام کو سمجھ کر خفیہ مسلمان ہوگیا تھا مشہور سیاح ابن بطوطہ نے یہاں کے قاضی و خطیب کے پاس حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط دیکھا تھا، جسے انھوں نے اس خاندان کے مورث اعلیٰ کے پاس اپنے دور خلافت میں روانہ فرمایا تھا۔

ساتویں صدی میں یہاں کے خطیب و قاضی شیخ اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ طائی تھے، ان کے آباء و اجداد یہاں کے قدیم باشندے اور قاضی و خطیب تھے، ان میں سے کسی بزرگ نے عربی زبان میں سندھ کی اسلامی تاریخ اور یہاں کے اسلامی فتوحات و غزوات کی تفصیل لکھی تھی جس کے اجزار قاضی اسمٰعیل کے پاس تھے، علی بن حامد اچی سندی نے ۶۱۳ھ میں ان کو لے کر عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا، جو بعد میں چچ نامہ کے نام سے مشہور ہوا، الغرض یہ شہر ابتدار ہی سے علمی و دینی رہا ہے،

عالم اسلام کے علمار ہندوستان اور سندھ میں

جس طرح ہندوستان کے علمار و محدثین عالم اسلام میں گھوم گھوم کر اسلامی علوم کی تعلیم و توسیع میں سرگرم تھے، اسی طرح عالم اسلام کے علمار ہندوستان میں آکر یہاں کی علمی و دینی مجلسوں سے اکتساب فیض کرتے تھے، اور یہاں کے ائمہ و علمار کے حلقہ کو غنیمت جان کر ان کے درس میں شریک ہوتے تھے، ایسے بے شمار علمار میں سے چند کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں،

شیخ الاسلام ابو عثمان صابونی متوفی ۴۴۹ھ رحمۃ اللہ کا نام اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن احمد ہے خطیب، مفسر، محدث، واعظ، اور مشائخ وقت میں اپنے طرز کے یکتا بزرگ ہیں، سماعِ احادیث کے لیے مجالس کا انعقاد ان کا بہترین شغلہ تھا ان کی

تصانیف خوب پھیلیں، ستر سال تک اپنے مواعظ سے لوگوں کو فیض پہنچایا، نیسا پور، ہرات، شام، حجاز، معرۃ النعمان، جبال، خراسان، اہلی، طبرستان، بیت المقدس، غزنہ اور بلاد ہندوستان وغیرہ میں گھوم گھوم کر ان بلاد و امصار کے علماء و محدثین سے احادیث کا سماع کیا تھا، بوشنج میں جمادی الاخری ۳۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۳ محرم ۴۴۹ھ میں فوت ہوئے[۱] امام ابوعثمان صابونی ہندوستان کے بادشاہ کے پاس آئے اور یہاں سے واپسی پر ہرات گئے، جہاں کئی دنوں تک حدیث کی مجلس منعقد کی،

ملک النحاۃ ابو نزار حسن بن صافی بغدادی، فقیہ اور اصولی تھے، نحو اور فنون ادب میں ان کی کئی تصنیفات ہیں، ملک النحاۃ ان کا لقب ہے جسے خود ہی اپنے لیے تجویز کیا تھا بڑے فصیح و بلیغ عالم تھے، دنیاوی جاہ و جلال حاصل تھا، شافعی مسلک تھا، خراسان اور ہندوستان کے دینی و علمی سفر کے بعد واسط میں مدتوں مقیم رہے، پھر دمشق میں مستقل اقامت اختیار کی فقہ شافعی میں ان کی کتاب الحاکم بہت مشہور ہے، دمشق میں ۵۶۸ھ میں فوت ہوئے[۲]

حسین بن منصور حلاج مقتول ۳۰۹ھ، مشہور صوفی و بزرگ ہیں، آپ نے ہندوستان کا سفر کیا اور اپنے سلسلہ کو پھیلایا، یہاں کے مریدین آپ سے خط و کتابت کرتے تھے اور مغیث کے لقب سے یاد کرتے تھے[۳]

ابو احمد خلف بن احمد بن خلف بن لیث بن فرقد سجزی متوفی ۳۹۹ھ، سجستان میں کسی علاقہ کے حاکم و بادشاہ تھے، ساتھ ہی ارباب علم و فضل میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و دنیا کی دولت سے نوازا تھا، خراسان اور عراق میں حدیث کا سماع کیا، امام ابوعبداللہ حاکم نے ان سے روایت کی ہے، رجب ۳۹۹ھ بلاد ہند میں بحالت حبس انتقال فرمایا، اور ساتھ ہی آپ کا ملک جاتا رہا[۴]

---

[۱] معجم البلدان ج ۳ ص ۲۷۔ [۲] شذرات الذہب ج ۴ ص ۲۲۷۔ [۳] العبر فی خبر من غبر ذہبی ج ۲ ص ۱۳۸ طبع کویت۔ [۴] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۵

ابوالحسن سعد الخیر بن محمد بن سہل بن سعد اندلسی انصاری متوفی ۵۴۱ھ. اندلس کے رہنے والے تھے وہاں ہندوستان اور چین کے شہروں کا سفر کیا اور سمندروں میں بڑے خطرات سے مقابلہ کیا، پھر بغداد جاکر فقہ و حدیث کی تکمیل فرمائی، فقہ حامد غزالیؒ سے اور ادب خطیب تبریزی وغیرہ سے حاصل کیا، آپ کے اساتذہ میں بہت سے علماء و محدثین ہیں بڑے نیک اور ثقہ عالم تھے[1]

ابوبکر محمد بن معاویہ بن عبدالرحمٰن اندلسی مروزی قرطبی متوفی ۳۵۸ھ، محدث اندلس ہیں، ابن احمر کے لقب سے مشہور ہیں، اندلس سے مشرق کا سفر کیا اور امام نسائیؒ امام فریابیؒ، اور ابو خلیفہ جمحیؒ سے روایت کی، سنن نسائی سب سے پہلے اندلس میں آپ کے ذریعہ پہنچی، تجارت کے لیے ہندوستان آئے مگر یہاں نقصان اٹھانا پڑا اور تیس ہزار دینار کا مال سمندر کی نذر ہوگیا، جس کی وجہ سے یہاں سے فقیر ہوکر واپس ہوئے[2]

امام حافظ ابوالحسن عبدالغافر بن اسمٰعیل نیساپوری متوفی ۵۲۹ھ، ذہبیؒ نے آپ کو حافظ، مفید، لغوی اور امام کے لقب سے یاد کیا ہے ان کی تصنیفات میں تاریخ نیساپور مجمع الغرائب اور مفہم شرح مسلم مشہور ہیں، اعیان محدثین میں سے تھے، چالیس سال تک امام الحرمین کی خدمت میں رہ کر تفقہ حاصل کیا، خوارزم اور ہندوستان کا سفر کیا تھا[3]

ابوعبداللہ محمد بن ابی العوج مالکی مغربی متوفی ۵۰۱ھ، آپ کا لقب زکی الدین ہے صقلیہ (سسلی، اٹلی) کے رہنے والے تھے، نحو اور لغت کے عالم تھے، صقلیہ سے عراق آئے، یہاں سے خراسان گئے، پھر وہاں سے غزنہ اور ہندوستان کے شہروں میں گئے، اور اصبہان میں وفات پائی،

محمد بن اسمٰعیل تنوخی منجم، فلسفی، ابن صاعد اندلسی نے اس کا تذکرہ طبقات الامم میں

---

[1] مرأۃ الزمان ج ۸ ص ۱۹۳ - قسم اول - [2] العبر فی خبر من غبر ج ۲ ص ۳۱۲ و بغیۃ الملتمس -
[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۶۸ و ص ۶۹ -

عربوں کے عقلیاتی علوم و فنون اور ان کے علمار کے سلسلہ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ محمد بن اسمٰعیل تنوخی منجم احکام فلسفہ کے مشہور علمار میں سے تھا، اس نے ہندوستان کا سفر کر کے وہاں سے علوم نجوم کے عجائب و غرائب حاصل کیے اور ان کو عام کیا۔[1]

ابوالریحان محمد بن احمد بیرونی، متوفی حدود ۴۳۰ھ و ۴۴۰ھ صاحب کتاب الہند، ہندوستان کے علوم و فنون کا یہ عالم دنیا میں مشہور ہے اس نے یہاں کے نجوم و ہیئت اور حساب و ریاضی سے اپنی معلومات اور تصنیفات کے ذریعہ پوری دنیا کو روشناس کرایا ہے، کتاب الہند، تحقیق بالہند اور القانون المسعودی اس کی مشہور کتابیں ہیں جن میں ہندوستان کے علوم و فنون پر بحث ہے۔

یہ ہماری دور کے بعد ہندوستان آیا تھا جبکہ غزنوی حکومت قائم ہو چکی تھی۔

ابو معشر فلکی بلخی، عصر عباسی کا مشہور اور ماہر فلکیات ہے، یہ ہندوستان آیا اور مدتوں رہ کر یہاں کے ماہرین فلکیات و نجوم سے تحصیلِ علم و فن کیا، اور کتاب السنین والموالید نامی کتاب لکھی، ۲۷۲ھ میں فوت ہوا۔

ان میں سے کئی علمار ہماری حکومت کے بعد ہندوستان آئے، مگر ظاہر ہے کہ انھوں نے ہماری چمن علم و فن سے پھول چنے، اور نئے دور میں پرانے دور کی علمی و دینی قدریں ان کے کام آئیں۔

---

[1] طبقات الامم مطبعۃ التقدم مصر ص ۴۶۔

(۳)

دولتِ سامیہ ملتان

بنو سامہ کے حالات میں انساب و تذکرہ کی حسب ذیل کتابیں ہمارے سامنے ہیں: کتاب المعارف، ابن قتیبہ دینوریؒ متوفی ۲۷۶ھ، کتاب المجبّر ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادیؒ متوفی ۲۴۵ھ، کتاب نسب قریش، مصعب زبیریؒ متوفی ۲۳۳ھ، کتاب جمہرۃ الانساب العرب، ابن حزم اندلسیؒ متوفی ۴۵۶ھ، کتاب الاغانی، ابو الفرج اصفہانی متوفی ۳۵۶ھ، افسوس کہ زبیر بن بکارؒ متوفی ۲۵۶ھ کی کتاب جمہرۃ انساب قریش کی وہ جلد اب تک شایع نہ ہو سکی جس میں بنو سامہ کا تذکرہ ہے، مذکورہ بالا کتابوں سے ہم بنو سامہ کے ابتدائی حالات ذرا تفصیل سے پیش کرتے ہیں کیونکہ بنو سامہ کو چند وجوہ کی بنا پر ان کے دشمنوں نے بڑی مظلومانہ صورت میں پیش کر کے ہر حیثیت سے ان کو گرانے کی کوشش کی ہے۔ سامہ بن لوئی کی اولاد عام طور سے مکہ چھوڑ کر دور دراز مقامات میں آباد ہوئی، جس سے ان کے مخالفوں کو مطعون فی النسب کرنے کا موقع ملا، اور چونکہ ان میں سے اکثر مشاجراتِ صحابہ میں عثمانی تھے، اس لیے ان کو حضرت علیؓ کا دشمن بتایا گیا، بلکہ ان میں سے ایک طبقہ کو مرتد قرار دیا گیا، اس لیے ابتدا میں ان کے حالات ذرا تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں۔

ابن قتیبہؒ کا بیان قبیلۂ قریش میں اوپر کے سلسلے میں فہر نامی ایک مشہور شخص

ہے، اسی کا لقب قریش ہے، جس سے پورا قبیلہ مشہور ہے، اس کا پوتا لوئی بن غالب بن فہر ہے، جس سے کئی قریش خاندانوں کا سلسلۂ نسب ملتا ہے، لوئی بن غالب کے سات بیٹے تھے، (۱) کعب بن لوئی (۲) عامر (۳) سامہ (۴) سعد (۵) خزیمہ، (۶) حارث (۷) عوف، ان میں کعب بن لوئی سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نسبی تعلق ہے، اور سامہ بن لوئی سے ملتان کے سامی حکمران ہیں، سامہ بن لوئی نے مکہ سے نکل کر عمان میں سکونت اختیار کی، وہیں فوت ہوا، اور اس کی اولاد وہیں آباد ہوئی:

واما سامة بن لوئی فوقع بعمان وھلك بھا فولدہ ھناك[۱]	سامہ بن لوی عمان چلا گیا، اور وہیں فوت ہوا، اس لیے اسکی اولاد عمان میں رہی،

ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی کا بیان

قریش کے کچھ قبائل بطاح اور کچھ ظواہر ہیں مگر سارے قبائل قریش ان ہی دونوں طبقوں میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ ان کے علاوہ بھی قریشی قبائل ہیں، چنانچہ ان ہی میں سے سامہ بن لوئی ہے جس نے عمان میں سکونت اختیار کی اور اس کی اولاد وہاں بنو ازد کی حلیف بن کر آباد ہوئی۔

سامة بن لوئی دفتر الی عمان فولدہ ھناك خلفاء ازد عمان[۲]	سامہ بن لوئی نے عمان میں سکونت کی، اور وہاں پر اس کی اولاد قبیلہ ازد کی حلیف بن کر رہی۔

حارث بن لوئی نے یمامہ میں سکونت کی اور اس کی اولاد یمامہ کے بنو ہزان کے ساتھ رہی، حارث کا لقب حیشم ہے، بنی حارث بن لوئی کو مخاطب کر کے جریر نے کہا ہے۔

بنی حیشم ألستم لھزان فانتموا   لفرع الروابی من لوئی بن غالب
ولا تنکحوا فی آل ضور بناتکم   ولا فی سکیس بئس حی الغرائب

[۱] کتاب المعارف ص ۳۲ طبع مصر ۱۳۵۳ھ ۔ [۲] کتاب المحبر ص ۱۶۸ طبع حیدرآباد

اور خزیمہ بن لوئی کی اولاد نے جزیرہ میں آباد ہو کر بنی حارث بن ہمام بن مرۃ بن ذہل بن شیبان میں بود و باش اختیار کی، اور سعد بن لوی اور عوف بن لوی کی اولاد غطفان کے ساتھ رہنے لگی، عوف بن سعد بن ذبیان بن بغیض کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ یہی عوف بن لوئی ہے، اسی وجہ سے حارث بن ظالم مری نے ان اشعار میں اس کی نسبت قریش کی طرف کی ہے۔

رفعت الرصح اذ قالوا: قریش وشبہت الشمائل والقبابا

فما قومی بثعلبۃ بن سعد ولا بفزارۃ الشعری رقابا

بنو سعد بن لوئی کو بنانہ اور بنو خزیمہ بن لوئی کو عائذہ قریش کہا جاتا ہے، ایک شاعر کہتا ہے۔

ضرب التجیبی المضلل ضربۃ ردت بنانۃ فی بنی شیبانا

والعائذی لمثلھا متوقع لما تکن وکانہ قد کانا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان تمام قبائل کو قریش کے ساتھ ملا کر ان کو قریشی شمار کیا تھا[۱]

ان دونوں علمائے انساب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لوئی بن غالب بن فہر کی اولاد نے اپنے مرکز کو چھوڑ کر عرب کے دور دراز مقامات میں مستقل بود و باش اختیار کی، اور وہ اپنے نئے ہموطنوں سے ولاء و حلف کا تعلق پیدا کر کے ان میں یوں مل جل گئے کہ سلسلۂ نسب اور رشتۂ مناکحت میں مشتبہ قرار دیئے جانے لگے، حتی کہ بعض شعراء نے اپنے اشعار میں اسے ظاہر کیا، نیز باہر نکل جانے والے یہ قریشی قبائل مختلف القاب سے مشہور ہوئے، حارث ابن لوئی جشم کے لقب سے مشہور ہوا۔ سعد بن لوئی کی اولاد بنانہ کہلائی، اور خزیمہ بن لوئی کی اولاد کو عائذہ قریش کا لقب

[۱] کتاب المحبر ص ۱۶۸ و ص ۱۶۹۔

دیا گیا، اس طرح بنو سامہ بن لوئی عمان، جزیرہ یمامہ اور ارض غطفان میں آباد ہو کر وہاں کے وہاں کے قدیم قبائل میں مل گئے، اور مختلف ناموں سے یاد کیے جانے لگے، چونکہ سامہ بن لوئی کی اولاد میں بنو ناجیہ بعد میں اثر و اقتدار کے مالک ہوئے، مسلمانوں کے باہمی قضایا و معاملات میں طرفدار بنے، اور ان کو ہر اعتبار سے فروغ ہوا، اس لیے ان کو فتنہ معاصرت اور حسد و عداوت نے بُری طرح مجروح کرنے کی کوشش کی، اور خاص طور سے بنو ناجیہ کو حسب و نسب اور مذہب کے بارے میں مطعون کیا گیا۔

مصعب زبیری کا بیان

ولد سامہ بن لوئی کے ماتحت مصعب زبیری نے لوئی بن غالب کی اولاد میں سامہ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ اسی کی اولاد کو بنو ناجیہ کہتے ہیں، یہ لوگ عمان میں آباد ہوئے،

وسامة، وهم بنو ناجية، نزلوا بعمان[۱] — سامہ بن لوئی کی اولاد بنو ناجیہ ہے ان لوگوں نے عمان میں سکونت اختیار کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سامہ نہیں بلکہ اس کی اولاد بنو ناجیہ نے عمان جا کر وہیں بود و باش اختیار کی، جبکہ ابن قتیبہؒ نے خود سامہ کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وہ عمان چلا گیا تھا، اور وہیں اس کی موت واقع ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی باقی اولاد کو مکہ میں چھوڑ کر اپنے بیٹے غالب بن سامہ اور اس کی اولاد کو لے کر عمان چلا گیا تھا، مگر آگے اغانی کا بیان کچھ اور بتا رہا ہے، مصعب زبیری نے دوسری جگہ سامہ بن لوئی کی اولاد کی تفصیل یوں بیان کی ہے،

(۱) حارث بن سامہ، اس کی ماں ہند بنت تیم بن غالب ہے۔

(۲) غالب بن سامہ، اس کی ماں ناجیہ بنت جرم بن ربان ہے، غالب اپنے باپ کے بعد لاولد مرا۔

۱ے کتاب نسب قریش ص ۱۳ طبع مصر۔

حارث بن سامہ کے کئی لڑکے تھے: (۱) لوئی بن حارث (۲) علیدہ، (۳) زمعہ، اور (۴) سعد، ان سب کی ماں سلمیٰ بنت تیم بن شیبان تھی، (۵) عبد البیت اور (۶) مدرک ان دونوں کی ماں ناجیہ بنت جرم تھی، جاہلی دستور کے مطابق سامہ نے اپنے باپ کے مرنے پر اس کی بیوی ناجیہ کو اپنی زوجیت میں داخل کر لیا تھا جس کے بطن سے یہ دونوں اولاد تھی۔

عبد البیت کی اولاد میں آگے چل کر وہ لوگ ہوئے جن کو حضرت علی بن ابی طالبؓ نے قتل کیا تھا، اس وقت بنو عبد البیت کا سردار خریت بن راشد تھا حضرت علیؓ نے ان کے مقابلہ کے لیے بنی یربوع کے معقل بن قیس ریاحی کو روانہ کیا تھا۔ اس سے پہلے خریت حضرت علیؓ کے ساتھ تھا، مگر تحکیم کے وقت ان سے جدا ہو کر مخالف بن گیا۔

عبد البیت بن حارث بن سامہ کی اولاد میں سے حبیب بن شہاب تھے، بصرہ میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، اور عبد اللہ بن عامر نے ان کو بصرہ میں ایک نہر جاگیر کے طور پر دی تھی، عبد البیت ہی کی اولاد میں سے جہم بن مسعود بن بدر بن جہم تھا،

لوئی بن حارث بن سامہ بن لوئی کی کئی اولاد تھی (۱) عباد (۲) مالک (۳) زائدہ، اور (۴) عبد اللہ، یہ سب کے سب رہط منصورہ بن منجاب میں شمار ہوتے ہیں،

عباد بن لوئی بن حارث بن سامہ کی اولاد میں عوف نامی ایک شخص تھا، اسی کی نسل سے فقیم بن زیاد بن عوف بن ذہل بن بکر بن عمرو بن عوف بن عباد بن لوئی تھے، جو جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہ کر قتل ہوئے، یہی لوگ بنو سامہ بن لوئی ہیں[۱]

ابن حزم کا بیان امام ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں وھولاء ولد سامۃ بن لوی کے ماتحت لکھا ہے کہ ایک قریشی شاعر نے کہا ہے۔

---

[۱] کتاب نسب قریش ص ۴۴۰،

وسامة منا، فأما بنوه فأمرهم عندنا مظلم

سامہ بن لوی کی اولاد (۱) حارث بن سامہ، اس کی ماں ہند بنت تیم الادرم بن غالب ہے، (زبیری نے تیم بن غالب لکھا ہے) (۲) غالب بن سامہ، اس کی ماں ناجیہ بنت جرم بن ربان ہے، اسی ناجیہ کی طرف اس کے شوہر کی اولاد منسوب ہو کر بنو ناجیہ کہلاتی ہے حالانکہ ناجیہ کے لڑکے غالب کے پیچھے کوئی اولاد نہیں رہی، بلکہ اس کے بھائی حارث کی اولاد تھی جس نے بعد میں ناجیہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔

حارث بن سامہ کی اولاد یہ تھی (۱) لوی، (۲) عبیدہ (۳) سعد (۴) ربیعہ (زبیری نے زمعہ لکھا ہے) (۵) عبد البیت (۶) ساعدہ اور (۷) حارث (زبیری نے ان دونوں کے نام نہیں لکھے ہیں، البتہ مدرک کا نام لکھا ہے) ساعدہ کی اولاد باقی ہے۔

حارث بن عبد البیت کی اولاد میں جلیس شاعر تھا جس کا نام علی ہے اور اس کے دو بھائی محمد، اور عبد اللہ تھے، جو بنو جہم مشہور ہیں ان کا نسب یوں ہے بنو جہم بن بدر بن جہم بن مسعود بن اسید بن اذینہ بن کرار بن کعب بن جابر بن مالک بن عتبہ بن حارث بن عبد البیت بن حارث بن سامہ بن لوی۔

جہم بن بدر خلیفہ واثق (۲۳۲ھ) کا والی شرطہ (پولیس افسر) تھا، نیز زبید یمن اور اس کے حدود کا والی وحاکم تھا،

بنو عبد البیت ہی سے خریت بن راشد کے ساتھی تھے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے تو آپ نے ان سے جنگ کی اور ان کو قتل کر کے انکی عورتوں اور بچوں کو قید کیا، جن کو مصقلہ شیبانی نے خرید کر آزاد کر دیا اور حضرت معاویہ کے یہاں بھاگا، حضرت علیؓ نے ان قیدیوں کی آزادی کو بحال رکھا۔

ربیعہ بن حارث بن سامہ کی اولاد یہ ہے (۱) خیثم (۲) حمام، اور (۳) مازن یہ سب کے سب رہط اسلم بن کرب بن سفیان بن سہم میں شمار ہوتے ہیں۔

سعد بن حارث بن سامہ کی اولاد میں سے نصر بن سعید بن علاء بن مالک موصلی ہیں، بنی سعد بن حارث کی نسل باقی ہے، عبیدہ بن حارث بن سامہ کی اولاد میں سے عباد بن منصور ناجی قاضیٔ بصرہ ہیں، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے منصور بن عباد بن سامہ بن حارث بن قطن بن مدلج بن قطن بن احزم بن ذہل بن عمرو بن مالک بن عبیدہ بن حارث بن سامہ بن لوئی، اور اسی کی اولاد میں محدث محمد بن عرعرہ بن یزید بن نعمان بن عجلہ بن افقع بن کرمان بن حارث بن حارثہ بن مالک بن سعد بن زیادہ بن عبیدہ بن حارث بن سامہ بن لوئی بھی ہیں[1]

ان دونوں ائمۂ انساب کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب بن سامہ کی ماں ناجیہ بنت جرم بن ربان تھی، اسی کی نسبت سے بنو سامہ کی ایک شاخ بنو ناجیہ مشہور ہوئی، مگر اس کے بیٹے غالب بن سامہ سے کوئی اولاد باقی نہیں رہی اور وہ اپنے باپ سامہ کے بعد لاولد مرا، البتہ اس کے بھائی حارث بن سامہ نے جاہلی رسم کے مطابق اپنے باپ کی بیوی ناجیہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا، اس سے جو اولاد ہوئی وہ بنو ناجیہ کہلائی امام ابن حزم نے لکھا ہے۔

وغالب بن سامة، امه ناجية بنت جرم بن ربان، اليها نسب ولد زوجها فهم بنو ناجية ولا عقب لغالب الذی هو ولد ناجية، و انما العقب لاخيه الحارث خلف علی ناجية فنسب ولده اليها.[1]	غالب بن سامہ کی ماں ناجیہ بنت جرم بن ربان ہے، اسی کی طرف اس کے شوہر سامہ کی اولاد منسوب ہو کر بنو ناجیہ کہلائی، غالب کے کوئی اولاد نہیں چلی جو کہ ناجیہ کا بیٹا ہے بلکہ اس کے بھائی حارث بن سامہ کی اولاد کا سلسلہ چلا جو اپنے باپ سامہ کی عورت ناجیہ کا وارث و مالک بنا، اسی کی اولاد ناجیہ کی طرف منسوب ہوئی۔

بنو سامہ کے نسب کے منکروں نے اسی مقام میں الجھن پیدا کر کے ان کو مجہول النسب

[1] جمہرۃ انساب العرب ص ۱۷۳۔

قرار دینے کی کوشش کی ہے جیسا کہ اغانی کے بیان سے معلوم ہوگا، دوسری اہم بات ان دونوں ماہرین انساب کے بیان سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنو عبد البیت کے ارتداد کی کہانی مشتبہ ہے مصعب زبیری نے صرف اتنا لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو قتل کر دیا، یہ لوگ ان کے ساتھ تھے مگر واقعہ تحکیم کے بعد ان سے جدا ہو کر مخالف ہو گئے۔ اور ابن حزم نے لکھا ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں مرتد ہو گئے تھے اس لیے آپ نے ان سے قتال کی، اس میں حضرت علیؓ کی موافقت یا مخالفت کی کوئی تصریح نہیں ہے اور اغانی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بہت پہلے مرتد ہو گئے تھے اور حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں ان سے قتال کیا اور ان کو غلام بنایا۔

ابوالفرج اصفہانی صاحب الاغانی

ابوالفرج اصفہانی متوفی سنہ ھ کوئی ماہر انساب یا مورخ نہیں اور نہ اس کی کتاب الاغانی انساب و تاریخ کی کتاب ہے مگر اس میں قصص و روایات کے سلسلہ میں بنو سامہ کے ابتدائی حالات ملتے ہیں جن سے کئی باتوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اس لیے یہاں پر ان کا نقل کر دینا مناسب ہے، دور متوکل کے مشہور شاعر علی بن جہم سامی کے حالات میں اس کا سلسلۂ نسب حارث بن عبد البیت بن سامہ بن لوئی بن غالب تک درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

ھکذا ایدعون وقریش تدفعھم	اسی طرح یہ لوگ اپنے نسب کا دعوی کرتے ہیں
عن النسب وتسمیھم بنی ناجیۃ	مگر قریش ان کو اپنے قبیلہ سے تسلیم نہیں کرتے اور
وینسبون إلی امھم ھاجیۃ	ان کو بنی ناجیہ کہتے ہیں، اور ان کی ماں ناجیہ کی
وھی امرأۃ سامۃ بن لوئی (صفحہ ۳۵)	طرف منسوب کرتے ہیں جو سامہ بن لوئی کی بیوی تھی۔

پھر لکھا ہے کہ جیسا کہ کہا گیا ہے سامہ اپنے بھائی کعب بن لوئی سے کسی بات پر خفا ہو کر بحرین چلا، راستہ میں اس کی اونٹنی نے گھاس کھانے کے لیے گردن زمین کی

طرف کی تو اس کے منہ میں ایک سانپ لپٹ گیا، جسے اونٹنی نے اپنے پالان سے رگڑا، اور سانپ نے اس میں گھس کر سامہ کے پیر میں ڈس لیا، جس سے اس کی موت ہوگئی، جب اس حادثہ کی خبر اس کے بھائی کعب کو ہوئی تو اس نے یہ مرثیہ کہا:

عینُ جودی لسامۃ بن لوی   علقت ساق سامۃ العلاقہ

اے آنکھ! سامہ بن لوئی کے لیے اشکبار ہو، سامہ کی پنڈلی سے سانپ لپٹ گیا

ربّ کاس ھرقتہا ابن لوی   حذر الموت لم تکن مھراقہ

اے ابن لوئی! تو نے کتنے ہی جام گرا یے مگر موت کے ڈر سے نہیں گرایا

جو لوگ بنو سامہ کے نسب کے منکر ہیں ان کا کہنا ہے کہ بحرین میں سامہ کے ساتھ اس کی بیوی ناجیہ بھی تھی، جب اس کا انتقال ہوگیا تو ناجیہ نے بحرین کے ایک آدمی سے شادی کر لی، جس سے حارث پیدا ہوا، اس کے بچپن میں اس کا باپ مر گیا جب وہ بڑا ہوا تو اس کی ماں ناجیہ نے اسے قریش میں ملانا چاہا چنانچہ حارث کو بتایا کہ تم سامہ بن لوئی کے لڑکے ہو، اس کے بعد حارث اپنے چچا کعب کے پاس مکہ گیا اور کہا کہ میں آپ کا بھتیجا ہوں، کعب نے اس کی ماں کو پہچان کر اس کے دعوئ نسب کو صحیح تسلیم کر لیا، حارث ایک زمانہ تک کعب کے پاس رہا اتفاق سے ان ہی دنوں بحرین سے ایک قافلہ مکہ آیا، قافلہ والوں نے حارث کو دیکھ کر سلام کیا اور تھوڑی دیر بات چیت کی، کعب نے ان سے پوچھا کہ اس سے تم لوگوں کی جان پہچان کہاں کی ہے، انھوں نے کہا یہ ہمارے شہر کے فلاں شخص کا لڑکا ہے، اور پھر تفصیلی بات بیان کی، اس کے بعد کعب نے حارث اور اس کی ماں ناجیہ دونوں کو نکال دیا، اور دونوں بحرین چلے آئے۔ یہاں حارث نے شادی کی جس سے یہ اولاد چلی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا عمّی سامۃ لم یعقب یعنی نے میرے چچا سامہ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

وكان بنو ناجية ارتدوا عن الاسلام — بنو ناجیہ اسلام سے مرتد ہوگئے تھے، اور جب

ولما ولی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ — حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ

الخلافة دعاهم إلى الاسلام فاسلم — نے ان کو اسلام کی دعوت دی، بعض تو اسلام

بعضهم، واقام الباقون على الردة — لائے اور باقی ردت پر قائم رہے، جن کو آپ نے

فسباهم واسترقهم (۲۱۶) — قید کر کے غلام بنایا۔

بعد میں ان کو مصقلہ بن ہبیرہ نے ان سے خرید لیا اور ایک تہائی رقم ادا کر کے باقی کا اقرار کیا، مگر ان کو آزاد کر کے راتوں رات حضرت معاویہؓ کے پاس بھاگ گیا، وہ سب تو آزاد ہو گئے مگر مصقلہ کے ذمہ ان کی قیمت باقی رہی۔ جس کی وجہ سے حضرت علیؓ نے اس کے مکان کا کچھ حصہ گرا دیا، اور ایک قول کے مطابق پورا مکان گرا دیا اور جب تک حضرت علیؓ زندہ رہے مصقلہ کوفہ نہیں گیا۔

ابن کلبی کا قول ہے کہ سامہ بن لوی کا لڑکا غالب بن سامہ ہے، اس کی ماں ناجیہ ہے، سامہ کے مرنے کے بعد ناجیہ کا وارث و مالک اس کا لڑکا حارث بن سامہ ہوا اور سامہ کے یہ دونوں لڑکے غالب اور حارث لاولد فوت ہوئے، اور ایک قوم جو ناجیہ بنت جرم بن ربان علاف سے ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہی بنو سامہ بن لوی ہے اور ان کی ماں وہی ناجیہ سامہ کی بیوی ہے انھوں نے حارث بن سامہ کی طرف اپنی نسبت کی، ان ہی لوگوں کو حضرت علی نے مصقلہ کے ہاتھوں فروخت کیا تھا،[۱۷] اس کی دلیل کے لیے کہ یہ لوگ بنو ناجیہ بنت جرم ہیں، علقمہ خصی تمیمی کا یہ قول پیش کرتے ہیں۔

زعمتم ان ناجی بنت جرم — عجوز بعد ما بلى السنام

فان كانت كذلك فالبسوها — فان الحلى للاشنى تمام

یہی قول ہشیم بن عدی کا بھی ہے، البتہ زبیر بن بکار نے ان کو قریش میں داخل کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ قریش عنازبہ ہیں، ان کو عازبہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی قوم سے

الگ ہو گئے اور اپنی ماں ناجیہ بنت جرم بن ربان کی طرف منسوب ہوئے، ربان ہی علاف ہے، اور اسی نے سب سے پہلے رحال علافیہ (علاقی کجاوے) بنائے ناجیہ کا نام لیلیٰ ہے، اسے ناجیہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ ربان کے ساتھ صحرا میں جا رہی تھی، جب پیاس لگی تو اس نے پانی مانگا اس نے کہا کہ پانی تو تمہارے سامنے ہے آگے چل کر پی لینا، وہ یہ کہکر اسے سراب دکھاتا تھا، وہ چلتی رہی یہاں تک چلتے چلتے اسے ایک جگہ پانی مل گیا اور اس نے پی کر نجات پائی،

زبیر بن بکار نے اپنے مسلک کی وجہ سے ان کو قریش میں داخل کیا ہے۔ یعنی امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کی مخالفت، اور زبیر کا رجحان بنو ناجیہ کی طرف اس لیے ہے کہ حضرت علی کی دشمنی پر ان کا اجماع ہے، جیسا کہ زبیر کا مذہب اس بارے میں مشہور و ماثور ہے۔[1]

اغانی کی اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سامہ بن لوئی نے عمان میں نہیں بلکہ بحرین میں سکونت اختیار کی، جو عام تصریحات کے خلاف ہے اور یہ کہ جو لوگ بنو ناجیہ کو قریش سے خارج کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ سامہ بن لوئی کے مرنے پر اس کی بیوی ناجیہ نے بحرین کے کسی آدمی سے شادی کر لی تھی، جس سے حارث پیدا ہوا، اور ایسا نہیں ہوا کہ سامہ کا بیٹا غالب اپنے باپ کی بیوی ناجیہ کا وارث ہوا اور اس کی اولاد چلے حالانکہ ماہرین انساب کا اتفاق ہے کہ غالب بن سامہ کی ماں ناجیہ کا وارث و مالک اس کا بھائی حارث بن سامہ ہوا، اور اس سے ناجیہ کی اولاد چلی، جو بنو ناجیہ کہلائی، یاروں نے اس کہانی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ زیب داستان کے لیے ایک جعلی اور موضوع حدیث بھی پیش کر دی، ابن کلبی اور ہیثم بن عدی نے سرے سے سامہ کے دونوں بیٹے غالب اور حارث کی اولاد ہی کا انکار کر دیا اور کہا کہ ان دونوں سے کوئی نسل چلی ہی نہیں،

---

[1] کتاب الاغانی ج ۱۰ ص ۲۱۵ تا ص ۲۱۰ ۔ طبع بیروت ۱۹۵۵ء

بلکہ بنو ناجیہ کے نام سے جو قوم مشہور ہے وہ کسی اور قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے، ان ہی بنو ناجیہ کو حضرت علیؓ نے قتل وقید کیا تھا، صاحب اغانی نے اپنا رجحان ظاہر کرتے ہوئے زبیر بن بکار کے بنو ناجیہ کو قریش میں داخل کرنے پر زبیر کی حضرت علیؓ کے طرز عمل سے ناراضگی بتانے کی کوشش کی ہے۔ یہ توجیہ صرف ذوقی ہے، اسی سلسلہ میں صاحب اغانی نے یہ بھی بتایا کہ بنو ناجیہ کا عداوتِ علیؓ پر اجماع ہے، ایک اور اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ بنو ناجیہ کے یہ مرتد بہت پہلے اسلام سے منحرف ہو گئے تھے اور ان کے ارتداد کو حضرت علیؓ کی سیاست دخلافت کے دور سے کوئی تعلق نہیں تھا جب آپ کی خلافت ہوئی تو براہ راست آپ نے ان سے قتال کیا اور آپ ہی نے ان کو قید کر کے مصقلہ کے ہاتھوں فروخت کیا۔

اور معقل بن قیس کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، حالانکہ مصعب زبیری اور آگے چل کر مسعودی نے ان کے ارتداد یا مخالفت علیؓ کو تحکیم کے سلسلہ میں درج کر کے معقل کا نام لیا ہے، البتہ ابن حزم اس کا نام لیے بغیر اسے حضرت علیؓ کے دور کا واقعہ قرار دیتے ہیں اور لکھا ہے کہ حضرت علیؓ ہی نے ان سے جنگ کی، ان کو قید کیا، اور اور مصقلہ شیبانی نے ان کو خرید کر آزاد کیا۔

الغرض ان تمام مورخوں اور نسابوں کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمان میں بنو سامہ کو خوب عروج ہوا اور ابتداء ہی سے ان میں آدمیوں کی کثرت اور فہم و فراست کی فراوانی تھی اور بعد میں ان کے اندر کئی ارباب اقتدار و سیاست اور صاحب فضل و کمال پیدا ہوئے، چنانچہ ان میں محدث، شاعر، حاکم، اور سرکاری عہدوں کے مالک ملتے ہیں، ان کی کثرت کا حال یہ ہے کہ ایک ایک شخص سے کئی کئی نسلیں چلیں اور وہ شاخ در شاخ ہو کر عمان اور اس کے باہر پھیلے ہوئے تھے بنو ناجیہ، بنو حارث، بنو سعد، بنو عبد البیت، رہط اسلم بن کرب، رہط منصور بن منجاب

وغیرہ ان کے مشہور قبائل و شعوب تھے، ان میں بنو ناجیہ خاص طور سے اقتدار کے مالک ہوئے، اس لیے ان کو طرح طرح سے بدنام کیا گیا، اسلامی سیاست و حکومت میں پہلی بار ان کی اجتماعی طاقت کا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہوا، جس کا خاتمہ آپ سے علیحدگی کی شکل میں ۳۸ھ میں واقعۂ تحکیم کے بعد ہوا۔ دوسری بار ان کا ظہور و غلبہ ۲۰۰ھ میں موصل کے اندر بنو ثعلبہ اور حاکم موصل کے مقابلہ میں ہوا، اور تیسری بار وہ پوری طاقت و شوکت کے ساتھ کھل کر یوں سامنے آئے کہ خلیفہ معتضد (۲۷۹ھ تا ۲۸۶ھ) کے زمانہ میں اپنے وطن عمان میں اور اس کے بعد ملتان میں انھوں نے اپنی خود مختار حکومت قائم کی، اور محمد بن قاسم بن منبہ سامی نے بنو سامہ کو ایک ہی زمانہ میں دو ملکوں کا حکمران بنایا، ان میں ملتان کے سامی حکمران بنو منبہ کہلائے، اور اس سے بہت پہلے ان کے ایک آزاد کردہ غلام فضل بن ماہان نے سندان میں عہد مامونی میں اپنی حکومت قائم کی جو معتصم کے زمانہ تک رہی،

بنو سامہ کا ذکر زبان رسول ؐ پر

امیر ابن ماکولا نے تصریح کی ہے کہ حضرت لقیط بن عباد بن بجید سامی ؓ سے رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ أنت مني وأنا منك، نیز آپ نے بنو سامہ کے ایک وفد کی ملاقات کے موقع پر قبیلہ قریش سے فرمایا کہ ھٰولآء قوم لی اس کے علاوہ علامہ سمعانی نے کتاب الانساب کے مقدمہ میں ایک واقعہ اپنی سند سے بیان کیا ہے جس میں ہے کہ سعید بن زید بن عمر ؓ سے ایک مرتبہ مقام عقیق میں عبدالرحمٰن بن حارث نے سامہ بن لوی کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ ہم لوگوں نے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:

یا رسول اللہ سامۃ منا	یا رسول اللہؐ سامہ ہمارے قبیلہ سے ہے،
ام نحن منہ	یا ہم لوگ اس کے قبیلہ سے ہیں؟

بظاہر اسی موقع پر عمان میں قدیم زمانہ سے آباد بنو سامہ بھی اسلام لائے۔

وفد بنی سامہ اور حضرت خریت بن راشدؓ کی رسول اللہ صلعم سے ملاقات

اگرچہ قطعی طور سے یہ معلوم نہیں کہ بنو سامہ کب اسلام لائے، پھر بھی عہدِ رسالت میں ان کا مسلمان ہونا اور ان کے ایک وفد کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے شرف نیاز و ملاقات حاصل کرنا ثابت ہے، اس قبیلہ کے تین افراد کے نام اس سلسلہ میں نمایاں طور پر تاریخوں میں موجود ہیں، ایک حضرت خریت بن راشد ناجی اور دوسرے حضرت لقیط بن عبد بن بجید اور تیسرے حضرت منجاب بن راشد ناجی رضی اللہ عنہم چنانچہ امام امیر ابن ماکولہ نے الاکمال میں لکھا ہے:

الخرّيت بن راشد الناجي لقي النبي صلى الله عليه وسلم وهو بين مكة والمدينة في وفد بني سامة فاسمع لهم[1]	خریت بن راشد ناجی نے بنی سامہ کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مکہ اور مدینہ کے درمیان ملاقات کی، اور آپ نے ان کی باتیں توجہ سے سنیں۔

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے:

خرّيت بن راشد الناجي، ذكره سيف بن عمر في الفتوح، وأخرج عن زيد بن اسلم قال لقي الخريت بن راشد رسول الله صلى الله عليه وسلم بين مكة والمدينة في وفد بني سامة بن لوئي فاستمع لهم، وقال لقريش هؤلاء قومك[2]	خریت بن راشد ناجی کا تذکرہ سیف بن عمر نے فتوحات میں کیا ہے اور زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ خریت نے بنی سامہ کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مکہ اور مدینہ کے درمیان ملاقات کی۔ اور آپ نے ان کی باتوں کو توجہ سے سن کر قریش کے لوگوں سے فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے ہیں۔

[1] الاکمال ج ۲ ص ۴۳۲ - طبع حیدر آباد ۱۳۸۲ھ ، [2] الاصابہ ج ۱ ص ۴۲۳ -

بظاہر اسی موقع پر عمان میں قدیم زمانہ سے آباد بنو سامہ بھی اسلام لائے۔

وفد بنی سامہ اور حضرت خریت بن راشد رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

اگرچہ قطعی طور سے یہ معلوم نہیں کہ بنو سامہ کب اسلام لائے، پھر بھی عہدِ رسالت میں ان کا مسلمان ہونا اور ان کے ایک وفد کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے شرف نیاز و ملاقات حاصل کرنا ثابت ہے، اس قبیلہ کے تین افراد کے نام اس سلسلہ میں نمایاں طور پر تاریخوں میں موجود ہیں، ایک حضرت خِرِّیت بن راشد ناجی اور دوسرے حضرت لقیط بن عباد بن بجید اور تیسرے حضرت منجاب بن راشد ناجی رضی اللہ عنہم چنانچہ امام امیر ابن ماکولہ نے الاکمال میں لکھا ہے:

الخریت بن راشد الناجی، لقی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وھو بین مکۃ والمدینۃ فی وفد بنی سامۃ فاسمع لھم۔[1]

خِرِّیت بن راشد ناجی نے بنی سامہ کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مکہ اور مدینہ کے درمیان ملاقات کی، اور آپ نے ان کی باتیں توجہ سے سُنیں۔

حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے:

خریت بن راشد الناجی، ذکرہ سیف بن عمر فی الفتوح، وأخرج عن زید بن اسلم قال لقی الخریت بن راشد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بین مکۃ والمدینۃ فی وفد بنی سامۃ بن لوئی فاستمع لھم، وقال لقریش ھولاء قوم لک۔[2]

خریت بن راشد ناجی کا تذکرہ سیف بن عمر نے فتوحات میں کیا ہے اور زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ خریت نے بنی سامہ کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مکہ اور مدینہ کے درمیان ملاقات کی۔ اور آپ نے ان کی باتوں کو توجہ سے سُن کر قریش کے لوگوں سے فرمایا کہ یہ لوگ قوم لک ہیں۔

---

[1] الاکمال ج ۲ ص ۴۲۲ - طبع حیدر آباد ۱۳۸۲ھ، [2] الاصابہ ج ۱ ص ۴۲۳۔

نیز حافظ ابن حجر اصابہ ہی میں ایک مقام پر ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

خریت بن راشد الشامی (السامی) لہ ادراک۔[1]

خریت بن راشد سامی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے۔

حضرت لقیط بن عباد سامیؓ کی دربار نبوت میں وفادت

اسی طرح لقیط بن عباد بن بجید سامیؓ کی خدمت نبوی میں حاضری کی روایت موجود ہے، امیر ابن ماکولا کا بیان ہے،

ولقیط بن عباد بن بجید بن بکر بن عمرو بن سواءۃ ابن سعد بن عبیدۃ بن الحارث بن سامۃ بن لوی، ذکر ابو فراس السامی انہ وفد علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وقال لہ انت منی وانا منک ذکرہ شبل فی نسب سامۃ بن لوی۔[2]

لقیط بن عباد بن بجید کے متعلق ابو فراس سامی نے بیان کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، اسے شبل نے سامہ بن لوی کے نسب میں بیان کیا ہے۔

الاصابہ میں ہے:۔

لقیط بن عباد السامی بالمہملۃ قال ابن ماکولا لہ وفادۃ۔[3]

لقیط بن عباد سامی کے بارے میں ابن ماکولا نے کہا ہے کہ ان کی وفات یعنی خدمت نبوی میں حاضری ثابت ہے۔

حضرت منجاب بن راشد ناجیؓ کا رسول اللہؐ سے لقاء

خریت بن راشد ناجی کے حقیقی بھائی منجاب بن راشد ناجی کا بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہے، ۔ حافظ ابن حجر

[1] الاصابہ ج ۱ ص ۴۵۵۔ [2] الاکمال ج ص ۱۸۸۔ [3] الاصابہ ج ۳ ص ۳۱۲۔

لکھتے ہیں:

منجاب بن راشد الناجی ذکرہ	منجاب بن راشد ناجی کا تذکرہ ابو الحسن
ابو الحسن المدائنی وسیف	مدائنی اور سیف بن عمر نے عہد عثمانؓ میں
بن عمر فیمن امر علی کور	ایران کے ان گورنروں میں کیا ہے جنہوں
فارس فی خلافۃ عثمان ممن	نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات
لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کی، یہ اور ان کے بھائی خریت دونوں نے
وامن بہ ھو، واخوہ الخریت[1]	آپ کی خدمت میں حاضری دی اور اسلام قبول کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب عمان میں ارتداد کی وبا پھوٹ پڑی تو وہاں کے قبائل ازد، مہرہ بن حیدان اور دوسرے قبیلے مرتد ہو گئے، مگر مرتدین کی فہرست میں بنو سامہ کا نام مستند کتابوں میں نہیں ملتا، بلکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خریت بن راشد اپنے قبیلہ بنو ناجیہ کو لے کر اسلام کی طرف سے مرتدین سے قتال کر رہے تھے۔ اصابہ میں ہے:

وروی سیف عن القاسم بن	سیف نے قاسم بن محمد سے روایت کی ہے
محمد انہ کان علی بنی ناجیۃ	کہ خریت قتال مرتدین میں بنی ناجیہ کے
فی حروب الردۃ، وکان	امیر تھے اور اس وقت کے امرا فوج
احد الامراء حینئذٍ[2]	میں سے ایک تھے۔

اس روایت کے مقابلہ میں صاحب الاغانی کا یہ قول معتبر نہیں ہے کہ بنو ناجیہ بھی اسلام سے مرتد ہو گئے تھے اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، جس سے بعض مسلمان ہو گئے، باقی مرتد ہی رہے جن کو آپ نے گرفتار کیا۔[3]

---

[1] الاصابہ ج ۳ ص ۴۳۸۔ [2] الاصابہ ج ا ص ۴۲۳۔ [3] الاغانی ج ۱۰ ص ۲۱۶۔

خلافت راشدہ میں امرائے بنو سامہ کی شان و شوکت

خلافت راشدہ میں خریت اور منجاب دونوں بھائی امارت و حکومت کی شان

رکھتے تھے اور اس وقت کی سیاست میں بھی دخیل تھے، خاص طور سے خریت شروع ہی سے اپنی قوم بنو ناجیہ کے امیر و سردار تھے، اور ان کا حکم و امر جاری تھا، وہ ردت کے ایام میں بھی بنو ناجیہ کے امیر و سردار تھے اور اپنی قوم کو لے کر مرتدین سے قتال کرتے تھے آخر تک ان کو یہ سیادت و امارت حاصل رہی حتیٰ کہ ان کو طرح طرح سے مورد الزام بنایا گیا عبداللہ بن عامر نے ان کو فارس کے ایک علاقہ کا گورنر بنایا تھا، وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں مشہور روایات کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے طرفداروں میں تھے، جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف سے پورے قبیلہ مضر کے امیر بن کر سامنے آئے اور جنگ کی۔[1]

ان کے بھائی منجاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں علاقہ فارس کے گورنر بنائے گئے تھے جیسا کہ ابن ماکولا نے بیان کیا ہے، مگر ابن حجر نے ان کی امارت کو دور عثمانی میں بتایا ہے۔ نیز لکھا ہے۔

وکانا عثمانیین فھربا من علی[2]

یہ دونوں بھائی عثمانی تھے، اس لیے وہ حضرت علیؓ کے ڈر سے بھاگ نکلے۔

مشاجرات صحابہ میں دونوں بھائیوں کا عثمانی ہونا یعنی حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کا طرف دار بن کر ان کے مشاجرات وقضایا میں حصہ لینا خریت کے لیے بہت مہنگا پڑا، اور چونکہ وہ بنو سامہ کے سردار تھے اس لیے بنو سامہ کی طرح ان پر بھی طرح طرح کے الزامات لگائے گئے۔

---

[1] الاکمال ج ۲ ص ۴۳۲۔ [2] الاصابہ ج ۳ ص ۴۳۸۔

حضرت خرّیت اور بنو سامہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں محدثین کے بیان کی روشنی میں

خرّیت اور بنو سامہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں بالکل نئے انداز میں پیش کیے گئے اوران کو مرتد، مجہول النسب اور دشمن علیؓ قرار دینے کے لیے بعض مورخوں اور نسابوں نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور خرچ کیا، جیسا کہ معلوم ہوا ہے اور معلوم ہوگا، مگر حضرات محدثین اور علماء رجال و رواۃ نے ان کے بارے میں نہایت احتیاط اور ذمہ داری سے کام لے کر اس سلسلہ میں صاف ستھری باتیں کی ہیں، امیر ابن ماکولا نے لکھا ہے،

وکان الخِرّیت علی مضر یوم الجمل مع طلحة والزبیر رضی اللہ عنہما وکان عبد اللہ بن عامر استعملہ علی کورة فارس قالہ سیف، وقال المدائنی ھرب الخریت من علی رضی اللہ عنہ فسرح الیہ معقل بن قیس الریاحی فھزمہ وخرج الی مکران، أخوہ المنجاب بن راشد، استعمل علی کور فارس فی خلافة عمر رضی اللہ عنہ۔[1]	خرّیت جنگ جمل میں طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے قبیلہ مضر کے امیر تھے، اور عبداللہ بن عامر نے ان کو فارس کے ایک ضلع کا حاکم بنایا تھا جیسا کہ سیف نے کہا ہے، اور مدائنی کا قول ہے کہ خرّیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ڈر سے بھاگ نکلے تو آپ نے ان کی سرکوبی کے لیے معقل بن قیس ریاحی کو روانہ کیا، جس سے ان کو شکست ہوئی اور وہ مکران کی طرف نکل گئے، اوران کے بھائی منجاب بن راشد خلافت فاروقی میں فارس کے ایک صوبہ کے حاکم بنائے گئے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خرّیت جنگ جمل (۳۶ھ) میں طرفداران حضرت عثمانؓ میں تھے، اور پورے قبیلہ مضر کے امیر بن کر اس میں شریک ہوئے، بلکہ ان کے بھائی منجاب بھی ان کے ہمنوا تھے، اور بعد میں دونوں بھائی حضرت علیؓ کے ڈر سے بھاگ نکلے، جیسا کہ ابن حجر نے منجاب کے حال میں لکھا ہے کہ

---

[1] الاکمال ج ۲ ص ۴۳۳۔

وکان عثمانیین فھربا من علی فاما الخریت فانہ افسد فی الارض فسیّر الیہ علی جیشاً فاوقعوا ببنی ناجیۃ۔[۱]	خریت اور منجاب دونوں بھائی عثمانی تھے اس لیے حضرت علیؓ کے ڈر سے بھاگ نکلے، اس کے بعد خریت نے فتنہ وفساد کی راہ اختیار کی تو حضرت علیؓ نے ان کی طرف فوج بھیجی جس نے بنی ناجیہ کو شکست دی۔

نیز ابن حجر نے خریت بن راشد کے حال میں سیف بن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ وہ جنگ جمل میں پورے قبیلہ مضر کے سردار تھے،

قال سیف وکان الخریت علی مضر کلھا یوم الجمل۔	سیف کا بیان ہے کہ خریت جنگ جمل میں پورے قبیلہ مضر کے امیر تھے۔

اس کے بعد زبیر بن بکار کا قول نقل کیا ہے کہ خریت واقعۂ تحکیم تک (۳۸ھ) حضرت علی کے ساتھ رہے، مگر اس واقعہ کے بعد ان کے مخالف بن کر فارس کی طرف چلے گئے اور جب حضرت علیؓ نے ان پر فوج کشی کرائی تو جم کر مقابلہ کیا اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ کر لیا۔ ابن حجر کا پورا بیان یہ ہے،

وقال الزبیر بن بکار: کان مع علی حتی حکم الحکمین ففارقہ الی بلاد فارس مخالفاً فارسل علی الیہ معقل بن قیس وجھز معہ جیشاً، فحشد الخریت من قدر علیہ بین العرب والنصاریٰ، فأمر العرب	زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ خریت واقعۂ تحکیم تک حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، مگر اس کے بعد مخالف ہو کر علیحدگی اختیار کر لی اور بلاد فارس کی طرف چلے گئے، حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کی سرکردگی میں ایک فوج خریت کے مقابلہ کے لئے بھیجی، اس کے بعد خریت نے جن عرب مسلمانوں اور عیسائیوں پر قابو چلا ان کو اپنے

[۱] الاصابہ ج ۳ ص ۴۳۸۔

بمنع الصدقۃ والنصاریٰ بمنع الجزیۃ، وارتد کثیر من کان اسلم من النصاریٰ فقاتلھم معقل، ونصب رایۃ ونادی من الحق بھا فھو آمنٌ، فانصرف کثیرٌ من اصحاب الخریت فانھزم الخریت فقتل[۱]

ساتھ ملا لیا، اور عرب مسلمانوں سے کہا کہ وہ زکوٰۃ نہ دیں اور عیسائیوں سے کہا کہ وہ جزیہ کی رقم نہ ادا کریں اور عیسائیوں میں سے بہت سے جو مسلمان ہو گئے تھے مرتد ہو گئے تو معقل نے ان سے جنگ کی، اور ایک جھنڈا نصب کر کے اعلان کیا کہ جو اس کے نیچے آ جائے اس کو امن ہے، اس اعلان پر خریت کے بہت سے ساتھی ادھر آ گئے اور خریت شکست کھانے کے بعد قتل کر دیئے گئے۔

امیر ابن ماکولا اور حافظ ابن حجر نے سیف بن عمر اور مدائنی سے جو روایات درج کی ہیں ان میں صرف یہ ہے کہ خریت اور منجاب دونوں بھائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرفداروں میں سے بھی تھے اور جنگ جمل میں انھوں نے حضرت علیؓ کے مخالفین کا ساتھ دیا، اور پورے قبیلہ مضر کو اپنی امارت میں لے کر حضرت علی کے مقابلہ میں آئے، مگر بعد میں دونوں بھائی حضرت علیؓ کے ڈر سے بلاد فارس کی طرف بھاگ گئے، خریت چونکہ بنو ناجیہ کے سردار تھے اور اپنے ساتھ طاقت رکھتے تھے اس لئے انھوں نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں تخریبی کارروائی جاری کی، جس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ نے ان پر فوج کشی کرائی، خریت نے معقل بن قیس کے مقابلہ کے لیے اپنی قوم کے علاوہ اطراف وجوانب کے عرب مسلمانوں اور نصاریٰ کو اپنے ساتھ ملا لیا، بلکہ ان کو زکوٰۃ اور جزیہ دینے سے روکا، اس موقع سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے بہت سے عیسائی جو مسلمان ہو گئے تھے، مرتد ہو گئے، بہر حال معقل نے

---

[۱] الاصابہ ج ۱ ص ۴۲۳۔

خریت سے جنگ کی، جس میں معقل کو فتح ہوئی اور انھوں نے خلافت کی اطاعت پر معافی کا حکم جاری کیا جس کی وجہ سے خریت کے بہت سے آدمی معقل کی امان میں آگئے اور خریت کو شکست ہوئی، اس صورتِ حال کے بعد بقول ابن ماکولا خریت مکران کی طرف چلے گئے، اور حسب تصریح ابن حجر اسی جنگ میں مارے گئے،

زبیر بن بکار کی روایت کے مطابق خریت شروع ہی سے حضرت علیؓ کے طرفداروں میں تھے۔ مگر واقعۂ تحکیم کے بعد جدا ہو گئے۔

ان واقعات وحقائق کے مقابلہ میں بعد کے مورخوں اور نسابوں سے بعض نے اپنے رجحان کے مطابق خریت اور بنو ناجیہ کو وہ سب کچھ بنا یا جو ان کی فکری سیاست کی رو سے ضروری تھا، ہنگامی حالات میں خریت نے اپنے آدمیوں کو حضرت علی کو زکوٰۃ وجزیہ دینے سے روک دیا تو ان کو مرتد قرار دیدیا گیا، حالانکہ اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نصاریٰ کا ایک طبقہ مرتد ہو گیا تھا اسی سے جوڑ ملانے کے لیے بنو ناجیہ کے بارے میں کہا گیا کہ وہ مرتد ہو کر نصاریٰ بن گئے تھے، اس بارے میں مورخ مسعودی نے علوی الذہن ہونے کی وجہ سے بہت کچھ لکھا ہے، اور بنو ناجیہ کو ہر اعتبار سے گرانے کی کوشش کی ہے۔

حضرت خریت بن راشد ناجی، اور بنو سامہ پر طرح طرح کے الزامات

مسعودی نے لکھا ہے کہ ۳۸ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نہروان میں خوارج کے قتال سے فارغ ہو کر مقام نخیلہ میں فروکش ہوئے تو ان کی فوج کے سپاہی ایک ایک کر کے اپنے اپنے مقامات کو چلے گئے، صرف چند آدمی رہ گئے، اسی موقع پر ان کی فوج سے بنو سامہ کا ایک با اثر سردار حارث بن راشد ناجی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر الگ ہو گیا اور بعد میں یہ پوری جمعیت نصرانی بن گئی اس موقع پر

مسعودی کی عبارت یہ ہے:

وھم من ولد سامۃ بن لوی بن غالب، من ولد اسمٰعیل عند أنفسھم وقد ابی کثیر من الناس، وذکروا أن سامۃ بن لوی ما أعقب وقد ذکر عن علیؓ فیھم ما قد ذکرناہ فی کتابنا اخبار الزمان، ولست تری سامیًا الا منحرفًا عن علیؓ[1]	یہ لوگ اپنے دعوے کی رو سے سامہ بن لوئ کی اولاد سے تھے، جو کہ حضرت اسمٰعیل کی نسل سے تھا، مگر بہت سے لوگوں نے ان کے اس دعویٰ نسب کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ سامہ بن لوئ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی ان کے بارے میں حضرت علی سے جو باتیں منقول ہیں، ہم نے ان کو اخبار الزمان میں بیان کیا ہے، تم کو جو بھی سامی نسل کا آدمی نظر آئے گا وہ حضرت علی سے منحرف اور ان کا مخالف ہوگا۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کی سرکوبی کے لیے معقل بن قیس ریاحی کو بھیجا، جس نے حارث بن راشد ناجی اور اس کے تمام مرتد ساتھیوں کو ساحل بحرین پر قتل کر دیا، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے اہواز لے گیا، جہاں حضرت علیؓ کی طرف سے مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی حاکم تھا، جب بنو سامہ کی عورتوں نے مصقلہ کو دیکھا تو اس کے نام کی دہائی دے کر کہنا شروع کیا کہ ہم پر احسان کرو اور قید سے چھڑاوٴ، اس نے ان سب کو معقل سے تین لاکھ درہم میں خرید کر آزاد کر دیا، مگر تین ۳ لاکھ کے بجائے دو ہی لاکھ کی رقم ادا کر کے حضرت معاویہؓ کے یہاں بھاگ گیا جب حضرت علی کو اس کی اس حرکت کا پتہ چلا تو فرمایا کہ مصقلہ نے کام تو کیا آقاوٴں کا مگر بھاگا غلاموں کی طرح، اگر وہ نہ بھاگتا تو ہم اسے باقی رقم کے لیے مہلت دیتے، اور اگر مجبور ہوتا تو کچھ نہ لیتے، اور میں خود ان قیدیوں کو آزاد کر دیتا، مصقلہ اپنی

[1] مروج الذہب ج ۲ ص ۱۸۸۔

اس حرکت پر بعد میں بہت شرمندہ ہوا اور اس کا اظہار ان اشعار میں کیا:

تَرَکتُ نساءَ الحی بکر بن وائل　　　واعتقت سبیاً من لوی بن غالب

میں نے قبیلہ بکر بن وائل کی عورتوں کو چھوڑ کر قبیلہ لوی بن غالب کے قیدیوں کو آزاد کر دیا

وفارقت خیر الناس بعد محمدٍ　　　لمالٍ قلیلٍ، لا محالۃ ذاھب

اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین انسان یعنی علیؓ کو تھوڑے سے مال کی خاطر چھوڑ دیا

جو لا محالہ ختم ہونے والا ہے۔

ایک دوسرے شاعر نے اس واقعہ کو یوں ادا کیا ہے، اور مصقلہ کے خیال سے الگ خیال ظاہر کیا ہے۔

ومصقلۃ الذی قد باع بیعًا　　　ربیحًا یوم ناجیۃ بن سامۃ

(مصقلہ نے بنو ناجیۃ بن سامہ کے ساتھ معاملہ کے دن نفع بخش تجارت کی)

نیز اسی واقعہ سے متاثر ہو کر علی بن محمد بن جعفر علوی نے سامہ بن لوی کی طرف نسبت کرنے والوں کے بارے میں کہا ہے،

وسامۃُ منا فأمّا بنو ہ　　　فأمرھم عندنا مظلم

سامہ بن لوی تو ہم قریش والوں میں سے تھا، مگر اس کی اولاد بنو سامہ کا قضیہ ہمارے نزدیک غیر واضح ہے۔

اناس اتونا بانسابھم　　　خرافۃ ..... مصطبح یحلم

انھوں نے ہمارے سامنے اپنا نسب بیان کیا جو خواب دیکھنے والے کی بڑ ہے۔

وقلنا لھم مثل قول الوصی　　　وکل اقاویلہ محکم

اور ہم نے ان سے وصی (حضرت علیؓ) کی طرح بات کی، اور ان کی ہر بات ٹھوس ہوتی ہے

اذا ما سئلت فلم تدرما　　　تقول، فقل ربنا یعلم

یعنی یہ کہ جب تم سے سوال کیا جائے اور تم کو اس کا جواب معلوم نہ ہو تو واللہ اعلم کہہ دیا کرو۔

اسی سلسلہ میں مسعودی نے بنو سامہ کے حضرت علیؓ سے انحراف وعداوت کی ایک مثال

بیان کی ہے کہ سامی شاعر علی بن جہم اپنے باپ پر لعنت کیا کرتا تھا، جب اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میرے باپ نے کیوں میرا نام علی رکھا تھا، مسعودی نے تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ جو بھی سامی ملے گا، حضرت علیؓ سے منحرف ضرور ہوگا۔[۱]

بنو سامہ کے ارتداد کی داستان | مصعب زبیری نے اس واقعہ کو مختصر طور سے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وبنو عبد البيت، الذين قتلهم علي بن ابي طالب رحمه الله وكان رئيسهم الخريت بن راشد، بعث اليهم علي معقل ابن قيس الرياحي، احد بني يربوع، وكان الخريت قبل ذلك مع علي رحمه الله، ثم فارقه حين حكم المحكمين (كذا) وخالف عليه۔[۲]

بنو عبد البیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، ان کا سردار خریت بن راشد تھا حضرت علیؓ نے ان کی سرکوبی کے لیے بنی یربوع کے ایک آدمی معقل بن قیس ریاحی کو بھیجا، خریت اس سے پہلے حضرت علیؓ کے ساتھ تھا مگر واقعۂ تحکیم کے وقت ان سے جدا ہو کر ان کا مخالف بن گیا۔

اور امام ابن حزم نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

ومن بني عبد البيت، اصحاب الخريت بن راشد، الذين ارتدوا ايام علي رضي الله عنه فحاربهم وقتلهم، وسبى نساءهم وابناءهم فابتاعهم مصقلة الشيباني واعتقهم ثم هرب الى معاوية، فأمضى علي عتقه اياهم۔[۳]

بنو عبد البیت میں سے خریت ابن راشد کے وہ ساتھی تھے، جو حضرت علیؓ کے زمانے میں مرتد ہو گئے، تو آپ نے ان سے جنگ کی، اور ان کو قتل کرکے ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا، پھر ان کو مصقلہ شیبانی نے خرید کر آزاد کردیا، اور اس کے بعد وہ حضرت معاویہؓ کے یہاں بھاگ کر چلا گیا، پس حضرت علیؓ نے مصقلہ کے ہاتھوں بنو عبد البیت کی آزادی کو جائز قرار دیا۔

اس موقع پر مسعودی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

ومضى الحارث بن راشد الناجي في ثلاثة | حارث بن راشد ناجی تین سو آدمیوں کو لے کر چلا گیا،

---

[۱] مروج الذہب ج ۲ ص ۱۸۰ تا ص ۲۰۴۔ مصعب زبیری (ص ۲۰۴) اور ابن حزم (ص ۳۰۱) نے حارث کے بجائے خریت لکھا ہے۔ [۲] نسب قریش ص ۲۰۴۔ [۳] جمہرۃ الانساب العرب ص ۳۰۱۔

مائۃ من الناس فارتد وا الی دین النصرانیۃ اور یہ سب کے سب مرتد ہو کر نصرانی بن گئے۔

بنو سامہ میں سے بنو عبد البیت کے تین سو آدمیوں کے مرتد ہو کر عیسائی بن جانے کی تصریح سب سے پہلے مسعودی نے کی ہے، اس سے پہلے بن قتیبہ اور مصعب زبیری نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا، البتہ مسعودی کے بعد ابن حزم نے بھی ان کے ارتداد کو بیان کیا لیکن انھوں نے ان کے عیسائی ہوجانے کی تصریح نہیں کی، اس سے زیادہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خریت بن راشد کے ہمراہی حضرت علی کے زمانے میں مرتد ہو گئے، حالانکہ بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، بلکہ ان کا خوارج کے ساتھ مل جانا معلوم ہوتا ہے، شاید بنو سامہ کو مرتد قرار دینا معقل بن قیس کے فعل کا جواز ثابت کرنے کے لیے ہو کیونکہ ان کو قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرنا، اور فروخت کرنا ان کے مسلمان کہنے کی صورت میں جائز نہیں ہو سکتا، جس طرح ابن اثیر نے سلطان محمود غزنوی کے منصورہ پر حملہ کر کے بیاری حکمران کو شکست دینے کے موقع پر اس قدیم الاسلام خاندانی سُنّی مسلمان حکمران کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ وہ اسلام سے پھر کر مرتد ہو گیا تھا، اسی لیے سلطان محمود نے اس پر حملہ کیا۔

تعجب کی بات ہے کہ جس قبیلہ نے بلا چون وچرا اور برضا و رغبت دعوتِ اسلام قبول کی ہو اور فتنۂ ارتداد کے دور میں بھی اس کے افراد کے مرتد ہونے کی مستند شہادت نہ ملتی ہو، وہ اپنے اسلام لانے کے تیس سال بعد ۳۸ھ میں خوارج کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا پورا پورا ساتھ دینے کے بعد واقعہ تحکیم سے خفا ہو کر عیسائی مذہب قبول کرے، ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ بنو ناجیہ میں سے کوئی مرتد نہیں ہوا، بلکہ وقتی حالات کی بنا پر انھوں نے حضرت علیؓ کو زکوٰۃ دینی بند کر دی، البتہ ان کے ہمنوا عیسائیوں کا ایک طبقہ مرتد ہو گیا تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:۔

وارتد کثیر من کان اسلم من النصاری یعنی نو مسلم عیسائیوں میں سے بہت سے مرتد ہو گئے مگر راویوں نے بنو ناجیہ ہی کو عیسائی بنا دیا۔

بنو سامہ کے حضرت علیؓ کے مخالف ہونے کی داستان | مسعودی نے لکھا ہے کہ دنیا میں جتنے

لہ مروج الذہب ج ۲ ص ۲۱۸۔

بنو سامہ کے افراد پائے جاتے ہیں، وہ سب کے سب حضرت علیؓ کے دشمن اور مخالف ہیں؛ ولست تری سامیاً الا منحرفاً عن علی۔ ترجمہ: سامی نسل کے آدمی کو دیکھو گے وہ حضرت علی سے منحرف نظر آئے گا۔ مسعودی نے اپنے اس دعویٰ کی ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ علی بن جہم سامی اپنے باپ پر اس لیے لعنت کرتا تھا کہ اس نے اس کا نام علی رکھ دیا تھا، اس بات کو ابن قتیبہ، مصعب زبیری اور ابن حزم میں سے کسی نے نہیں بیان کیا ہے، حالانکہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو کم از کم ابن حزم اس کا تذکرہ ضرور کرتے، جیساکہ انھوں نے ارتداد کو بیان کیا ہے، البتہ صاحب الاغانی نے بھی مسعودی کی طرح سامیوں کے دشمنِ علیؓ ہونے پر اجماع بتایا ہے مگر یہ کلیہ غلط ہے اور ہر سامی منحرف علیؓ نہیں تھا، چنانچہ حضرت خلاس بن عمرو بن منذر بن اصبح بن عبداللہ سامی کے بارے میں امیر ابن ماکولا نے تصریح کی ہے کہ:

کان فقیهاً من اصحاب علی بن ابی طالب[۱] آپ فقیہ تھے اور حضرت علی کے طرفداروں میں سے تھے۔

اور اگر ہر سامی النسل حضرت علیؓ سے منحرف ہوتا اور ان کی دشمنی اس کے ضمیر و خمیر میں ہوتی تو بنو سامہ معتضد کے زمانۂ خلافت میں دشمنانِ علیؓ یعنی خوارج کو عمان سے مار مار کر نہ نکالتے، بلکہ ان کا ساتھ دیکر اپنی قوت و قابلیت سے ان پر قابض ہو جاتے اور خوارج کو ہر طرح مدد دیتے، مگر انھوں نے اس کے برخلاف وہاں سے خوارج کو اس طرح نکال باہر کیا کہ وہ عمان سے دور ایک پہاڑی علاقہ بروئی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور ان کے بجائے اپنی حکومت قائم کر کے اہلِ سنت والجماعت کا شعار و نظام جاری کیا جیساکہ علامہ ابن خلدون کا مفصل بیان آگے آرہا ہے، نیز ملتان کے بنو سامہ جو بنو منبہ کے نام سے مشہور ہوئے، انھوں نے بھی اہلِ سنت والجماعت ہونے کے باوجود بھی وہاں کے علویوں اور اسمٰعیلی شیعوں سے کوئی تعرض نہیں کیا، حالانکہ یہ لوگ ملتان اور سندھ میں ابتدا ہی سے اپنے اقتدار کی ظاہری اور باطنی جدوجہد کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ باطنی شیعوں نے ملتان پر قبضہ کر کے بنو سامہ کی حکومت ختم کر دی، شاید علویوں اور شیعوں کے بنو سامہ کو ختم کر کے شیعی حکومت قائم کرنے کے جواز کے لیے بنو سامہ کو منحرف علی مشہور کیا گیا ہو، ورنہ ان کے عمان و ملتان میں غلبہ و اقتدار کے زمانہ میں انحراف و دشمنی کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

---

[۱] الاکمال ج ۱ ص ۹۹۔

عمان میں بنو سامہ کی موجودہ امارات و مشیخات اور اقتدار

اموی دور میں بنو سامہ عمان سے اٹھے اور ملتان تک کے حاکم بن گئے، پھر تاریخ نے ان کو ملتان سے اپنی حکومت و ریاست کی بساط لپیٹنے پر مجبور کیا، مگر عمان میں یہ لوگ کسی نہ کسی انداز میں امارت و سیادت کے مالک رہے، حتی کہ آج بھی عمان میں نہ امارت و حکومت کی شان رکھتے ہیں، حال ہی میں ایک عرب عالم و مورخ نے اہل عمان کے انساب و قبائل پر ایک تحقیقی کتاب اسعاف الاعیان فی انساب اہل عمان لکھی ہے، ہم اسی سے عمان میں بنو سامہ کی موجودہ امارت و مشیخت کو درج کرتے ہیں۔

عمان میں آج بھی بنو سامہ کے مختلف خاندانوں کی اچھی خاصی آبادی ہے، ان میں بنی غافر بن سامہ سب سے مشہور اور سب سے زیادہ ہیں، اور ظاہری شان و شوکت اور امارت و ریاست کے مالک ہیں، ان کا مرکزی علاقہ وادی بنی غافر ہے، جو متعدد قریات پر مشتمل ہے اور مرکزی مقام خفدی ہے، بنو غافر کی ایک شاخ آل العطابی ہے۔ یہ لوگ راشد بن حمید بن راشد بن ناصر کی اولاد سے ہیں، بہلی اور جبرین میں ان کی حکومت تھی، سنہ ۱۳۴۲ھ میں سالم بن راشد فروضی نے اس خاندان کے آخری حکمران سلطان ناصر بن حمید کو بہلی سے نکال دیا، اور اب اس کی اولاد قلعہ جبرین کے باہر شہر میں سکونت پذیر ہے، دوسری شاخ آل صالح بن علی ہے، یہ لوگ بناریہ اور عمان کے مشرقی دیار کے رئیس و امیر ہیں، ان کا مرکز مقام قابل ہے، اور سفالہ ابری پر ان کی حکومت ہے، تیسری شاخ آل حارث بن کعب ہے، اسے مالکی، وو یحی، اور شبلی وغیرہ کی امارت و سیادت حاصل ہے، موجودہ حاکم الامیر احمد بن محمد بن عیسیٰ بن صالح ہے، جو سلطان عمان و مسقط سعید بن تیمور کا مقرب ہے، آل حارث بن کعب میں علماء و فضلا بھی ہیں، چوتھی شاخ آل ناصر ہے، یہ لوگ عینین اور درئین کے حاکم و امیر ہیں، پانچویں شاخ آل عزرہ ہے، اس میں رئیس و حاکم اور عالم ہیں، ان کا مرکزی مقام شہر اتہ کی ہے[1]!

---

[1] اسعاف الاعیان فی انساب اہل عمان از ص ۱۸ تا ص ۲۱، یہ حصہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں محرم سنہ ۱۳۸۶ھ کو لکھا گیا۔

بنو سامہ کے نسب میں طعن کی داستان

چند سو بنو سامہ کے حضرت علیؓ سے منحرف ہونے یا زیادہ سے زیادہ ان کے مرتد ہونے سے

تمام بنو سامہ صرف دشمنِ علی ہی نہیں قرار دیئے گئے بلکہ ان کے مخالفوں نے ان کو مجہول النسب قرار دینے کی بھی کوشش کی، اور ان کے دعویٰ سامیت کو جھوٹ بتایا، چنانچہ سب سے پہلے مسعودی ہی نے یہ بات بھی بیان کی ہے۔

وھم من سامۃ بن لوی بن غالب من ولد اسمٰعیل عند انفسھم، وقد ابی کثیرٌ من الناس وذکروا ان إن سامۃ بن لوی ما اعقب[1]۔

اور یہ لوگ اپنے خیال میں سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد میں سے ہیں جو حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے تھا مگر بہت سے لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ سامہ بن لوئی نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

علامہ ابن خلدون نے بھی مسعودی کی طرح اور شاید اسی سے متاثر ہو کر بنو سامہ کے بارے میں یہی بات لکھی ہے[2] حالانکہ اسے ابن قتیبہ، مصعب زبیری اور ابن حزم میں سے کسی نے نہیں لکھا ہے، بلکہ اس قول کی تکذیب کے لیے ان کی یہ تصریح کافی ہے کہ بنو سامہ سے فلاں فلاں قبائل اور خاندان پھیلے، جیسا کہ مذکورہ بالا تینوں علمائے انساب نے سامہ بن لوئی کی اولاد در اولاد کو بیان کیا ہے ان کی ان تصریحات کے باوجود حیرت ہے کہ مسعودی اور ابن خلدون نے یہ بات کیسے کہدی۔ امام ابن حزم نے بنو سامہ کے ذکر کے شروع میں بعض شعراءِ قریش کا ایک شعر لکھا ہے:

وسامۃ منا فأمّا بنوہ ۔۔۔ فأمرھم عندنا مظلمٌ[3]

یہ شعر علی بن محمد بن جعفر علوی کا ہے، اس کے بقیہ اشعار مسعودی نے نقل کیے ہیں، اور ان کو بنو سامہ کے مجہول النسب ہونے کی دلیل بتایا ہے، مگر ابن حزم نے صرف یہ ایک شعر نقل کیا، اور پھر ان کی اولاد در اولاد کا مفصل تذکرہ کیا،

[1] مروج الذہب ج ۲ ص ۴۱۸، [2] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۹۳ طبع مصر، [3] جمہرۃ الانساب العرب ص ۱۷۳۔

واقعہ یہ ہے کہ بنو سامہ کے نسب میں اشتباہ پیدا کرنے کی جو کوشش ایک علوی اور پھر ابن الکلبی، ہشیم بن عدی، صاحب اغانی اور مسعودی نے کی وہ ناکام ہے، علی بن محمد بن جعفر علوی کو سب کچھ کہنے کے بعد واللہ اعلم ہی کہنا پڑا، اس طرح اس نے ان کو صریح جھوٹا قرار دینے سے پرہیز کیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مسعودی ہی نے ملتان کے ذکر میں یہاں کے حاکم کو سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد سے ہونے کی تصریح کی ہے، اور یہاں پر اس کے سامی النسل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ظاہر کیا ہے۔

وصاحب مملکة بلد الملتان رجل من قریش من ولد سامة بن لوئی بن غالب[1]	ملتان کا حاکم ایک قریشی شخص ہے جو سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد سے ہے۔

دوسری جگہ بھی حاکم ملتان کا ذکر کیا ہے اور یہاں پر بھی اسے قریش ہی تسلیم کیا ہے۔

والملك بها ابو اللهاب المنبة بن اسد القرشی[2]	ملتان کا حاکم ابو اللہاب منبہ بن اسد قرشی ہے۔

اسی طرح مسعودی کے معاصر سیاح وجغرافیہ نویس اصطخری نے ملتان کے حاکم کو بلا کسی شک وشبہ کے سامی النسل بتایا ہے، اس نے لکھا ہے:

وامیرهم قریشی، من ولد سامة بن لوی[3]	ان کا حاکم ایک قریش ہے جو کہ سامہ بن لوئی کی اولاد سے ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنو سامہ کے بڑھتے ہوئے اثر واقتدار کو کمزور کرنے کے لیے علویوں اور اسماعیلیوں نے یہ حربہ خوب استعمال کیا، اور نسلی فتنہ برپا کر کے ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی جس سے بعض سیاح ومورخ بھی متاثر ہوئے، چنانچہ علامہ ابن خلدون سے پہلے ابن رستہ ۲۸۰ھ نے ملتان کے ذکر میں لکھا ہے:

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۹۹ ۔ [2] ” ” ص ۱۶۷ ۔ [3] مسالک الممالک ص ۱۷۵ ۔

وبالملتان قوم يزعمون انهم من ولد سامة بن لوی یقال لهم بنو عنبة[1] — ملتان میں ایک قوم حاکم ہے، وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ سامہ بن لوی کی اولاد سے ہیں۔

مگر یہ بیان صرف ان کے دعوئ نسب کو بتاتا ہے، اس کی تکذیب یا اس میں اشتباہ نہیں پیدا کرتا، یہ ابن رستہ کی غایت احتیاط ہے، اقتدار کی تاریخ میں بلند نسبی کا دعوی یا نسبی طعنہ کا حربہ نئی چیز نہیں ہے، ماوراء النہر کے آل سامان بالکل عجمی النسب تھے اور ملوک سامانیہ کہلاتے تھے، مگر انہوں نے سامہ بن لوئ کے خاندان سے ہونے کا دعوی کیا تھا، تاکہ اقتدار وحکومت میں عالی نسبی سے مدد ملے، ابن خلدون نے ملوک بنی سامان کے بارے میں لکھا ہے:

وينسبون فى الفرس تارة، والى سامة بن لوئ بن غالب أخرى[2]۔ — یہ لوگ کبھی ایرانی قوم سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں اور کبھی سامہ ابن لوی بن غالب سے اپنا نسب ملاتے ہیں،

اور جو لوگ درحقیقت بنو سامہ تھے ان کو مخالفوں نے مشتبہ النسب قرار دے کر زیر کرنے کی کوشش کی، بنو سامہ کو ناکام بنانے کے لیے ان کے معاصر علویوں، اسمٰعیلیوں، قرامطہ اور روافض نے ان کو ابتداء ہی سے دشمنِ علیؓ اور مجہول النسب ثابت کرنے کی کوشش کی، حتیٰ کہ ان ہی حریفوں کے ہاتھوں ملتان کی سامی حکومت کا خاتمہ ہوا، بنو سامہ کے نسبی طعنہ، ارتداد اور انحراف علیؓ کے سلسلے میں ایک اور دلچسپ روایت سنیے، صاحب اغانی نے مروان ابن ابی حفصہ الاصغر کے تذکرے میں لکھا ہے کہ علی بن جہم سامی نے ایک مرتبہ ایک قریشی عورت سے شادی کرنی چاہی مگر قریش کے لوگوں نے انکار کر دیا، جب خلیفہ متوکل نے اپنی مجلس میں ندیموں سے اس کا سبب معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بنو سامہ کو قریش سے خارج قرار دے دیا تھا، مگر حضرت عثمانؓ نے ان کو قریش میں شامل کر لیا، اور جب حضرت علیؓ کا دور خلافت آیا تو آپ نے پھر ان کو قریش سے خارج کر دیا، جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے سردار حارث کے ساتھ مرتد ہو گئے، اور حضرت علیؓ نے ان سے قتال کر کے قید کیا، اور مصقلہ کے

---

[1] الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۵۔ [2] تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص ۳۱۱۔

ہاتھوں فروخت کردیا، یہ سارا قصہ سن کر متوکل ہنس پڑا، اس پر علی بن جہم نے کہا،

ھذہ الدعوی من الرافضۃ، وشتم القوم[1] یہ رافضیوں کا دعویٰ ہے، یہ کہہ کر اس نے قصہ سنانے والوں کو برا بھلا کہا۔

اس قصہ میں یاروں نے بنوسامہ کے نسب اور ارتداد کے بارے میں کچھ اور ہی گل کھلایا ہے اور علی بن جہم نے ان باتوں کو روافض کی خرافات بتاکر متوکل کے دربار میں ان کا انکار کیا ہے،

بنوسامہ کی چند اہم شخصیتیں اور ارباب علم وفضل

بنوسامہ ہر زمانہ میں اپنے کارناموں اور باحیثیت افراد کی وجہ سے ممتاز رہے، اور ان میں حکام، امراء، قضاۃ، محدثین، فقہاء اور شعراء ہوتے رہے ان میں ارباب حکم وامر کے ساتھ ساتھ اہل علم وفضل بھی پائے گئے، اور چونکہ سامیوں کو مطعون فی النسب کیا گیا اس لیے علمائے رجال وانساب نے ان کے مشاہیر علم وفن کے ذکر سلسلۂ نسب کو خاص طور سے بیان کیا، خلافتِ راشدہ میں خریت بن راشد ناجی اور ان کے بھائی منجاب علاقۂ فارس میں حکمران تھے، اور شہادت عثمانؓ کے بعد جو مشاجرات درپیش ہوئے، ان میں اپنی سیاسی بصیرت سے کام لے کر حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ رہے بلکہ ایک اور سامی فقیم بن زیاد بن ذہل جنگ جمل میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہ کر قتل ہوئے[2]۔ ہم چند ممتاز اور صاحب حیثیت سامیوں کے مختصر حالات امیر ابن ماکولا کی کتاب الاکمال سے نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہو کہ بنوسامہ نے اسلام میں کیا کیا کارنامے انجام دیئے ہیں اور ان میں کیسے کیسے باکمال گذرے ہیں۔

عبداللہ ذوالرمحین

عبداللہ ذوالرمحین بن قطن بن شم بن قطن بن احزم بن ذہل سامی کی جانبازی اور بہادری کا اندازہ ان کے ذوالرمحین کے لقب سے ہوسکتا ہے، بنوسامہ لڑائیوں میں ان کے نام کا نعرہ بلند کرکے اپنی بہادری کو آواز دیتے تھے، اور

---

[1] الاغانی ج ۲۳ ص ۱۰۶۔ [2] نسب قریش ص ۴۴۰۔

ان کا شعار غزوات میں یا عبد اللہ ذا الرحمین ہوا کرتا تھا[۱]

عباد بن منصور احزم ابو سلمہ عباد بن منصور بن عباد بن سامہ بن حارث بن قطن بن مدلج بن قطن بن احزم بن ذہل بن عمرو بن مالک بن عبیدہ بن حارث بن سامہ بن لوئی کا لقب احزم ہے، بصرہ کے قاضی تھے انہوں نے امام ابو رجاء عطاردی، امام قاسم بن محمد سے حدیث کی روایت کی اور ان سے امام شعبہ، امام سفیان ثوری اور امام ابن عون نے روایت کی ہے۔

سلمہ بن عباد یہ حضرت ابو سلمہ بن عباد بن منصور احزم کے لڑکے ہیں، ان کا شمار بصرہ کے بہادروں میں تھا اور بسالت و بہادری میں امتیازی شان کے مالک تھے۔[۲]

حُدید بن عوف حدید بن عوف بن ذہل بن عوف بن حجزم بن بکر بن عمرو بن عوف عباد بن لوئی بن حارث ابن سامہ بن لوئی بن غالب بن فہر کا تذکرہ ابو فراس سامی نے نسب سامہ بن لوئی میں کیا ہے، نیز امام دارقطنی نے ان کا تذکرہ کیا ہے مگر نام حدید کے بجائے جدید بتایا ہے، جو بقول ابن ماکولا کے وہم ہے[۳]

ابو فراس سامی یہ اپنی قوم بنو سامہ کے نسب میں بڑا ماہر تھا اور اس سلسلہ میں سند کی حیثیت رکھتا تھا، امیر ابن ماکولا نے الاکمال میں جگہ جگہ سامیوں کے حالات و انساب میں اس کے اقوال سے استدلال کیا ہے اور ان کو صحیح مانا ہے۔

خلاس بن عمرو بن منذر خلاس بن عمرو بن منذر بن عصر بن اصبح بن عبد اللہ بن لوئی بن حارث بن سامہ بن لوئی فقیہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب و اعوان میں سے ہیں، مشہور عابد و زاہد حضرت مالک بن دینار خلاس کے غلام تھے۔

---

[۱] الاکمال ج ۱ ص ۳۹۔ [۲] ،، ص ۳۹ [۳] ج ۲ ص ۵۷۔

زیاد بن عمرو بن منذر یہ خلاس کے بھائی ہیں، ان کو زیاد حوارین کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے بحرین میں واقع شہر حوارین کو فتح کیا ہے، اس لیے ان کی شہرت اسی شہر کی نسبت سے ہوئی، ان کے دس لڑکے تھے

نافع بن عمرو بن منذر یہ بھی خلاس اور زیاد کے بھائی ہیں، ان کی اولاد میں ابو عمرو حمید بن سعید بن عبداللہ ابن حمید بن حارث بن نافع بن عمرو ہیں۔[۱]

محمد بن عرعرہ بن برند محمد بن عرعرہ بن برند بن نعمان بن عبداللہ بن طلحہ بن اقفع بن کرمان بن حارث بن حارثہ ابن مالک بن سعد بن عبیدہ بن حارث بن سامہ بن لوئی، یہ کئی بھائی تھے (۱) محمد بن عرعرہ نے امام شعبہؒ سے روایت کی ہے (۲) سلیمان بن عرعرہ سے نسل نہیں چلی، (۳) اسمٰعیل بن عرعرہ، محمد بن عرعرہ کے تین لڑکے تھے، ابراہیم، عمرو، اور موسیٰ، ابراہیم کے بھی تین لڑکے تھے، اسمٰعیل، محمد اور اسحٰق، اسحاق نے امام ازرق بن علی سے روایت کی ہے؛ اور عمرو بن محمد بن عرعرہ سے یعقوب بن اسحاق مخرمی نے روایت کی ہے، اسمٰعیل بن عرعرہ کے چار لڑکے تھے، سعید، نعمان، محمد اور احمد۔[۲]

عبدالملک بن بشیر سامی بصری انھوں نے عاصم بن ہلال، عمرو بن فضل سلمیؒ اور سعید بن اسعد انصاری سے روایت کی، اور ان سے ابراہیم بن مستمر عروقی، اور عبداللہ بن احمد بن ابراہیم دورقی نے روایت کی ہے۔[۳]

ابراہیم بن حجاج سامی ان سے حمدون بن احمد بن اسلم اور ابو جعفر سمسار بن بنت سعدویہ واسطی نے احادیث کا سماع کیا ہے۔[۴]

مہنا بن یحییٰ سامی آپ بھی رواۃ حدیث میں سے ہیں،

سمعانی نے کتاب الانساب میں کئی سامی علماء و محدثین کے حالات درج کیے ہیں۔[۵]

---

[۱] الاکمال ج ۱ ص ۹۹۔ [۲] ؍؍ ج ۱ ص ۲۵۲ و ص ۲۵۳۔ [۳] ؍؍ ج ۱ ص ۲۹۲
[۴] ؍؍ ج ۱ ص ۵۵۱۔ [۵] کتاب الانساب طبع یورپ ورق ص ۲۸۷۔

اسی طرح تاریخ و رجال کی کتابوں میں ان کے تذکرے موجود ہیں

حضرت کابس بن ربیعہ بن مالک سامی شبیہ رسول اللہ

علامہ محمد بن حبیب بغدادی نے کتاب المُنمّق میں المشبھون برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قریش کے عنوان سے ان چند قریشی حضرات کا تذکرہ کیا ہے جو ظاہری شکل و شباہت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مشابہت و مماثلت رکھتے تھے ان ہی میں ایک سامی بزرگ کابس بن ربیعہ ابن مالک بن عدی بن اسود بن جشم بن ربیعہ بن حارث بن سامہ بن لوئی بن غالب بھی ہیں، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل بصرہ عبداللہ بن عامر بن کریز نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ یہاں بصرہ میں بنی ناجیہ کا ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتا ہے، حضرت معاویہؓ نے جواب میں لکھا کہ اس کو ہمارے پاس بھیجا جائے، چنانچہ بصرہ کے حاکم نے کابس بن ربیعہ سامی کو بھیجا:

فلما قدم علی معاویۃ ورآہ مقبلا قام عن سریرہ وقبّل بین عینیہ، وسالہ ممن انت، فقال من بنی سامۃ بن لوی، فقال کیف کتب الی انک من ناجیۃ۔ فقال واللہ یا امیر المومنین ماولدتنی، وان الناس لینسبونني الیھا۔

جب امیر معاویہ کے پاس آئے اور معاویہ نے اُن کو توجہ سے دیکھا تو اپنے تخت سے اُٹھ کر اونکی پیشانی چوم لی اور دریافت کیا آپ کس قبیلہ سے ہیں بولے بنی اسامہ بن لوئی سے امیر معاویہ نے کہا مجھکو یہ کیوں لکھا کہ آپ بنی ناجیہ سے ہیں انہوں نے کہا واللہ اے امیر المومنین مجھکو لوگوں نے منسوب کر دیا ہے میری پیدائش اونمیں نہیں ہوئی۔

حضرت معاویہ نے اس کے بعد ان کے احترام و اعزاز میں نہر مرغاب کی جاگیر عطا کی جو بصرہ سے تین فرسخ پر نہر معقل سے نکلی تھی[1]

بنو سامہ کے ایک فرد کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مشابہ ہونا ان کے فخر کے لیے

[1] کتاب المنمق ص ۵۳۶، طبع حیدر آباد، ۱۹۶۴ء۔

بہت بڑی بات ہے، اس واقعہ میں بھی ان کے نسب کے بارے میں ایک شوشہ ملتا ہے، اور ان کی قریشیت مجروح کرنے کی کوشش نظر آتی ہے،

عمرو بن نافع سامی اور عبدالجبار بن شجرہ سامی سندھ میں

بنو سامہ کے ارباب فضل و کمال صرف عرب کے علاقوں ہی میں نہیں تھے بلکہ ہندوستان میں کئی سامی گذرے ہیں، جو اپنے کمال کی وجہ سے قابلِ ذکر ہیں، چنانچہ امیر ابن ماکولا نے الاکمال میں ان میں سے چند کی نشان دہی کی ہے، وہ لکھتے ہیں،

واما خزیر فهو خزیر بن عبید بن بکار بن کعب من ولد سامة بن لوئی ومن ولده عمرو بن نافع وعبد الجبار بن شجرة وهم بالسند، قاله ابو فراس السامی[1]	خزیر بن عبید بن بکار بن کعب سامہ بن لوئی کی اولاد سے ہے، اور اس کی اولاد میں سے عمرو بن نافع اور عبدالجبار بن شجرہ ہیں جو کہ سندھ میں تھے جیسا کہ ابو فراس سامی نے بیان کیا ہے۔

یہ پتہ نہیں کہ خود خزیر بن عبید سامی سندھ میں تھا، یا نہیں مگر اس کی اولاد یہاں موجود تھی، جس میں دو شخص عمرو بن نافع اور عبدالجبار بن شجرہ خاص طور سے مشہور تھے، اور ان کو قابلِ ذکر حیثیت حاصل تھی، ظاہر ہے کہ ان کی اولاد سے اور لوگ بھی سندھ میں رہے ہوں گے۔

بنو سامہ کے ہندوستان سے سیاسی اور حاکمانہ تعلق کی ابتداء

عمان، سندھ و مکران سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے اور غالب گمان ہے کہ عمان کے بنو سامہ کے تعلقات مکران اور سندھ سے بہت قدیم تھے، البتہ عہد اسلام میں ان کا تعلق ہندوستان سے حضرت خریت بن راشد ناجی کی مکران میں آمد سے شروع ہوا، جیسا کہ امیر ابن ماکولا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے امیر معقل بن قیس کے مقابلے میں شکست کھانے کے بعد خریت مکران چلے آئے تھے، یہ پہلی صدی کے نصف اول کی بات ہے، اس

[1] الاکمال ج ۲ ص ۸۸۔

کے نصف ثانی میں سامی خاندان کے ایک فرد جمیم بن سامہ سامی کے ہندوستان میں حاکمانہ غلبہ واقتدار کا پتہ چلتا ہے، ابن اشعث کی ہزیمت کے بعد محمد بن حارث علافی سندھ آیا تو اسی کے ہمراہ جمیم بن سامہ بھی یہاں چلا آیا، اور جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو یہ شخص راجہ جے سنگھ کی پناہ میں برہمن آباد چلا گیا اور جب راجہ جے سنگھ کشمیر بھاگا تو جمیم بھی اس کے ساتھ رہا، کشمیر کے راجہ نے جے سنگھ کو ایک علاقہ کی حکومت دی جہاں وہ حکومت کرتا رہا جے سنگھ لاولد مرا اس لیے جمیم اس کی جاگیر کا مستقل حاکم بن گیا، اور یہاں اس کی اولاد مدتوں حکومت کرتی رہی، جمیم بن سامہ سامی کے تقریباً ایک سو سال بعد بنو سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندھ سے گزر کر ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی۔

بنو سامہ سے پہلے ان کے غلام فضل بن ماہان کی سندان میں ۱۹۸ھ اور ۲۲۶ھ کے درمیان حکومت اور خلافت کے نام کا خطبہ

اگرچہ عمان کی غالب آبادی بنو ازد کی تھی، مگر بنو سامہ بھی وہاں اثر واقتدار کے مالک تھے اور ان کی شان وشوکت میں حاکمانہ خو بو تھی، ہندوستان اور عمان کے درمیان بحری اسفار قدیم زمانہ سے جاری تھے، خاص طور سے سندھ سے قریبی علاقے عمان اور بحرین کے مابین آمد ورفت تھی، ان حالات میں بنو سامہ سے پہلے ان کے ایک غلام فضل بن ماہان مولی سامہ نے ہندوستان آکر اپنے آقاؤں سے سینکڑوں سال پہلے یہاں اپنی مستقل حکومت قائم کی، اس زمانہ میں اگرچہ سندھ کے حالات خلافت عباسیہ کے حق میں بہتر نہیں تھے، اور جگہ جگہ خود مختاریاں قائم ہو رہی تھیں مگر خلافت کے وفادار وطرفدار بنو سامہ کے غلام نے سندھ میں اپنے اقتدار کا جھنڈا انہیں نصب کیا بلکہ آگے بڑھ کر ہندوستان کے ایک ساحلی شہر سندان (سنجان متصل بمبئی) میں خلافت کے زیر سایہ حکومت قائم کی یہ زمانہ خلیفہ مامون (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) کا تھا۔ یہ حکومت خلیفہ معتصم (۲۲۷ھ) کے زمانہ تک قائم رہی، جس میں تین حکمران گذرے ہیں، جنہوں نے خلفائے عباسیہ کے نام کا خطبہ پڑھا اور ان کے پاس ہدایا وتحائف

روانہ کیے اس زمانہ میں یہاں مہاراجگان ولبھی رائے کی حکومت تھی، آخر یہ حکومت بھائیوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے ختم ہوگئی، سندان کی اس حکومت کا تذکرہ بلاذری نے فتوح البلدان میں کیا ہے [1]

ہم نے دولت ماہانیہ سندان کے عنوان سے اس کا مستقل بیان کیا ہے، بنو سامہ کے غلاموں کی ہندوستان میں حکومت کے ساٹھ سال بعد خود بنو سامہ کو اپنے وطن عمان میں مستقل حکومت قائم کرنے کا موقع ملا جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے،

۳۰۰ھ میں موصل میں بنو سامہ کی طاقت آزمائی اور شان و شوکت کا مظاہرہ

جس زمانہ میں بنو سامہ کا غلام فضل بن ماہان ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کر رہا تھا، خود بنو سامہ اپنے وطن عمان سے دور عراق کے شہر موصل میں اپنی طاقت و شوکت کے جوہر دکھا رہے تھے، اور بنو سامہ کے تقریباً ایک ہزار بہادر بنو ثعلبہ کے مقابلہ میں دادِ شجاعت دے رہے تھے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۳۰۰ھ میں کسی بات پر بنو سامہ اور بنو ثعلبہ کے درمیان موصل میں سخت معرکہ آرائی ہوئی، جس میں بنو ثعلبہ کو بنو سامہ کے مقابلہ میں شکست ہوئی، اور انہوں نے امیر موصل علی بن حسین ہمدانی کے بھائی محمد بن حسین ہمدانی کی پناہ لی، محمد بن حسین ہمدانی نے بنو ثعلبہ کی طرفداری کی، اور ان کو ترکیب بتائی کہ تم لوگ میرے یہاں پناہ گزین ہونے کے بجائے میدان میں نکلو، تاکہ بنو سامہ تمہیں مارنے کے لیے سامنے آئیں تو مجھے ان کے مقابلہ میں تم لوگوں کی مدد میں آنے کا موقع ملے، چنانچہ جب بنو ثعلبہ باہر نکلے تو بنو سامہ نے اپنی ایک ہزار جمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اس مرتبہ بھی بنو ثعلبہ کو ہزیمت اٹھانی پڑی، بنو سامہ نے اُن کو پسپا کرتے کرتے مقام عوجار میں لے جاکر محاصرہ کر لیا، جب امیر موصل اور اس کے بھائی کو صورتِ حال کی خبر لگی تو انہوں نے بنو ثعلبہ کی حمایت میں بنو سامہ سے سخت مقابلہ

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۲

کیا، اور بنو سامہ کے بہت سے آدمی مارے گئے یا گرفتار ہوئے، اس کے بعد طرفین میں صلح ہو گئی۔[1]

اس معرکہ میں بنو سامہ نے بنو ثعلبہ کو دو مرتبہ شکست دیکر فتح پائی، مگر تیسری بار جب بنو ثعلبہ کا ساتھ دیکر موصل کی حکومت نے بنو سامہ سے مقابلہ کیا تو ان کو ناکامی ہوئی، مگر اس بار بھی انھوں نے ہزیمت نہیں اٹھائی بلکہ صلح کرلی، اس واقعہ نے بنو سامہ کی قوت و شوکت کو اور بھی واضح کردیا، قصر خلافت تک میں ان کی گونج پہنچی، جو آگے چل کر ان کے مستقل اقتدار کا باعث ہوئی، اور انھوں نے اپنے وطن عمان میں خلافت عباسیہ کی مدد سے اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی،

تیسری صدی کے آخر سے چوتھی صدی کے آخر تک بنو سامہ کی عمان میں حکومت

فتنۂ ارتداد کے فرو ہونے کے بعد عمان کے حالات اچھے رہے اور کوئی گڑبڑی نہیں ہوئی، یہاں تک کہ ہارون الرشید (۱۶۲ھ تا ۱۹۳ھ) کے زمانہ میں یہاں خوارج کی شورش شروع ہوئی، اور حالات بگڑ گئے، ہارون الرشید نے عیسیٰ بن جعفر بن سلیمان کو عمان کا گورنر مقرر کیا، وہ بصرہ سے ایک جماعت لے کر عمان گیا، اس کے ساتھیوں نے عمان میں عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کی، اور لہو ولعب کا بازار گرم کیا، اس وقت عمان میں خوارج کی تعداد بہت زیادہ تھی، انہوں نے عیسیٰ بن جعفر کو قتل کرکے سولی دے دی اور خلافت سے تعلق منقطع کرکے عمان میں اپنا اقتدار جمایا۔[2]

اس واقعہ کے بعد سے عمان عملاً مرکزِ خلافت سے منقطع ہو گیا اور خوارج شورش برپا کرتے رہے، یہاں تک کہ خلیفہ معتضد (۲۷۹ھ تا ۲۸۶ھ) نے عمان کے بنو سامہ کے ایک سردار محمد بن قاسم سامی کو ہر قسم کی مدد دے کر خوارج کے مقابلہ کے لیے تیار کیا جس نے خوارج کو شکست دے کر عمان میں اپنی حکومت قائم کرلی، اور عباسی خلفاً

---

[1] الکامل ابن اثیر ج ۶، ص ۱۰۸، [2] فتوح البلدان ص ۸۹۔

کے نام کا خطبہ جاری کیا، علامہ ابن خلدون نے عمان میں قرامطہ کی سرگرمیوں کو بیان کرتے ہوئے بنو سامہ کی اس حکومت کا حال یوں لکھا ہے:

وکانت بها فی الاسلام دولة لبنی
شامة (سامة) بن لوی بن غالب، و
کثیر، من نسابة قریش یدفعونهم
عن هذا النسب، اوّلهم محمد بن القاسم
الشامی (السامی) بعثه المعتضد وا
عانه ففتحها وطرد الخوارج الی
تروی (نزوی) قاعدة الجبال، واقام
الخطبة لبنی العباس، وتوارث ذلك
بنوه، واظهروا السنة، ثم اختلفوا
سنة خمس وثلثمائة وتحاربوا،
والحق بعضهم بالقرامطة واقاموا
فی فتنة الی ان تغلب علیهم ابو
طاهر القرمطی سنة سبع عشرة
عند اقتلاعه الحجر، وخطب بها
لعبید الله المهدی وترددت ولاة
القرامطة علیها من سنة سبع عشرة
الی خمس وسبعین، فترهب والیها
منهم وذهب، وملکها اهل تروی
(نزوی) الخوارج وقتلوا من کان

عمان میں بنو سامہ بن لوئی بن غالب کی حکومت
تھی اور بہت سے انساب قریش کے ماہر ان کے
اس نسب کا انکار کرتے ہیں ان میں پہلا
حکمران محمد بن قاسم سامی تھا۔ جسے خلیفہ معتضد
نے مدد دے کر بھیجا، اس نے عمان فتح کر کے
وہاں کے خوارج کو جبال کے دارالسلطنت نزوی
میں ڈھکیل دیا۔ محمد بن قاسم سامی نے بنی
عباس کا خطبہ جاری کیا اور اس کے لڑکے
اس حکومت کے وارث بنے انہوں نے سنت
کو ظاہر کیا پھر ۳۰۵ھ میں ان کے اندر باہمی
اختلاف ہو گیا اور ان میں سے بعض قرامطہ کے
ساتھ مل گئے اس فتنہ کے دور میں یہ لوگ حکمران
رہے ۳۱۷ھ میں ابوطاہر قرمطی ان پر غالب
آگیا جبکہ وہ حجر اسود کو کعبہ سے نکال کر اپنے
ساتھ لے گیا! ابوطاہر قرمطی نے عمان میں
عبید اللہ مہدی کے نام کا خطبہ جاری کیا
اور ۳۱۷ھ سے عمان میں قرامطہ کے حکام
آنے لگے جس کی وجہ سے عمان کا سابق حاکم
ڈر گیا اور حکومت کی طرف سے اس کی توجہ

بها من القرامطة والروافض وبقيت في ايديهم، ودياستها للازد[1]

ہٹ گئی، اس صورتحال سے پھر نزدی کے خوارج نے فائدہ اٹھاکر عمان پر قبضہ کرلیا اور وہاں کے قرامطہ اور روافض کو قتل کرڈالا، اس کے بعد یہاں کی حکومت ان کے ہاتھ میں رہی جس میں حکمرانی بنو ازد کو حاصل تھی،

ابن خلدون کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو سامہ کو عمان میں ایسے نازک حالات میں حکومت ملی جبکہ خوارج اس کو اپنی طاقت کا مرکز بناکر خلافتِ عباسیہ کے باغی بن چکے تھے، اوران کا مقابلہ کرنا بہت مشکل تھا، اسی لیے خلیفہ معتضد نے وہاں کے بنو سامہ کو خوارج کے مقابلہ کے لیے ابھارا اوران کو ہر قسم کی مدد دی، کیونکہ وہ بنو سامہ کی طاقت وشوکت کو عمان، موصل، اور ہندوستان میں دیکھ چکا تھا۔

یہ بنو سامہ سنی المذہب تھے، ان کا تعلق نہ خوارج سے تھا اور نہ روافض سے اور نہ قرامطہ سے، حالانکہ عمان اور اطراف میں یہی دونوں طاقتیں خلافت کے مقابلہ میں کام کررہی تھیں، خوارج گویا عمان کے مالک تھے اور روافض و قرامطہ عبید اللہ مہدی شیعی کے لیے زمین ہموار کررہے تھے، اس ماحول میں بنو سامہ نے اپنی طاقت اور خلافت عباسیہ کی مدد سے عمان میں حکومت قائم کرکے عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا، اور علی الاعلان اہل سنت کے شعار اور مسلک کو رواج دیا، اگر تمام بنو سامہ حضرت علیؓ سے منحرف ہوتے اور یہ ان کی خاندانی روایت ہوتی تو وہ سنی ہونے کے بجائے خارجی ہوتے اور خوارج کو عمان سے مار بھگانے کے بجائے ان کی اوران کے مذہب کی سرپرستی کرتے۔

محمد بن قاسم سامی نے جو حکومت قائم کی تھی وہ ہنگامی اقتدار و غلبہ کے طور پر نہیں تھی،

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۹۳، آج بھی خوارج کی امامت عمان کا دارالسلطنت نزوی ہے جس کی آبادی ۱۵۰۰۰ ہے اور یہی امام غالب بن علی کا دارالامارہ ہے، یہ علاقہ اپنی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے جبل اخضر بولا جاتا ہے۔

بلکہ مستقل موروثی اور خاندانی حکومت تھی جس میں اس کی اولاد حکمرانی کرتی تھی، یہ سامی حکمران سنت کو اپنا شعار بنا کر اس کا اظہار کرتے تھے، مگر بدقسمتی سے ۳۰۵ھ میں یہ حکومت خانہ جنگی کی نذر ہونے لگی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باطنیہ اور قرامطہ نے خفیہ طریقے سے اس خاندان کو لڑا دیا، اور ان سے بعض قرامطہ کے ساتھ مل گئے، ۳۰۵ھ سے ۳۱۶ھ تک باہمی خانہ جنگی کے باوجود یہ حکومت قائم رہی، مگر ۳۱۷ھ میں ابوطاہر قرمطی نے اس پر قبضہ کر کے افریقہ کے اسمٰعیلی شیعی حکمران عبیداللہ مہدی کے نام کا خطبہ جاری کر دیا، ۳۷۵ھ تک یہ صورت حال قائم رہی، مگر اس دور میں بھی برائے نام سہی بنو سامہ کی حکومت باقی رہی اور اسمعیلی عمال و حکام افریقہ سے آکر یہاں حکومت میں دخیل ہوتے رہے، یہاں تک کہ سامی حکمرانوں میں بالکل ہی کمزوری آگئی، اور انہوں نے قرامطہ اور اسمٰعیلیوں کے مقابلہ میں جواب دیا تو پھر وہی خوارج مقام نزدی سے آکر عمان پر قابض ہو گئے، جن کو محمد بن قاسم سامی بانی حکومت سامیہ نے مار بھگایا تھا، اس درمیان میں عمان میں روافض اور قرامطہ کی بڑی کثرت ہو گئی تھی، خوارج نے عمان پر دوبارہ قبضہ کر کے وہاں کے قرامطہ اور روافض کو قتل کیا اور عمان کے قدیم قبیلہ ازد کو یہاں کی حکومت ملی، اور اس کے خارجی حکمرانوں نے اپنے گھر کی حکومت سنبھالی، یہ ہے بنو سامہ کے اپنے وطن عمان میں اقتدار و سلطنت کی داستان، جو ۲۷۹ھ اور ۲۸۶ھ کے درمیان شروع ہو کر ۳۷۵ھ میں ختم ہو گئی اور تقریباً نوے سال تک ان کے اقبال کی یہ انجمن قائم رہی جسکی سرپرستی عباسی خلفاء کرتے رہے، مگر آخر میں قرامطہ اور روافض نے اس پر قبضہ کر لیا یہاں تک کہ ان کو خوارج نے زیر کر کے حکومت چھین لی۔

محمد بن قاسم بن منبہ سامی کے ہاتھوں ملتان میں دولت سامیہ کا قیام (۲۷۹ھ تا ۲۸۶ھ)

جیسا کہ معلوم ہوا بنو سامہ کے ایک غلام فضل بن ماہان نے ۱۹۸ھ اور ۲۱۸ھ کے درمیان عہد مامونی میں ہندوستان کے علاقہ سندان میں حکومت قائم کر لی تھی، اور اس کے بعد خود بنو سامہ نے اپنے وطن عمان میں اپنی حکومت قائم کی جس کا بانی محمد بن قاسم سامی

تھا۔ اس نے اسی دور میں ملتان کو فتح کرکے یہاں بھی اپنی حکومت قائم کی ـــــــ البیرونی نے "کتاب الہند" میں اس کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے۔

وکان محمد بن القاسم بن المنبۃ لما افتتح الملتان نظر الی سبب عمارتھا والاموال المجتمعۃ فیھا فوجد ذلک الصنم اذ کان مقصوداً محجوباً من کل أوب فرأی الصلاح فی ترکہ بعد أن علق لحم بقر فی عنقہ استخفافاً بہ، وبنی ھناک مسجد جامع[1]۔

محمد بن قاسم بن منبہ نے ملتان کو فتح کیا اور جب اس کی آبادی اور مال کی کثرت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب ملتان کا یہی بت ہے کیونکہ ہر طرف سے وہ مرجع بنا ہوا تھا، اسی لیے اس نے توحید پرستی کے مقابلہ میں اسے بے حیثیت کرکے باقی رکھا اور اس کے قریب ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی۔

ہمارا خیال ہے کہ محمد بن قاسم سامی نے عمان میں اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد ہی ملتان میں حکومت قائم کی، اور جسے ابن خلدون نے محمد بن قاسم سامی بنایا ہے وہی محمد بن قاسم بن منبہ ہے، اس زمانہ میں سندھ اور ملتان کے ملکی اور سیاسی حالات عمان سے ملتے جلتے تھے، علویوں، اسمٰعیلیوں اور خارجیوں کی سرگرمیاں سندھ، مکران، اور ملتان میں جاری تھیں ان کی مرکز خلافت سے وابستگی باقی نہیں تھی، بلکہ جو عمّال و حکام طاقتور ہوتے اپنی حکومت کا اعلان کرکے خلافت سے الگ ہو جاتے اور عمان کی طرح ہندوستان کا یہ علاقہ بھی کسی منظم اور حاکمانہ طاقت کے استقبال کے لیے تیار تھا، محمد بن قاسم کی عمان میں کامیابی نے اس کے اور بنو سامہ کے حوصلے بلند کر دیئے، اور ان میں فاتحانہ اولوالعزمی اور بلند حوصلگی پیدا ہوگئی، اس لیے محمد بن قاسم نے اسی زمانہ میں ملتان کو کسی متغلب حاکم

[1] کتاب الہند ص ۵۶، طبع یورپ۔

سے مقابلہ کر کے فتح کر لیا، اور بنو سامہ کی ایک جماعت نے عمان کا اور دوسری جماعت نے ملتان کا نظم و نسق سنبھالا، اور محمد بن قاسم کے دادا منبہ کی نسبت سے ملتان کے سامی حکمران بنو منبہ کہلائے جیسا کہ منصورہ کے ہباری حکمران عمر بن عبدالعزیز ہباری کی نسبت سے بنو عمر بن عبدالعزیز کی کنیت سے مشہور ہوئے،

محمد بن قاسم کے دادا منبہ کا سلسلۂ نسب ہمیں نہیں مل سکا، البتہ امیر ابن ماکولا نے الاکمال میں اجذع بن سامہ بن اسدہ بن مجزم بن عوف بن بکر بن عمرو بن عوف بن عباد بن لوئی بن حارث بن سامہ بن لوئی کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ اسی اجذع بن سامہ کی اولاد میں سے منبہ بن ربیع بن حاتم بن جساس بن عمرو باقل بن اجذع بن اسدہ بن سامہ بن مجزم ہے[1]

اگر یہی منبہ بن ربیع محمد بن قاسم کا دادا ہے تو اس کا سلسلۂ نسب یوں ہوگا محمد بن قاسم بن منبہ بن ربیع بن حاتم بن جساس بن عمرو بن باقل بن اجذع ابن سامہ بن اسدہ بن مجزم بن عوف بن بکر بن عمرو بن عوف بن عباد بن لوئی بن حارث ابن سامہ بن لوئی۔

محمد بن قاسم نے ملتان میں سامی حکومت قائم کر کے اسے بھی مرکز خلافت سے وابستہ رکھا اور عباسی خلفا کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ ملک سے تمام خرابیوں کو دور کیا، قرب و جوار کے ہندو راجوں مہاراجوں سے جنگ کر کے ان کی طاقت توڑی اور اپنی ساکھ قائم کی، محمد بن قاسم کے ساتھ بنو سامہ کی ایک بڑی جماعت یہاں کے نظم و نسق میں شریک تھی۔

ابن رستہ کا بیان ۲۸۰ھ

ملتان میں سامی حکومت کا تذکرہ سب سے پہلے ابن رستہ نے الاعلاق النفیسہ میں کیا ہے یہ سیاح اور جغرافیہ نویس ۲۸۰ھ میں موجود تھا، مگر اس نے محمد بن قاسم کا نام نہیں لیا ہے بلکہ وہ..... ملتان کی حکمران طاقت کو ایک قوم کے لفظ سے یاد کرتا ہے جو اپنے کو سامہ بن لوئی کی اولاد بتاتی تھی اور ملتان میں بنو منبہ کی کنیت سے مشہور تھی اس کا پورا بیان یہ ہے،

---

[1] الاکمال ج ۱ ص ۲۰۔

وبالملتان قوم يدعون انهم من ولد سامة بن لوئی يقال لهم بنو مُنَبِّه وهو الملوك علی الهند فيها وهو يدعون لأمير المومنين، وهی تلی المنصورة من السند، وبالملتان صنم له دخل مال عظيم فملك بنی منبه هؤلاء وأموالهم من دخل هذا الصنم، ودخله فيما اخبرنی به من اثق بقوله ممن دخل البلاد، واقام بها لا يحصی كثرة، وربما غزا ملوك الهند بنی منبه فيخرجون الی الملتان فی جيش عظيم فيقاتلونهم فتغلبهم بنی منبه ليسارهم وقوتهم وكثرة أموالهم[1]	ملتان میں ایک قوم ہے جو اپنے کو سامہ بن لوئی کی اولاد سے بتاتی ہے ان کو وہاں بنو منبہ کہا جاتا ہے، یہی لوگ ہندوستان میں ملتان پر حکمران ہیں، یہ امیر المومنین کے لیے دعا کرتے ہیں، ملتان منصورہ سے ملا ہوا سندھ کا علاقہ ہے، اور ملتان میں ایک بت خانہ ہے جس کی آمدنی بہت زیادہ ہے، بنو منبہ کی دولت اسی بت خانہ کی آمدنی سے ہے، اور اس کی آمدنی جیسا کہ ان شہروں میں جانے اور رہنے والے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا، بے حساب ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہندوستان کے راجے بنو منبہ سے جنگ کے لیے ملتان پر بھاری فوج لے کر چڑھ آتے ہیں، تو بنو منبہ ان سے جنگ کر کے اپنی خوش حالی وطاقت اور مالداری کی وجہ سے ان پر غالب آجاتے ہیں۔

ابن رستہ کے اس بیان سے ملتان میں دولتِ سامیہ کے قیام کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا بلکہ بعد کے حالات معلوم ہوتے ہیں، اور چونکہ اس سے پہلے اس بارے میں ہمیں کوئی چیز نہیں مل سکی اس لیے ہم اسی بیان کی روشنی میں دولت سامیہ ملتان کے ابتدائی حالات کا پتہ چلاتے ہیں۔

محمد بن قاسم نے عمان اور ملتان میں تقریباً ایک وقت ہی (۲۷۹ھ تا ۲۸۶ھ) میں اپنی حکومت قائم کی، اور دونوں حکومتیں کامیابی سے ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ ابن رستہ

[1] الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۵ طبع لیڈن۔

(موجود ۳۲۸ھ) کے وقت ملتان کی سامی حکومت کافی مضبوط اور منظم تھی اور باضابطہ چل رہی تھی، یہاں کے حکمران بنو منبہ کے امتیازی لقب سے یاد کیے جا رہے تھے۔ ابن رستہ کے پورے بیان میں بنو منبہ (یعنی منبہ کی اولاد) کو حکمران مان کر جمع کے الفاظ استعمال کیے گئے، ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو سامہ کی شاخ بنو منبہ اپنے رئیس و سردار محمد بن قاسم بن منبہ کی ماتحتی میں ملتان کی حکومت پر قابض و دخیل تھی، اور اپنی ابتدائی تاریخ میں یہ حکومت شخصی سے زیادہ جمہوری تھی، اور اس کے بانی کی بیدار مغزی، اولوالعزمی اور قابلیت کی وجہ سے ابتداء ہی سے نہایت شاندار اور کامیاب طریقہ پر چلتی رہی، ملتان پر قبضہ کرنے کے تھوڑے دنوں بعد بنو منبہ شان و شوکت، رعب وداب اور مال و دولت میں بہت زیادہ بڑھ گئے، اور ان کی طاقت نے اطراف وجوانب میں اپنی ساکھ بٹھا دی، حالانکہ ابتدائی دور ہی سے ان کو قنوج اور آس پاس کے راجوں مہاراجوں کی یلغار و شورش پر سخت مقابلہ کرنا پڑتا تھا، دشمن بار بار ملتان کے بت خانہ پر قبضہ کرنے کے لیے حملہ آور ہوتے اور بنو منبہ مدافعت کر کے اپنی شان و شوکت اور فوجی قوت کی وجہ سے ان کو شکست دیتے، ابن رستہ کا یہ بیان خاص طور سے ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہندوستانی راجوں کے ملتان پر حملہ آور ہونے پر بنو منبہ زبردست فوج لے کر مقابلہ کے لیے نکلتے اور اپنی طاقت و دولت کی وجہ سے ان کو ہزیمت دے کر خود فتحیاب ہوتے، بعد میں یہ صورت باقی نہیں رہی بلکہ بیرونی حملوں کے نازک وقت میں بت اور بت خانہ کے توڑنے پھوڑنے کی دھمکی دے کر ان کو پسپا کیا جاتا تھا۔

عمان کے بنو سامہ کی طرح ملتان کے بنو سامہ بھی سنی المذہب تھے، اور یہ بھی خلفائے عباسیہ کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے، ملتان اور سندھ میں روافض و خوارج کی کشمکش میں اس خالص سنی حکومت کا قیام اس کی عظمت و طاقت کی سب سے بڑی دلیل ہے اس حکومت کا خاتمہ اس کی سنیت ہی کی بنا پر اسمٰعیلی شیعوں کے ہاتھوں ہوا۔ عمان میں ان کا معاملہ اس

بارے میں بھی اسی قسم کا تھا اور وہاں کی حکومت پر بھی پہلے قرامطہ اور روافض نے قبضہ کیا۔

مسعودی کا بیان ۳۰۳ھ

ملتان میں بنو سامہ کی حکومت کا ذکر ابن رستہ کے بعد مسعودی نے کیا ہے جس نے ۳۰۳ھ میں سندھ اور ملتان کی سیاحت کر کے یہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا تھا، اس لیے مسعودی کا بیان نسبۃً مفصل اور معلوماتی ہے، پہلے منصورہ اور ملتان کی عرب حکومتوں کی قدامت اور حکمرانوں کا حال یوں بیان کیا ہے۔

وصاحب مملكة بلد الملتان رجل	ملتان کا حاکم ایک قریشی شخص ہے، جو بنو سامہ
من قريش من ولد سامة بن لوی	بن لوئی بن غالب کی اولاد سے ہے، اسی طرح
بن غالب، وکذلك صاحب مملكة	منصورہ کا حاکم بھی ایک قریشی شخص ہبار بن اسود
المنصورة رجل من قريش.	کی اولاد سے ہے، اور منصورہ و ملتان
من ولد هبار بن اسود، والملك في	کی حکومتیں صدر اسلام سے موروثی اور
هؤلاء، وملك صاحب الملتان	قدیم ہیں۔
متوارثان قديمًا من صدر الاسلام[1]،	

دوسری جگہ ملتان کے حاکم کا نام و نسب یوں لکھا ہے:

وکان دخولی الی بلاد الملتان بعد	ملتان میں میرا جانا ۳۰۰ھ کے بعد ہوا تھا، اس
الثلاثمائة والملك بها ابو اللهاب	وقت وہاں کا بادشاہ ابو اللہاب منبہ بن اسد
المنبة بن اسد القرشی[2]	قرشی تھا۔

پھر ایک مقام پر ملتان اور صاحبِ ملتان کا مفصل حال بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ ملتان کا حاکم جیسا کہ ہم نے کہا سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد سے ہے، اس کے پاس طاقت اور فوج بہت زیادہ ہے، ملتان مسلمانوں کی بڑی سرحدوں میں سے ایک اہم سرحد ہے۔ حدودِ ملتان میں ایک لاکھ اور بیس (۱۲۰۰۰۰) ایسے گاؤں اور بستیاں ہیں جن کا شمار ہو سکتا ہے، نیز ملتان

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۹۹ — [2] ،، ج ۱ ص ۱۶۷۔

میں وہ مشہور بت ہے جس کی پوجا کے لیے سندھ اور ہندوستان کے باشندے دور دراز شہروں سے اموال، جواہر، عود قسم قسم کی خوشبوئیں اور طرح طرح کی نذریں لے کر حاضر ہوتے ہیں، ملتان کے حاکم کی سب سے بڑی آمدنی خالص عود قماری سے ہوتی ہے جو اس بت پر چڑھائی جاتی ہے، اس کے ایک اوقیہ کی قیمت ایک سو دینار تک پہنچ جاتی ہے، یہ عود اس قدر عمدہ ہوتی ہے کہ اس پر مہر لگائی جاتی ہے تو موم کی طرح اس پر نشان پڑ جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی عجیب عجیب چیزیں اس بت کی نذر کی جاتی ہیں، جب ہندوستان کے ہندو راجے مہاراجے ملتان پر حملہ آور ہوتے ہیں اور مسلمان ان کے مقابلے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو وہ اس بت کو توڑنے اور اس کی آنکھ پھوڑنے کی دھمکی دیتے ہیں جس سے دشمنوں کی فوج مجبوراً واپس ہو جاتی ہے میں ۳۰۰ھ کے بعد ملتان گیا تھا اس وقت وہاں بادشاہ ابو اللہاب منبہ بن اسد قرشی تھا[1]

مسعودی کی یہ تصریح دولتِ سامیہ ملتان کے بارے میں سب سے زیادہ مفصل کہی جا سکتی ہے اور اس کی روشنی میں ہم اس حکومت کے خد و خال دیکھ سکتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ مسعودی کے زمانے یعنی تیسری صدی کے خاتمہ تک یہ حکومت موروثی اور قدیم ہو چکی تھی، اس نے ۳۰۳ھ میں ابو اللہاب منبہ بن اسد قریشی کو حکمران بتایا ہے جبکہ یہ حکومت ۲۷۹ھ اور ۲۸۶ھ کے درمیان قائم ہوئی، اور اس کا بانی دوسرا محمد بن قاسم بن منبہ سامی تھا، غالباً مسعودی کے زمانے (۳۰۳ھ) میں جو منبہ بن اسد حکمران تھا وہ اس کا پوتا تھا، ہمارا خیال ہے کہ ۳۰۳ھ تک ملتان میں تین سامی حکمران ہو چکے تھے (۱) محمد بن قاسم بن منبہ (۲) اس کا بیٹا اسد (۳) اور پوتا منبہ بن اسد، یہ ضرور ہے کہ منبہ بن اسد سے پہلے دونوں حکمرانوں کا زمانہ مختصر رہا اور تیسرے حکمران کے دور میں مسعودی ملتان پہنچا، ظاہر ہے کہ ایسی حکومت قدیم و متوارث کہی جائے گی ادھر سے تغلب کا نام نہیں

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۶۷، ۶۸۔

دیا جائے گا، مگر مسعودی نے ملتان اور منصورہ کی دونوں کی قدامت کے لیے صدر اسلام لکھا ہے معلوم نہیں صدر اسلام سے کون سا زمانہ مراد ہے، ویسے عام طور سے پہلی صدی ہجری تک کو صدر اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر اس زمانہ میں ان دونوں حکومتوں کا نام و نشان تک نہیں تھا، اس لیے کہ اس کی قدامت کی تاریخ تیسری صدی کے آخری دور سے شروع ہوتی ہے۔

ابن رستہ نے لکھا ہے کہ ملتان کے حکمران بنو منبہ ہیں جو سامہ بن لوئی کی نسل سے ہیں، اور پورے بیان میں محمد بن قاسم بن منبہ کا نام نہیں لیا، بلکہ حکمران کا ذکر قوم اور جماعت کے انداز میں کیا ہے، مگر مسعودی نے ایک حکمران شخصیت کا تذکرہ کنیت اور نسبت کے کے ساتھ کیا ہے، اور حکومت کو قدیم و موروثی بتایا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں یہ حکومت جمہوری قسم کی تھی، جس میں سرداری اور ریاست محمد بن قاسم کو حاصل تھی، بعد میں اس کے لڑکے اسد نے حکومت سنبھالی، پھر اسد کا لڑکا ابو اللباب منبہ قرشی حکمران ہوا، اس طرح یہ حکومت شخصی بن گئی، مگر اس دور میں بھی جمہوری روح باقی تھی اور جب ہندوستان کے راجے ملتان پر حملہ آور ہوتے اور مسلمان ان کے مقابلہ میں عاجز ہو جاتے، تو سب مل کر وہاں کا بت خانہ توڑنے اور بت کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دیتے جس سے وہ واپس چلے جاتے تھے، جیسا کہ اوپر مسعودی کے بیان میں گذر چکا ہے۔

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کے مقابلہ میں اس وقت ملتان کی سامی حکومت دشمن کے مقابلہ میں کمزور ہو گئی تھی، اور جب یہاں کے حکمران اور عوام طاقت کے استعمال سے عاجز ہو جاتے تو دھمکی سے دشمن کو زیر کرتے، حالانکہ ابتداء میں جیسا کہ ابن رستہ کا بیان گذر چکا ہے، بنو سامہ نکل کر باقاعدہ ان سے مقابلہ کرتے تھے، اور اپنی خوش حالی، طاقت اور مالداری کی وجہ سے ان پر فتح پاتے تھے،

اصطخری کا بیان ۳۴۰ھ میں | مسعودی کے تقریباً چالیس سال بعد ۳۴۰ھ کے حدود

میں ابو اسحاق ابراہیم فارسی اصطخری نے مسالک الممالک میں ملتان اور اس کے سامی حکمران کا تذکرہ یوں لکھا ہے:

وخارج الملتان علی مقدار نصف فرسخ ابنیة کثیرة تسمی جندراور وھی معسکر للأمیر لا یدخل الامیر منها الی الملتان الا فی الجمعة فیرکب الفیل ویدخل الی صلوٰة الجمعة، وامیرھم قریشی من ولد سامة بن لوی، قد تغلب علیها ولا یطیع صاحب المنصورة الا انه یخطب للخلیفة[1]	شہر ملتان کے باہر آدھے فرسخ کی دوری پر بہت سی عمارتیں ہیں، اس بستی کو جندراور کہتے ہیں، یہ امیر ملتان کا فوجی کیمپ ہے، وہ اسی جگہ مستقل سکونت پذیر ہے، صرف جمعہ کے دن ملتان جاتا ہے، ہاتھی پر سوار ہو کر نماز جمعہ کے لیے شہر میں داخل ہوتا ہے، ملتان کا امیر ایک قریشی ہے جو سامہ بن لوی کی اولاد سے ہے، اس نے ملتان پر قبضہ کر لیا ہے، وہ امیر منصورہ کا مطیع نہیں ہے بلکہ خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے۔

اس سے پہلے اصطخری نے ملتان کے بیان میں وہاں کے بت اور بت خانہ کا تذکرہ کیا ہے اور اسی ضمن میں امیر ملتان کے بارے میں لکھا ہے:

وعامة ما یحمل إلی هذا الصنم من المال فانما یاخذه امیر الملتان وینفق علی السدنة منه، فاذا قصدهم الهند للحرب وانتزاع هذا الصنم منهم فاظهروا کسره واحراقه، فیرجعون، ولولا ذالك لخربوا الملتان، وعلی الملتان	جو مال بھی اس بت کی نذر کیا جاتا ہے اسے امیر ملتان لے کر بت خانہ کے پجاریوں اور محافظوں پر خرچ کرتا ہے، جب ہندو راجے ملتان پر چڑھائی کرتے ہیں اور اس بت کو بنو سامہ سے چھیننا چاہتے ہیں تو وہ اس کے توڑنے اور جلانے کی دھمکی دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ واپس چلے جاتے ہیں اگر یہ

[1] مسالک الممالک ص ۱۷۵ - طبع لیڈن۔

حصون منيعة، وهي خصبة — بات نہ ہوتی تو ہندو راج ملتان کو یقیناً ویران و
الا ان المنصورة اخصب — تباہ کردیتے، ملتان میں کئی مضبوط قلعے ہیں اس کی
واعمر الخ[1] — سرسبزی اور آبادی منصورہ کے مقابلہ میں کم ہے۔

اصطخری کے اس بیان سے چند نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اول یہ کہ جس طرح ابتدا، میں منصورہ کے ہباری حکمران شہر سے تھوڑی دور پر بانیہ نامی ایک گاؤں میں رہتے تھے اور اور اپنے دار السلطنت میں نہیں رہتے تھے، اسی طرح ان کے معاصر ملتان کے سامی حکمران شہر سے کچھ فاصلے پر جندراور نامی ایک بستی میں مستقل قیام کرتے تھے اور صرف جمعہ کی نماز کے لیے آٹھویں دن ملتان میں جاتے تھے،

جندراور سامی حکمرانوں کا معسکر اور فوجی مرکز تھا جہاں ان کی فوجیں رہا کرتی تھیں اور جب غنیم سے مقابلہ کی باری آتی تھی تو یہیں سے نکل کر میدانِ جنگ میں جایا کرتی تھیں، اس زمانہ میں ملوک ملتان کے یہاں ہاتھی کی سواری کا رواج ہوگیا تھا اور وہ شاہی جلوس میں ہاتھی کی سواری کرتے تھے،

وہ عمان کی طرح ملتان میں بھی سنت کے شعار کو بڑے اہتمام کے ساتھ ظاہر کرتے تھے، خاص طور سے ملتان میں جمعہ کی نماز کے لیے بادشاہ کی سواری نکلتی تھی۔

ابن رستہ، مسعودی اور اصطخری سب لکھتے ہیں کہ سلاطین سامیہ کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ملتان کا بت خانہ ہے اور اس سے ان کو بے شمار آمدنی ہوتی ہے، مگر اصطخری نے تصریح کی ہے کہ بت خانہ کے پجاریوں اور محافظوں کا خرچ اسی آمدنی سے ادا کیا جاتا ہے اور امراء ملتان اپنی اس آمدنی سے ان کے تمام اخراجات پورے کرتے ہیں اس طرح کئی ہزار پجاریوں کے تمام اخراجات شاہی خزانہ سے ادا کیے جاتے تھے جب محمد بن قاسم نے ملتان پر حملہ کیا تو چھ ہزار پجاری گرفتار ہوئے تھے، اس سے ان کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے، مسعودی کی طرح

[1] مسالک الممالک ص ۱۷۴ و ص ۱۷۵۔

اصطخری نے بھی لکھا ہے کہ جب مسلمان ہندو راجاؤں کے حملہ کی تاب نہیں لاتے تو اس بت کو توڑنے اور جلانے کی دھمکی دیتے ہیں اس لیے ان کو نجات ملتی ہے بلکہ اصطخری نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر مسلمان ایسا نہ کریں تو یہ حملہ آور ملتان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اسے تباہ و برباد کر دیں۔

نیز اصطخری نے ملتان کے قریب جنداور کی فوجی چھاؤنی کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ ملتان میں کئی اہم قلعے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حملہ آوروں سے حفاظت کے لیے شہر میں بہت سے مضبوط قلعے بھی تعمیر کیے گئے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو دشمنوں سے کبھی نجات نہیں ملتی تھی اور ہمیشہ ان کی حکومت حالتِ جنگ میں رہا کرتی تھی جس کی وجہ سے سامیوں نے ملتان میں قلعے بنوائے اور شہر سے کچھ فاصلے پر فوجی چھاؤنی قائم کی۔

ملتان سے آگے سندھ میں عربوں کی ایک قدیم اور مضبوط حکومت منصورہ میں قائم تھی جو خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھ کر خود مختار تھی، مگر ملتان کے سامی حکمرانوں نے بھی مرکز خلافت سے براہ راست تعلق پیدا کر لیا، اور منصورہ کی ماتحتی قبول نہیں کی،

ابن حوقل بغدادی کا بیان ۳۵۸ھ

اصطخری کے پندرہ بیس سال بعد ابن حوقل تاجر بغدادی (موجود ۳۵۸ھ) نے اپنی کتاب صورۃ الارض میں ملتان اور وہاں کے سامی امیر کا ذکر یوں کیا ہے:

وبخارج الملتان علی نصف فرسخ	ملتان کے باہر نصف فرسخ پر امیر کی لشکر گاہ ہے،
معسکر امیرٍ، وھو من ولد سامۃ	یہ امیر سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد سے ہے،
بن لوئی بن غالب، ولیس ھو فی	اور وہ کسی کی اطاعت و ماتحتی میں نہیں ہے
طاعۃ احدٍ، وخطبتہ لبنی العباسؓ	بلکہ بنی عباس کا خطبہ پڑھتا ہے۔

اس بیان میں کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۳۵۸ھ کے حدود میں ملتان پر کوئی سامی حکمران تھا، یہ تحریر ملتان میں بنو سامہ کی حکومت کی آخری

ل کتاب صورۃ الارض بحوالہ رجال السند والہند ص ۲۴۶۔

شہادت ہے، اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد یہاں سے ان کے اقبال کا چراغ گل ہو گیا، یہی زمانہ ہے جبکہ عمان میں بھی بنو سامہ زوال و ادبار کے طوفان میں بہہ گئے، اور دونوں ہی ملکوں میں ان کے پرانے حریف و دشمن روافض و قرامطہ یا اسمٰعیلیہ و رافضیہ نے ان کو ختم کر کے دم لیا، مگر چند سالوں کے بعد ان کا ہجوم و غلبہ بھی اپنے نتیجے کو پہنچ گیا یعنی عمان پر خوارج نے قبضہ کیا اور ملتان پر سلطان محمود غزنوی نے غلبہ حاصل کیا۔

مقدسی بشاری کا بیان، ۳۷۵ھ اور ملتان سے بنو سامہ کی حکومت کا خاتمہ

ابن حوقل کے بعد مشہور سیاح و جغرافیہ نویس مقدسی بشاری جس نے اپنی کتاب احسن التقاسیم ۳۷۵ھ میں لکھی ہے ملتان والوں کو شیعہ اور امیر ملتان کو اسمٰعیلی بتا کر لکھا ہے کہ ملتان کے شیعہ اذان میں حَیَّ عَلٰی خیر العمل کہتے ہیں اور امرائے ملتان مصر و افریقہ کے فاطمی حاکم کا خطبہ پڑھتے ہیں اور کوئی بھی کام اس کی اجازت و مرضی کے بغیر نہیں کرتے اور یہ کہ ان کے سفراء اور ہدایا ہمیشہ مصر جایا کرتے ہیں، اس نے ایک جگہ لکھا ہے۔

واھل الملتان شیعۃ یھوعلون فی الاذان، ویثنون فی الاقامۃ[۱]	ملتان والے شیعہ ہیں، اذان میں حی علی خیر العمل کہتے ہیں، اور اقامت کے الفاظ دہراتے ہیں۔

دوسری جگہ لکھا ہے۔

واما بالملتان فیخطبون للفاطمی ولا یعقلون ولا یعقدون الا بامرہ وابدا أرسلھم وھدایاھم تذھب الی مصر، وھو سلطان قوی عادل[۲]	ملتان میں فاطمی حکمران کا خطبہ پڑھتے ہیں، اور اسی کے حکم سے ہر ایک کام کرتے ہیں اور ان کے قاصدوں اور ہدیوں کا سلسلہ ہمیشہ ملتان سے مصر تک جاری رہتا ہے، یہاں کا بادشاہ طاقتور اور عادل ہے۔

اب تحقیق طلب بات یہ ہے کہ ملتان سے بنو سامہ کی حکومت کب ختم ہوئی اور وہاں پر

[۱] احسن التقاسیم ص ۴۸۱۔ [۲] ص ۴۸۵۔

اسمٰعیلی شیعی حکومت کے قیام کا زمانہ کیا ہے؛ ابن حوقل (موجود ۳۵۰ھ) کا بیان ملتان کے بنو سامہ کی حکومت کی آخری سند ہے اور مقدسی (موجود ۳۷۵ھ) کا بیان وہاں پر فاطمی شیعی حکومت کے قیام کی پہلی خبر ہے، ظاہر ہے کہ اسی درمیانی مدت میں ملتان انقلاب سے دوچار ہوا ہوگا، اگر ہم قیاسی حساب سے کام لے کر یہ مان لیں کہ ۳۵۰ھ کے بعد بھی سامی حکومت رہی اور ۳۷۵ھ سے پہلے شیعی حکومت قائم ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۳۶۰ھ اور ۳۷۵ھ کا زمانہ بنو سامہ کے خاتمہ اور باطنیوں کے قبضہ کا ہے اور یہی زمانہ مصر و افریقیہ میں فاطمی حکمرانوں کے اقتدار کا بھی ہے، ۳۴۱ھ میں عبید اللہ مہدی کے بعد معد معز الدین اللہ تخت نشین ہوا اور بیس سال تک شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد ۳۶۵ھ میں فوت ہوا، اس کے امیر و معتمد قائد جوہر نے ۳۵۸ھ میں مصر فتح کر کے ۳۵۹ھ میں مصر کی جامع ابن طولون میں معز الدین اللہ کے نام کا خطبہ پڑھا اور اذان میں حی علیٰ خیر العمل کا اضافہ کیا، نیز اسی سال شام اور مصر فتح کیا اور معز نے رمضان ۳۶۲ھ میں قیروان کے بجائے مصر کو پایۂ تخت بنایا، مقدسی نے ملتان کے شیعوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بھی اذان میں حی علیٰ خیر العمل کا اضافہ کرتے ہیں، خود فاطمی حکومت میں اس کا رواج ۳۵۹ھ میں ہوا اس کا مطلب یہ ہے کہ ملتان پر اسمٰعیلیوں کا قبضہ ۳۵۹ھ کے بعد ہوا اور اس کے بعد انہوں نے اذان میں یہ اضافہ کیا۔

ملتان کے باطنی اسمٰعیلی حکمران

بنو سامہ کے بعد ملتان کے اسمٰعیلی شیعی حکمرانوں میں سب سے پہلا نام جلم بن شیبان کا ملتا ہے جس نے سب سے پہلے ملتان کی سُنّی حکومت کو ختم کر کے یہاں اسمٰعیلی حکومت قائم کی:

ایک یمنی الاصل ہمدانی اسمٰعیلی معاصر عالم نے اپنی کتاب "الصلیحیون والحرکۃ الفاطمیۃ فی الیمن" میں لکھا ہے کہ بقول ادریسی خلیفہ معز نے ہندوستان میں اپنا ایک داعی بھیجا، جس نے یہاں کے مجوسیوں کو ان کے مذہب سے نکالا، مگر اس داعی نے ان میں

ان کے بعض غیر اسلامی عقائد کو باقی رکھا، پھر معز نے دوسرے داعی جلم بن شیبان کو یہاں پر داعی وامیر بنا کر بھیجا، خلیفہ معز نے رمضان ۳۵۴ھ (۹۶۵ء) میں اس کے نام اپنا ایک خصوصی مکتوب روانہ کیا تھا، یہ داعی جلم بن شیبان سندھ کے حاکم کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگیا، اور بت خانہ گرا کر وہاں مسجد کی بنا ڈالی، اس واقعہ کو بیرونی نے کتاب الہند میں یوں ذکر کیا ہے کہ جلم بن شیبان نے ملتان پر یلغار کی، پھر سندھ کے شہروں پر حملہ کر کے تباہی مچائی اور ملتان کا بت خانہ گرا کر وہاں مسجد تعمیر کی ہے[1]

مگر خود البیرونی نے کتاب الہند میں یوں لکھا ہے:

فلما استولت القرامطة على الملتان	جب ملتان پر قرامطہ کا غلبہ ہوا تو جلم بن شیبان
کسر جلم بن شیبان المتغلب ذلک	متغلب نے وہاں کا بت توڑ ڈالا، اور اس کے
الصنم وقتل سدنته وجعل	پجاریوں کو قتل کر دیا، اور بت خانہ کو جو ایک
بیته. وهو قصر مبنی من الآجر	بلند مقام پر اینٹوں سے بنا ہوا قلعہ تھا، جامع
على مکان مرتفع جامعاً بدل	مسجد بنایا، اور پہلی جامع مسجد کے بدلے اسے بنا کر
الجامع الاول واغلق ذلک بغضا	پہلی مسجد کو بند کر دیا، اس نے ایسا اس لیے
لما عمل فی ایام بنی امیة[2]	کیا کہ پہلی مسجد اموی دور کی بنی ہوئی تھی.

میں نے رجال السند والہند میں جلم بن شیبان کے غلبہ کی تعیینی تاریخ ۳۶۶ھ اور ۳۷۵ھ کے درمیان لکھی ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے اسمٰعیلی کا نام ملتا ہے یعنی شیخ حمید اس کا زمانہ ۳۷۵ھ اور ۳۹۰ھ کے درمیان تھا، اس کے شیخ کے لقب سے معلوم ہوتا ہے وہ اسمٰعیلی داعی و مبلغ تھا، ملتان پر اس کی حکمرانی کی کوئی تصریح نہیں ملتی، شیخ حمید کے بیٹے نصر بن حمید باطنی کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ حکمران تھا یا نہیں، البتہ شیخ حمید کا پوتا اور نصر کا بیٹا ابو الفتوح داؤد بن نصر بن حمید باطنی کے ملتان پر حکمران ہونے کی

[1] الصلیحیون والحرکة الفاطمیة فی الیمن ص ۲۲۳ طبع مصر، [2] کتاب الہند ص ۵۶۔

تصریح موجود ہے جیسے ۳۹۶ھ میں سلطان محمود غزنوی نے شکست دے کر ملتان پر قبضہ کرلیا اس کی کنیت ابوالفتوح اور ابوالفتح دونوں بتائی جاتی ہے، اور اس کا لقب داؤد الاکبر ہے، کیونکہ اس کے ایک لڑکے کا نام بھی داؤد تھا۔ جسے داؤد الاصغر کہتے تھے، داؤد الاصغر کو بعد میں سلطان مسعود غزنوی نے گرفتار کیا اور جب اس نے باطنی عقائد سے توبہ کی تو اسے رہا کر دیا۔

ملتان سے باطنی اقتدار کا خاتمہ اور ۳۹۶ھ میں سلطان محمود غزنوی کی یلغار

علامہ ابن اثیر نے ۳۹۶ھ کے واقعات میں درج کیا ہے کہ اس سال سلطان محمود غزنوی نے ملتان پر چڑھائی کی، بات یہ تھی کہ سلطان کو وہاں کے حاکم ابوالفتوح کے خبث اعتقادی اور ملحدانہ عقائد کی خبر پہنچی اور یہ بات معلوم ہوئی کہ اس نے ملتان کے عوام کو بھی اس اسمٰعیلی باطنی مذہب کی دعوت دی ہے اور وہ بھی باطنی ہو گئے ہیں، اس خبر پر سلطان نے ملتان پر چڑھائی کی تیاری کی اور راجہ اندپال سے اس کی حدودِ حکومت سے گذرنے کی اجازت چاہی مگر اس نے انکار کر دیا، اس لیے سلطان نے ملتان سے پہلے راجہ اندپال ہی سے جنگ شروع کر دی اور پنجاب کو تہس نہس کیا، راجہ نے راہ فرار اختیار کی، سلطان نے کشمیر پہنچ کر دم لیا اسی اثناء میں ابوالفتوح کو سلطان محمود کے ملتان پر حملہ آور ہونے کی خبر لگ گئی اس نے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنی دولت و ثروت کو سرندیپ روانہ کر دیا اور خود ملتان کو خالی کر کے کہیں چلا گیا، جب سلطان محمود ملتان پہنچا، اور تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ واقعی یہاں کے عام مسلمان گمراہ ہو کر اسمٰعیلی شیعہ ہو چکے ہیں، اس کے بعد سلطان نے اہل ملتان سے جنگ کر کے ان کو طاقت کے ذریعہ زیر کیا اور تادیب اور جرمانہ کے طور پر ان سے بیس ہزار درہم وصول کیے۔[1]

تاریخ یمینی کے مصنف نے بھی ابوالفتوح کے سرندیپ مال و دولت روانہ کرنے کی

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۶۴ و تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۳۶۶۔

تصریح کی ہے، اور ان پر جرمانہ کی رقم بیس لاکھ درہم بتائی ہے، اور یہی قرین قیاس بھی ہے۔

اس طرح ملتان سے باطنی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، مگر اس کے بعد بھی ملتان پنجاب، سندھ اور گجرات وغیرہ کے علاقے اسمٰعیلی دعوت و غلبہ سے متاثر رہے، جس کا اثر آج تک باقی ہے کہ یہی ملک اسمٰعیلی و باطنی دعوت کا مرکز ہے۔ ملتان پر بنو سامہ کے بعد اسمٰعیلی حکومت صرف تیس پینتیس سال تک رہ سکی اور اسے بھی سلطان محمود کی طاقت وغیرت کا سیلاب ایک تھپیڑے میں خس و خاشاک کی طرح بہالے گیا۔

ملتان میں دولت سامیہ کے خاتمہ اور اسمٰعیلی حکومت کے قیام کا پس منظر

یوں تو صدر اسلام ہی سے سندھ اور ہندوستان کے مختلف مقامات میں طرح طرح کے فتنے پرورش پا رہے تھے، کرمان سے متصل مکران اور طوران و قصدار میں خوارج اپنا کام کر رہے تھے، سندھ ملتان اور پنجاب میں علوی دُعاۃ اور اسمٰعیلی مبلغین اپنے لیے زمین ہموار کر رہے تھے، مگر دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے دور میں پورے عالم اسلام کی اندرونی شورشیں بڑی حد تک دب گئی تھیں، اس نے ہر جگہ دعاۃ شیعہ اور خوارج کا زور کم کر دیا تھا، لیکن خلیفہ ہارون رشید کے انتقال کے بعد جب خود بنو عباس اپنے اندرونی جھگڑوں میں مبتلا ہوئے تو فتنۂ و بغاوت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر ابھرنے لگیں، خاص طور سے شیعوں اور علویوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر ہر جگہ سر اٹھایا اور پورے عالم اسلام میں خفیہ طور سے اپنے دعاۃ و مبلغین بھیجے جو ان کے حق میں زمین ہموار کرتے تھے، اس سلسلہ میں سندھ اور ملتان پر ان کی خاص نظر تھی، ۲۵۸ھ میں کوفہ میں فرج بن یحییٰ نامی ایک داعی ظاہر ہوا جس نے قرمط نامی ایک کتاب کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ احمد بن محمد بن حنفیہ کی ہے اس میں کفریات تھیں اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا گیا تھا، یہ شخص مہدی منتظر کا داعی تھا، جس کا ظہور کسی خاص مقام میں جلد ہی ہونے والا تھا، اس کے متبعین کی اچھی خاصی جماعت بحرین میں پیدا

ہو گئی، جو بعد میں افریقہ کے فاطمی حاکم عبید اللہ مہدی کی پیرو ہو گئی، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بحرین کی یہ جماعت بعد میں مغرب میں عبیدیوں کی دعوت و اطاعت کی تابع ہو گئی[1]

بحرین کے ان اسمٰعیلی داعیوں کا اثر سندھ پر پڑنا لازمی تھا، نیز اسی زمانہ میں ایک شخص محمد الجبیب حمص کے مقام سلمیہ میں تھا جس کی زیارت کو اطراف و جوانب کے شیعہ جایا کرتے تھے جن کو وہ مہدی منتظر کی دعوت دیتا تھا، اُس کی خدمت میں عدن لاعہ سے ایک شخص محمد بن فضل حاضر ہوا، محمد الجبیب نے اس کے ساتھ اپنے داعی رستم بن حسن بن حوشب کو یمن میں دعوت عام کرنے کے لئے بھیجا، اس نے یمن آکر مہدی منتظر کی دعوت دی اور صنعاء پر قبضہ کر کے آس پاس کے ممالک و امصار میں داعیوں اور مبلّغوں کو بھیجا اسی سلسلہ میں اس کے داعی سندھ اور ہندوستان میں بھی آئے، ابن خلدون نے لکھا ہے

ذفرق الدعاة فی الیمن والیمامة والبحرین، والسند، والهند، و مصر، والمغرب،[2]

اس نے یمن یمامہ، بحرین، سندھ، ہندوستان، مصر، اور مغرب (افریقہ) میں اپنے داعیوں کو پھیلا دیا۔

محمد الجبیب نے مرتے وقت اپنے بیٹے عبید اللہ سے کہا کہ تم مہدی ہو، میرے بعد کسی دور دراز مقام پر جاؤ گے، اور تکلیفیں برداشت کرو گے، اس دوران میں مہدیت کی دعوت مشرق و مغرب میں پھیل چکی تھی، اور افریقہ کے مقام کتامہ سے ابوعبداللہ الشیعی نے عبید اللہ کے پاس اپنے آدمی بھیجے، جن سے افریقہ میں مہدیت کے لیے فضا سازگار ہو جانے کا علم ہوا۔ عبید اللہ مہدی کسی طرح شام سے بچ کر افریقہ پہنچا اور ۲۹۶ھ میں مقام قیروان میں اس کی بیعت ہو گئی، یہ مصر و افریقہ میں عبیدیوں کی حکومت کا پہلا دن تھا جن کو فاطمیین بھی کہتے ہیں، ۳۲۱ھ میں عبید اللہ مہدی کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا معد ملقب بہ معز لدین اللہ وارث ہوا، جس نے ۳۵۸ھ میں مصر پر قبضہ کیا، مصر و افریقہ

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۱، [2] ص ۳۱۔

کے یہ حکمران اسمٰعیلی مذہب رکھتے تھے اور غالی شیعہ تھے، شروع میں قرامطہ سے بھی ان کا ساز باز تھا،

عبید اللہ مہدی کے افریقیہ میں ظہور و غلبہ کے بعد مشرق و مغرب میں اسمٰعیلی دعوت عام کی گئی، سندھ میں بھی ان کے آدمی آئے اور اسمٰعیلی دعوت و حکومت کے لیے خفیہ کام کرنا شروع کیا، جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے معز نے یہاں حلم بن شیبان وغیرہ کو بھیجا، جنھوں نے ملتان کی سنی حکومت کو ختم کر کے شیعی حکومت قائم کی، اور اسے فاطمیوں کی سلطنت کا ایک حصہ بنا دیا،

علویوں کی یمن میں ناکامی اور ملتان میں کامیابی

اس سلسلہ میں ایک علوی تحریک، اور اس کارکردگی کا ذکر ضروری ہے، ۲۰۹ھ میں یمن میں حضرت علیؓ کے صاحبزادے عمر بن علی ابی طالب، کی اولاد میں سے عبد الرحمٰن علوی نے عباسی خلافت کے خلاف علویوں کے حق میں خروج کیا، ابن خلدون نے لکھا ہے۔

فی سنۃ تسع بعدھا خرج بالیمن	۲۰۹ھ کے بعد یمن میں عبد الرحمٰن بن احمد
عبد الرحمٰن بن احمد بن عبد اللہ	بن عبد اللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب
بن محمد بن عمر بن علی بن ابیطالب	نے خروج کیا اور آل رسول سے امام رضا کی
یدعو للرضا من آل محمد، وبایعہ	امامت کی دعوت دی، اہل یمن نے اس کی بیعت
اھل الیمن، وسرح الیہ المامون	کی، خلیفہ مامون نے اس کی سرکوبی کے لیے اپنے
مولاہ دینارًا، واستامن لہ	غلام دینار کو بھیجا، عبد الرحمٰن نے دینار سے امان
فأمنہ، وراجع الطاعۃ[1]	چاہی اور اس نے امان دی تو وہ پھر خلیفہ کا
	مطیع ہو گیا۔

عبد الرحمٰن علوی نے اگرچہ وقتی طور سے خلافت کی اطاعت قبول کر لی، مگر علویوں کے عام

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۰۔

مزاج کے مطابق وہ اور اس کے متبعین خفیہ طریقے سے اپنا کام کرنے لگے، اور اس کی اولاد نے اس کام کے لیے سندھ کا رخ کیا، خاص طور سے سندھ کی دونوں سنی حکومتوں (منصورہ اور ملتان) کو انھوں نے اپنی تحریک و دعوت کا مرکز بنا کر یہاں پر مستقل سکونت کرلی اور ان دونوں شہروں میں ان کی کثیر آبادی ہوگئی، مسعودی نے ۳۰۳ھ میں شہر منصورہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادوں عمر بن علیؓ اور محمد بن علیؓ کی اولاد سے ایک بڑی تعداد کی خبر دی ہے۔[1]

عمر بن علی بن ابی طالب کی اولاد بھی منصورہ میں تھی مگر ملتان میں ان کی بھاری جمعیت تھی، یہاں پر انہوں نے جائدادوں اور زمینوں پر قبضہ کرکے اپنی جاگیریں بنالی تھیں، ابودلف نے لکھا ہے کہ ملتان میں مسلمانوں کی حکومت ہے، مگر اس کی جائداد کی مالک عمر بن علی بن ابوطالب کی اولاد ہے۔[2]

ملتان کے سامی حکمرانوں کی رواداری اور وسعت ظرفی تھی یا ناعاقبت اندیشی کہ انہوں نے اپنے پایہ تخت میں ان علویوں اور شیعوں کو رہنے دیا حتیٰ کہ وہ یہاں کے جاگیردار بن گئے اور موقع پاکر ان کی حکومت پر قابض بھی ہوگئے۔ ملتان کے ان علوی جاگیرداروں میں ایک شخص ابوعبداللہ جعفر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب نمایاں حیثیت کا مالک تھا، یہ شخص اپنے خاندان، اور اولاد کی ایک بڑی تعداد لے کر ملتان آیا، یہ اسمٰعیلی مذہب رکھتا تھا، اس کی اولاد اور متبعین میں سے اکثر اسمٰعیلی تھے وہ جب ملتان میں نمایاں شان سے داخل ہوا تو شہر اور اطراف کے بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے، جو غالباً پہلے ہی سے اس کی آمد و دعوت کے انتظار میں تھے، اس کے ساتھ ایک جماعت تھی اس کا عمل دخل بہت جلد شہری معاملات میں ہوگیا، اور ملک (شاہ) کے لقب سے یاد کیا جانے لگا، بعد میں اس کی اولاد اور متبعین میں بادشاہ، امراء، علماء اور مورخ و نسّاب پیدا ہوئے، جن میں سے اکثر

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۳۷۸۔ [2] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۱۹۔

اسمٰعیلی مذہب رکھتے تھے، ان کی زبان ہندی تھی، اور وہ اپنے حسب و نسب کی بڑی حفاظت کرتے تھے، اپنے خاندان کے علاوہ کسی شخص سے بہت کم تعلق رکھتے تھے۔ اسی روایت کی رو سے جلم بن شیبان کے باقاعدہ حاکم بننے سے پہلے ابو عبد اللہ جعفر علوی ملتان کا مذہبی اور ماغ ازی حکمران بن گیا تھا، گویا اس نے جلم بن شیبان یا دوسرے اسمٰعیلی حکمرانوں کے لیے ملتان میں زمین ہموار کردی تھی، اسلامی تاریخوں میں ملتان کے اسمٰعیلی حکمرانوں کا شیعہ، روافض، اسمٰعیلی، باطنی، عبیدی، نزاری، فاطمی، قرامطہ اور ملاحدہ کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے، یہ سب فرقے اگرچہ بعد میں معمولی معمولی فرق کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے مگر ابتداء میں یہ سب ایک ہی درخت کی شاخیں تھیں[1]

ہندوستان میں اسمٰعیلی دعوت پر ایک نظر جیسا کہ معلوم ہوا ملتان کے اسمٰعیلی حکمرانوں نے سالہا سال کی جدوجہد کے بعد اقتدار حاصل کر کے مصر و افریقہ کی فاطمی حکومت سے اپنا الحاق کر لیا تھا، اور وہ اپنے اس مرکز کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے، سندھ سے لیکر افریقہ تک ہدایا و تحائف کا سلسلہ جاری تھا اور دونوں طرف سے نامہ و پیغام اور آدمیوں کی آمد و رفت جاری تھی، حتیٰ کہ چند ہی سال کی حکومت میں یہاں کے اسمٰعیلی شیعوں نے یوں جڑ پکڑ لی کہ آج تقریباً چار سو سال سے ہندوستان ان کی دعوت کا مرکز ہے، اگرچہ ۳۹۶ھ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ملتان کی باطنی حکومت ختم ہوگئی تھی، لیکن باطنیوں کی طاقت اندر ہی اندر زور پکڑ رہی تھی، اور غوریوں کے زمانہ میں وہ کبھی کبھی کھل کر مقابلہ اور کشت و خون پر بھی اتر آتے تھے، چنانچہ انہوں نے شہاب الدین غوری کے زمانہ میں پنجاب میں بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی تھی اور رجب ۶۳۴ھ میں دہلی میں قتل و غارت کر کے سلطنت پر قبضہ کرنا چاہا تھا، اس ملک کی باطنی تحریک کے بارے میں معلومات بہت ہی کم ہیں، کیونکہ یہ مذہب اپنی ہر بات کو خفیہ رکھنے میں کامیابی سمجھتا ہے، البتہ زمانۂ حال کے ایک اسمٰعیلی فاضل ڈاکٹر

[1] ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۱ و ص ۳۰ و ص ۹۴ وغیرہ۔

ہمدانی مرحوم نے اپنی کتاب "الصلیحیون والحرکۃ الفاطمیۃ فی الیمن" میں اسمٰعیلیت کے ہندوستان میں فروغ کی مختصر تاریخ لکھی ہے، اس کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں شمالی افریقہ میں فاطمی حکومت سے کچھ پہلے تیسری صدی کے آخر میں فاطمی ائمہ دنیا کے مختلف بلاد وامصار میں اپنے داعی اور مبلغ بھیجتے تھے، اسی ضمن میں انہوں نے ہندوستان میں بھی اپنے دعاۃ و مبلغین روانہ کیے، چنانچہ اسی زمانہ میں یمن کے حاکم و امام ابوالقاسم منصور نے اپنے بھائی ہثیم کو بلادِ ہندھ کی طرف اسمٰعیلی دعوت کے لیے بھیجا، جس کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے اسمٰعیلی مذہب قبول کیا، ۴۷۶ھ میں یمن کے حاکم الملک المکرم احمد صلیحی نے مرزبان بن اسحاق بن مرزبان کو ہندوستان میں اسمٰعیلی دعوت کے لیے انتخاب کیا، اور فاطمی پایۂ تخت قاہرہ کی ہدایت کے بموجب مرزبان کو یہاں بھیجا، اس کے مرنے پر ملکہ حُرّہ نے فاطمی خلیفہ مستنصر سے مشورہ کر کے مرزبان کے بڑے لڑکے احمد بن مرزبان بن اسحاق کو ۴۸۱ھ میں ہندوستان بھیجا۔

نیز موئد شیرازی متوفی ۴۷۰ھ نے مستنصر فاطمی کے زمانہ میں قاضی لمک بن مالک حمادی ہمدانی کو تیار کیا کہ وہ صلیحی دور کی دعوت یمنیہ کی جانب سے ہندوستان میں داعی کا انتظام کرے، قاضی لمک نے سنہ ۴۶۰ھ میں اپنے داعی عبداللہ کو یہاں بھیجا ان ہی ایام میں ایک روایت کے مطابق موئد شیرازی کے ہاتھ پر مصر میں ہندوستان کے دو شخص بالم ناتھ (مولائی احمد) اور روپ ناتھ (مولائی نورالدین) اسمٰعیلی ہوئے، موئد شیرازی نے قاضی لمک کے ساتھ ان دونوں کو یمن روانہ کیا، اور قاضی لمک نے ان کو ہندوستان بھیجا، جنہوں نے گجرات اور دکن کے دیہاتوں اور شہروں میں اسمٰعیلی دعوت عام کی یہ ہندوستان کی اسمٰعیلی دعوت یمن کی دعوت کے تابع رہی، یہاں تک کہ ۹۴۶ھ میں اسمٰعیلی دعوت یمن سے منتقل ہو کر ہندوستان آگئی اور اس زمانہ سے اسمٰعیلی مذہب و دعوت کا مرکز گجرات بن گیا۔[1]

---

[1] الصلیحیون والحرکۃ الفاطمیۃ فی الیمن ص ۲۲۳ تا ۲۲۸ ملخص،

طرزِ حکومت اور ملکی انتظامات

عمان اور ملتان کے سامی حکمران اس اعتبار سے ہمیشہ مظلوم رہے کہ علویوں اور شیعوں نے ان کو کبھی چین نہ لینے دیا، اور وہ کسی نہ کسی فتنہ کے ذریعہ ان کا زور کم کرتے رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے تین سو سامیوں کی علیحدگی نے ان کو مرتد قرار دیا اور باقی تمام سامی نسل کو دشمنِ علیؓ سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی گئی اور ان کے حسب و نسب میں بغیر کسی دلیل کے اشتباہ ظاہر کیا گیا، پھر جہاں جہاں ان کے قدم جمے وہاں سے اکھاڑنے کی کوشش کی گئی، الغرض عمان اور ملتان دونوں جگہ سامیوں کو اقتدار ملنے کے باوجود چین سے کامیاب حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا، اور دونوں جگہ ان کے اقتدار کو قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ختم کیا گیا۔

ملتان میں بنو سامہ کے لیے شیعوں اور فاطمیوں کی شرارتوں کے ساتھ بہت بڑی مصیبت ہندو راجوں مہاراجوں کی ملتان پر بار بار حملہ آوری تھی، خاص طور سے قنوج کے راجہ نے ان کو بہت زیادہ پریشان کر رکھا تھا جس کو آخر میں شکست ہوئی اور اسے ملتان کی حکومت کی ماتحتی و اطاعت میں آنا پڑا، مگر اس کے بعد ہی سے علویوں اور باطنیوں کا فتنہ زور پکڑ گیا اور سامیوں کو خارجی طاقت کو زیر کرنے کے بعد داخلی شرارت سے دوچار ہونا پڑا، حتیٰ کہ اسی میں ان کی حکومت گئی۔

ان حالات میں بنو سامہ کم و بیش ایک سو سال حکومت کرنے کے باوجود حکمرانی کا کوئی منظم نقشہ نہ پیش کر سکے، جس میں ہمیں وہ تمام نقوش نظر آئیں جو ایک منظم اور کامیاب حکومت میں نظر آتے ہیں، اور تو اور ان مظلوموں کے نام تک ہمیں نہیں مل سکے، محمد بن قاسم بن منبہ اور ابو اللہاب منبہ بن اسد قرشی کے سوا کسی ایک حکمران کا نام و نشان نہیں ملتا، جن افراد و اشخاص کی گمنامی کا یہ حال ہو ان کے حالات زندگی اور کارنامے کہاں سے معلوم ہو سکتے ہیں؟ پھر بھی کچھ نہ کچھ باتیں تاریخ بن ہی گئی ہیں،

ملتان کے بنو سامہ خالص سُنّی تھے

علامہ ابن خلدون نے عمان کے بنو سامہ کے بارے میں تصریح کی ہے کہ محمد بن قاسم سامی نے خلافت کے نام کا خطبہ پڑھا اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوئی جس نے سنت کا اظہار کیا، ملتان کے بنو سامہ کے بارے میں اگرچہ ایسی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے لیکن قرائن سے ان کا سُنّی ہونا یقینی ہے، پہلی بات یہ ہے کہ وہ عمان کے ان ہی سُنّی بنو سامہ کے خاندان سے تھے، دوسرے یہ کہ وہ خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے اور اس کے لیے منبروں پر دعا کرتے تھے، تیسرے یہ کہ جمعہ کی نماز بڑے اہتمام سے پڑھتے پڑھاتے تھے، اور اسی دن شاہی جلوس نکلتے تھے اور سب سے بڑی دلیل ان کے اہل سنت ہونے کی یہ ہے کہ اسمٰعیلی شیعوں نے ان کی حکومت ختم کی، اگر وہ بھی اسمٰعیلی شیعہ ہوتے تو افریقہ کے عبیدیوں کا پروانہ براہ راست ان کے پاس آتا، اور ان کو ختم کر کے شیعی حکومت قائم کرنے کی ضرورت نہ پڑتی؛ ملتان کے سامی حکمرانوں کی دینی زندگی بہت اونچی تھی ان کے یہاں اسلامی اور دینی احکام پر عمل ہوتا تھا، ابودلف نے ملتان کے حال میں لکھا ہے کہ:

والمسجد الجامع مصاقب لهذه القبة	یہاں کی جامع مسجد بت خانہ کے قبہ سے ملی ہوئی
والاسلام بها ظاهر والامر بالمعروف	ہے، اور ملتان میں اسلامی شان غالب و
والنهي عن المنكر بها شامل[1]	ظاہر ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی عام ہے۔

خود مختاری اور خلفائے عباسیہ کے نام کا خطبہ

جیسا کہ معلوم ہوا ملتان کے بنو منبّہ خود مختار اور مستقل حکمران تھے، البتہ انہوں نے اپنے کو مرکز خلافت بغداد سے شروع ہی سے وابستہ رکھا، اور خلافت اسلامیہ کے نام کا خطبہ اپنے یہاں پڑھا، اس کا تذکرہ سب سے پہلے ابن رستہ نے یوں کیا ہے:

وهم يدعون لأمير المومنين[2]	ملتان کے ملوک بنو منبّہ امیر المومنین کے حق میں دعا کرتے ہیں

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۱۹۔ [2] الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۵۔

اس کے بعد اصطخری نے زیادہ تصریح کے ساتھ لکھا ہے:

ولا یطیع صاحب المنصورۃ إلا ملتان کا حاکم منصورہ کے حاکم کا مطیع نہیں ہے

انہ یخطب للخلیفۃ[1] بلکہ وہ خلیفہ کا خطبہ پڑھتا ہے۔

ملتان کے بنو منبہ کے بارے میں آخری بیان ابن حوقل بغدادی کا ہے، اس نے بھی ان کی آزادی اور خلیفہ کا خطبہ پڑھنے کی خبر دی ہے،

وھولیس فی طاعۃ احد، و ملتان کا حاکم کسی کا اطاعت گذار نہیں ہے، اور

خطبتہ لبنی العباس[2] اس کا خطبہ بنی عباس کے نام کا ہے۔

الغرض ملتان کے سامی حکمران اندرونی معاملات میں بالکل آزاد تھے اور کسی پڑوسی حکومت کا دباؤ بھی ان پر نہیں تھا، البتہ اصولی طور سے وہ مرکز خلافت سے وابستگی کا نشان رکھتے تھے، اور جمعہ وعیدین کے خطبات میں عباسی خلفاء کے لیے دعا کرتے تھے، اور ان کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے تھے۔

جن خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا گیا انہوں نے اپنے اقتدار کی صبح سے لے کر زوال کی شام تک جن عباسی خلفاء کے خطبے پڑھے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) ابو العباس احمد،	معتضد باللہ	از ۲۷۹ھ	موت	۲۸۹ھ
(۲) ابو محمد علی ،	مکتفی باللہ		"	۲۹۵ھ
(۳) ابو الفضل جعفر ،	مقتدر باللہ		قتل	۳۲۰ھ
(۴) ابو منصور محمد ،	قاہر باللہ		خلع	۳۲۲ھ
(۵) ابو العباس ،	راضی باللہ		موت	۳۲۹ھ
(۶) ابو اسحاق ابراہیم ،	متقی للہ		خلع	۳۳۳ھ

[1] مسالک الممالک ص ۱۷۵۔ [2] صورۃ الارض بحوالہ رجال السند والہند ص ۲۴۶۔

(۷) ابو القاسم عبد اللہ ، مستکفی باللہ خلع ۳۳۴ھ

(۸) ابو القاسم فضل ، مطیع اللہ موت یا خلع ۳۶۴ھ

(۹) ابو بکر عبد الکریم ، طائع للہ خلع ۳۸۱ھ

بنو سامہ کی جنگی طاقت اور ہندو راجوں مہاراجوں سے جنگ

ملتان میں بنو سامہ نے جن نا سازگار حالات میں اپنی حکومت قائم کی تھی، ان کے مقابلے کے لیے دل گردہ کے ساتھ ساتھ جنگی طاقت کی بھی ضرورت تھی، ملتان کے بت خانہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہندوستان بھر کے ہندو راجوں مہاراجوں کو بے چین رکھتا تھا، خاص طور سے قنوج کے راجے مہاراجے رات دن ملتان کی سامی حکومت کے درپے رہتے تھے، اسی لیے ابتدا ہی سے بنو سامہ نے ملتان میں بھاری لشکر جمع کر رکھا تھا اور وہ اپنی اسی طاقت وشوکت کے بل پر حکومت کرتے تھے، ان کے پہلے تذکرہ نویس ابن رستہ نے لکھا ہے کہ ملتان کے بنو منبہ سے ہندوستان کے راجے اکثر جنگ کرتے رہتے ہیں بنو منبہ ان کے مقابلہ میں ملتان سے نکل کر بھاری فوج سے ان سے جنگ کرتے ہیں، اور بنو منبہ اپنی خوش حالی، طاقت وقوت اور مال ودولت کی کثرت کی وجہ سے غالب آتے ہیں[۱]۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو منبہ نے اپنے ابتدائی دور ہی میں پاس پڑوس کے راجوں سے مقابلہ کرنے کے لیے پوری طاقت جمع کر رکھی تھی ۳۰۳ھ میں مسعودی نے صاحب ملتان کی فوجی طاقت کو یوں بیان کیا ہے:

وهو ذو جيش ومنعة، وهو ثغر	یہ بادشاہ لشکر اور طاقت کا مالک ہے، ملتان
من ثغور المسلمين الكبار[۲]۔	مسلمانوں کی بڑی سرحدوں میں سے ایک اہم سرحد ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سمت مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے اہم سرحد ملتان کی حفاظت کے لیے کس قدر فوجی طاقت کی ضرورت رہی ہوگی۔

---

[۱] الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۵ - [۲] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۷۔

اور بیرونی حملہ آوروں سے مقابلہ کے لیے کیا انتظامات رہے ہوں گے، ملتان کے ان مسلم حکمرانوں کا سب سے بڑا دشمن پڑوس کا سب سے بڑا ملک قنوج تھا، یہاں کا راجہ بڑا طاقتور تھا، مسعودی نے لکھا ہے کہ مہاراجہ قنوج کے چار فوجی دستے ہیں اور ہر دستہ میں سات ہزار سے نو ہزار تک سپاہی ہوتے ہیں، یہ چاروں دستے چاروں سمت کے بادشاہوں سے مصروف جنگ رہتے ہیں چنانچہ شمالی فوجی دستہ سے وہ ملتان اور اس کے ساتھ اس سمت کی مسلم سرحدوں پر جنگ کرتا ہے۔

فیحارب بجیش الشمال صاحب	راجہ قنوج شمالی فوج سے ملتان کے حاکم اور اس
المولتان، ومن معہ فی تلک	سمت کی مسلمانوں کی سرحدی حکومتوں سے
الثغور من المسلمین۔[1]	جنگ کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ سلاطین ملتان کو کم از کم سات ہزار سے نو ہزار تک فوجوں سے ہمیشہ مقابلہ کرنا پڑتا تھا جس کے لیے انہوں نے ملتان کے قریب جندراور میں اپنی فوجی چھاؤنی بنائی تھی، سلطان بھی وہیں مستقل قیام کرتا تھا اور جب قنوج وغیرہ کے راجے اور ان کی فوجیں حملہ آور ہوتی تھیں تو اس کے فوجی اس چھاؤنی سے نکل کر مقابلہ کرتے تھے اور ان کو اپنی طاقت کے ذریعہ شکست دے کر ان کے ہر جارحانہ اقدام کو ناکام بنا دیتے تھے، ایک مرتبہ قنوج کو ایسی شکست کا منہ دیکھنا پڑا کہ وہ ملتان کے ماتحت ہوگیا۔ اس طرح وہ عملاً اسلامی عملداری کا حصہ بن گیا، مسعودی کے وقت (۳۰۳ھ) میں قنوج ملتان کی اطاعت میں آگیا تھا۔ اس کا بیان ہے،

وصارت الیوم فی حیز الاسلام،	ان دنوں (۳۰۳ھ میں) قنوج عالم اسلام کی ماتحتی
وھی من اعمال المولتان۔[2]	میں آگیا ہے اور ملتان کے قلمرو میں شمار ہوتا ہے۔

اس کے نتیجہ میں ۳۷۵ھ سے کچھ پہلے مقدسی بشاری نے قنوج کا نقشہ ہی کچھ اور دیکھا،

---

[1] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۶ - [2] ،، ص ۱۶۵-

اس نے لکھا ہے کہ قنوج میں شہر کے کنارے باغات و اشجار کے درمیان جامع مسجد ہے، گوشت بہت ارزاں ہے، مسلمانوں کی غذا زیادہ تر گیہوں ہے، اور یہاں پر علماء، بڑی بڑی شخصیتیں اور باحیثیت لوگ ہیں، قنوج اور دیہند (غالباً بھٹنڈہ پنجاب) میں اگرچہ غلبہ کفار کا ہے، مگر مسلمانوں کے لیے علیحدہ حاکم اور سلطان ہے[1]۔ ان تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملتان کے سامی حکمرانوں کی فوجی طاقت کس قدر زیادہ تھی اور ان کی حدودِ مملکت میں علمی و دینی سرگرمیاں کس تیزی سے پھیلتی تھیں، سلاطین ملتان کی اطاعت و باجگذاری میں قنوج کی قدیم غیر مسلم حکومت اسی طرح تھی، جس طرح الور کی قدیم ہندو حکومت سلاطینِ منصورہ کی اطاعت و امان میں تھی، ان دونوں مقاموں کے راجے اپنے مرکز کی ماتحتی میں حکومت کرتے تھے مگر مسلمانوں کا حاکم مسلمان علیحدہ ہوا کرتا تھا، جو ان کے ہر قسم کے دینی اور دنیوی امور و معاملات کا ذمہ دار ہوتا تھا، جس طرح مہاراجگان بلہرا کی حکومت میں ان کی طرف سے تھانہ، چیمور، سوپارہ وغیرہ میں مسلمان حاکم و قاضی مقرر ہوا کرتا تھا، جسے ہنرمن (ہنرمند) کہتے تھے، اور جو مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار ہوتا تھا،

ملتان کی ایک جنگ اور ہارون بن موسیٰ کی حکمت عملی

ملتان کے امرائے بنو سامہ کا آبائی وطن عمان تھا جہاں قدیم زمانہ سے قبیلۂ ازد کی کثیر آبادی تھی، جب بنو سامہ یہاں آئے تو ان کے ہمراہ ازد کے کچھ افراد اور ان کے موالی اور غلام بھی یہاں آئے، ان میں سے بعضوں نے ملتان میں بڑی شان و شوکت اور قدر و منزلت حاصل کی ان میں ہی ایک شخص ہارون بن موسیٰ مولی ازد بھی تھا، یہ بڑا بہادر اور اپنی قوم میں معزز و محترم اور حاکمانہ اقتدار کا مالک تھا اس کا ذاتی قلعہ تھا جس میں رہتا تھا، مسعودی کا بیان ہے کہ:

وقد کان رجل بالمولتان من ارض السند یدعی هارون بن موسی	ایک آدمی ملتان میں ہارون بن موسیٰ ازد کے موالی میں سے تھا، جو شاعر، بہادر تھا، اور اپنی

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۰ و ص ۴۸۵۔

مولی الاسد، وکان شاعرا، شجاعا — جماعت میں عزت و اقتدار اور شان و
ذا ریاسة فی قومه ومنعة بأرض — شوکت کا مالک تھا وہ ملتان کے قریب
السند مما یلی ارض الملتان، و — اپنے ایک قلعہ میں رہتا تھا۔
کان فی حصن له[1]

جب ملتان پر ہندو راجے حملہ آور ہوتے تو ہارون بن موسیٰ ان کے مقابلہ میں آتا اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ کرتا، ایک مرتبہ ایک راجہ ملتان پر حملہ آور ہوا۔ ہارون بھی اس کے مقابلہ میں اسلامی فوج کی صف سے میدان میں نکلا، راجہ کی عام فوج کے آگے ہاتھی پر سوار فوج تھی، ہارون نے سب سے پہلے ایک بڑے اور سدھے ہوئے ہاتھی کی طرف بڑھ کر، اپنے کپڑوں میں میں چھپائی بلی کو اس وقت چھوڑا جبکہ ہاتھی اس پر حملہ کے لیے بڑھا بلی کو دیکھتے ہی وہ جنگی ہاتھی بے تحاشا بھاگ چلا، پھر دوسرے تمام ہاتھی بھاگنے لگے، اور اس قدر بھگدڑ مچی کہ پوری فوج بے قابو ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی، اور راجہ میدان جنگ میں مارا گیا، اس پورے واقعہ کو ہارون بن موسیٰ نے ایک قصیدہ میں نظم کیا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

أليس عجيبًا بأن قلقه — له فطن الاسد فی جرم فیل

یہ پورا قصیدہ مسعودی نے مروج الذہب میں نقل کر کے مشکل و غریب الفاظ کی شرح بھی کی ہے[2] اور لکھا ہے کہ جنگی ہاتھی کو شکست دینے میں سندھ اور ہندوستان کے بادشاہ ان کے سامنے بلیاں چھوڑ دیتے ہیں۔

سکے اور پیمانے

ملتان کی سامی حکومت میں مکی سیر کا رواج تھا، یہاں ایک اور پیمانہ رائج تھا جسے مطل کہتے تھے اس میں مکی سیر سے بارہ سیر گیہوں آتا تھا، سامیوں کا اپنا سکہ تھا، اس کا ثبوت نہیں مل سکا، غالباً رہا ہوگا، البتہ یہاں کے فاطمیوں کا درہم مصر و افریقہ کے فاطمی درہم کے ہموزن و ہمشکل ہوتا تھا، نیز غزنین کا سکہ قنہری کا رواج

[1] مروج الذہب ج ۲ ص ۹۔ [2] مروج الذہب ج ۲ ص ۹ تا ص ۱۱۔

تھا، جو یمن کے سکہ قروض کے مشابہ تھا، ان کے علاوہ ایک اور سکہ قرو یہ تھا جو یہاں کے رائج سکوں میں سب سے بڑا سکہ تھا۔[1]

حدودِ سلطنت مشہور مقامات اور عام حالات

ملتان ایک شہر کا نام ہے اور پوری مملکت بھی اسی نام سے مشہور ہے، یہ سندھ کے مشرقی سرے پر ہندوستان (پنجاب) میں واقع ہے مگر چونکہ یہ علاقہ سندھ سے ملا ہوا ہے اس لیے بعض جغرافیہ نویس اسے سندھ کا علاقہ بتاتے ہیں، حالانکہ یہ ہندوستان کا علاقہ ہے وزیر مہلبی نے مملکتِ ملتان کی حدود اس طرح بیان کی ہے:

اعمال الملتان واسعۃ، من الغرب	ملتان کی عملداری لمبی چوڑی ہے، مغرب کی
الی حدود مکران، ومن الجنوب	طرف حدود مکران تک اور جنوب کی طرف
الی حد المنصورۃ[2]	منصورہ تک ہے۔

مسعودی نے لکھا ہے کہ ملتان اور اس سے متعلق جتنے شہر اور آبادیاں ہیں سب علاقۂ سندھ میں ہیں، ملتان کی حدود، میں ایک لاکھ بیس گاؤں بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ ملتان مسلمانوں کی بڑی سرحدوں میں سے ہے۔

وحول ثغر المولتان من ضیاعہ	ملتان کے اردگرد اس کے علاقوں اور
وقراہ عشرون ومائۃ الف	دیہاتوں میں سے ایک لاکھ بیس گاؤں ایسے
قریۃ مما یقع علیہ الاحصاء والعد[3]	ہیں جن کا شمار ہو سکا ہے۔

ملتان اور منصورہ کے درمیان سندھی فرسخ سے پچھتر فرسخ کا فاصلہ ہے، سندھی فرسخ آٹھ میل کا ہوتا ہے، اس حساب سے دونوں حکومتوں کے دارالحکومتوں کے درمیان ۵۶۰ میل کا فاصلہ ہے۔

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۲ - [2] تقویم البلدان ص ۳۵۰ - طبع پیرس [3] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۸۔

مقدسی نے اقلیم سندھ میں منصورہ، ملتان، مکران، قنوج اور ویہند (بھٹنڈہ پنجاب) کو ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ملتان دارالسلطنت بھی ہے اور پوری ایک مملکت کا نام بھی ہے اس کے لیے بڑے بڑے شہر برار، راماذان، دروین، اور برود ہیں[1]۔

اِن تصریحات سے ملتان کی سامی حکومت کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے، اگر قنوج کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو پھر یہ حکومت یہاں کی عرب حکومتوں میں سب سے بڑی حکومت ہو جاتی ہے، ۳۰۳ھ سے پہلے اور اس کے بعد قنوج ملتان کی حدود میں تھا جیسا کہ مسعودی نے لکھا ہے اور یہاں ملوک بنو سامہ کی طرف سے مسلمان امیر و سلطان مقرر ہوا کرتا تھا۔

اقلیم ملتان میں اسلامی فتوحات اور بنو سامہ سے پہلے کے حالات

عرب فاتحوں کے قدم مکران اور سندھ کے اکثر علاقوں میں بہت پہلے آچکے تھے، مگر ملتان میں ان کے قدم پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی کے شروع میں حضرت محمد بن قاسم ثقفیؒ کی قیادت میں آئے اور یہ علاقہ بھی اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا، جب محمد بن قاسم اسلامی فوج کو لے کر سندھ فتح کرتے ہوئے ملتان پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے صلح و مصالحت کی پیشکش کے بجائے مقابلہ کی تیاری کی اور وہ ایک شدید معرکہ آرائی کے بعد شکست کھا کر ملتان میں گھس گئے، محمد بن قاسم نے پورے شہر کا محاصرہ کرلیا، یہ محاصرہ اس قدر طویل مدت تک رہا کہ اسلامی فوج کا سامانِ رسد ختم ہو گیا اور خوراک کی شدید قلت پیدا ہو گئی، ان ہی ایام میں ملتان والوں میں سے ایک شخص محمد بن قاسم سے امن لے کر باہر آیا اور دریائے بسمد کی خلیج کا دہانہ مسلمانوں کو بتا دیا جس سے ملتان کے باشندے پانی پیتے تھے، اور اس کا پانی شہر میں جمع ہو کر تالاب کی شکل اختیار کرلیتا تھا۔

محمد بن قاسم نے بسمد کی خلیج اس قدر گہری کردی کہ ملتان میں پانی جانا بند ہو گیا اور نہ

[1] احسن التقاسیم ص ۴۷۸۔

اہلِ شہر نے مجبور ہو کر اپنے کو محمد بن قاسم کے حوالے کر دیا، انہوں نے جنگ کرنے والوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور باقی لوگوں کو قید کیا، جن میں چھ ہزار صرف ملتان کے بت خانہ کے پجاری اور محافظ تھے، اس بت خانہ سے مسلمانوں کو بھاری مقدار میں سونا ہاتھ لگا، اس کے نذرانے کی رقمیں جمع کی جاتی تھیں کہ ایک کوٹھری دس ہاتھ لمبی دس ہاتھ چوڑی تھی، اس کے اوپر سوراخ تھا، اسی میں تمام رقم ڈال دی جاتی تھی، یہ خزانہ جس وقت مسلمانوں کے ہاتھ لگا وہ بڑی تنگ دستی میں تھے اس لیے انہوں نے ملتان کو فرج بیت الذہب کا نام دیا، یعنی دہلیز خانۂ زر، ابن خرداذبہ نے المسالک والممالک میں اس کے سونے کی مقدار یہ بیان کی ہے:

اصاب فی بیت بہا اربعین بھاراً	محمد بن قاسم نے ملتان میں ایک کمرے میں چالیس
ذہباً، والبھار ثلثمائۃ وثلاثۃ وثلاثون	بہار سونا پایا، ایک بہار تین سو تینتیس ۳۳۳ سیر
مَنّاً، فسمیت فرج بیت الذہب	کا ہوتا ہے، اسی لیے ملتان کا نام فرج بیت الذہب
والفرج الثغر، یکون مبلغ ذلک	پڑ گیا، فرج کے معنی سرحد کے ہیں، یہاں سے
الذہب الفی الف وثلثمائۃ الف	جس قدر سونا ملا اس کی مجموعی تعداد تیرہ لاکھ چھ سو
وسبعۃ وتسعون وستمائۃ مثقال[1]	ستانوے (۱۳۰۰۶۹۷) مثقال تھی۔

محمد بن قاسم ابھی ملتان کے انتظام میں ہی تھے کہ حجاج بن یوسف کے مرنے کی خبر ملی، اس کی موت رمضان ۹۵ھ میں ہوئی، یہ خلیفہ اموی ولید بن عبد الملک کا زمانہ تھا، اس کے بعد محمد بن قاسم ملتان سے الور (الروڑ) اور بغرور چلے آئے[2]۔ الغرض پورا علاقۂ ملتان خلیفہ ولید کی خلافت اور حجاج بن یوسف ثقفی کی گورنری کے دور میں محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں فتح ہوا اس وقت سے ۱۳۲ھ تک اموی مرکز خلافت دمشق سے وابستہ رہا، اور خلفائے بنی امیہ کے عُمّال وحکام سندھ کی طرح ملتان پر بھی حکومت کرتے رہے، اس کے بعد

[1] المسالک والممالک ص ۵۶۔ [2] تفصیل کے لیے فتوح البلدان باب فتوح السند ملاحظہ ہو۔

عباسی خلفاء کے حق میں زمانہ نے کروٹ لی اور سندھ وملتان اُن کے عمال کے ذریعہ بغداد سے وابستہ ہوگئے، اس زمانہ میں یہ علاقے کبھی کبھی مرکز سے جدا بھی ہوجاتے تھے، اور بعض عمال و امراء خلیفہ کی کمزوری اور نظام کی ابتری سے فائدہ اٹھاکر اپنی حکومت قائم کرلیتے تھے اس کے باوجود مجموعی اعتبار سے یہ علاقے اس دور میں بھی خلافت اسلامیہ میں شمار ہوتے رہے، یہاں تک کہ ۲۹۰ھ سے پہلے ملتان پر بنو سامہ میں سے محمد بن قاسم بن منبہ سامی نے قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی، اور یہاں کے سامی حکمران بنو مُنبّہ کہلائے، ان سامی حکمرانوں نے ملتان کو مرکز خلافت بغداد ہی سے وابستہ رکھ کر عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا، یہاں تک کہ ۳۵۶ھ کے بعد اسمٰعیلی شیعوں نے ملتان کی حکومت پر قبضہ کرکے اسے مصر وافریقہ کے فاطمی حکمرانوں کی حکومت کا حصّہ قرار دے دیا اور خود حکمران بنے اور ان کو ۳۹۶ھ میں سلطان محمود غزنوی نے ختم کیا۔

شہر ملتان

ملتان کی دولت سامیہ میں ایک لاکھ بیس شہر اور دیہات تھے، مگر ان کے نام تک ہمیں معلوم نہیں، مقدسی نے جن چند مشہور مقامات کے نام بیان کیے ہیں، اسلامی جغرافیہ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا، اس لیے ملتان اور بعض دوسرے علاقوں کے حالات ہی پر اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔

ملتان شہر کو مولتان اور مولطان بھی کہتے ہیں، ابن رستہ نے لکھا ہے کہ ملتان شہر کے بیچ سے دریائے سندھ بہتا ہے جو دجلہ کے برابر یا اس سے بڑا ہے، اور شہر منصورہ کے قریب واقع ہے، اصطخری نے اسے ہندوستان میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ شہر ملتان اپنی آبادی اور عمارت کے اعتبار سے شہر منصورہ کا آدھا ہے، یہاں مضبوط قلعے ہیں، اور اسے فرج بیت الذہب بھی کہتے ہیں، مقدسی بشاری نے لکھا ہے کہ شہر ملتان منصورہ کے مانند ہے، البتہ منصورہ زیادہ آباد ہے، یہاں میوے اور پھل زیادہ نہیں ہیں، البتہ ارزانی بہت زیادہ ہے، ایک درہم میں تیس سیر روٹی ملتی ہے اور مصری ایک درہم میں تین سیر آتی ہے، ملتان کی عمارتیں

خوبصورتی میں سیراف کی عمارتوں کے مشابہ ہیں، ساگوان کی لکڑی کے مکانات کئی کئی منزلے اور طبقے کے ہوتے ہیں، یہاں نہ زنا کاری ہے، نہ شراب نوشی، اور اگر لوگ کسی کو یہ حرکت کرتے ہوئے جاتے ہیں تو اسے مار ڈالتے ہیں یا اس پر شرعی حد جاری کرتے ہیں، خرید و فروخت میں جھوٹ نہیں بولتے اور نہ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، مسافروں اور پردیسیوں سے محبت کرتے ہیں، آبادی کی اکثریت عربوں پر مشتمل ہے، دریا سے پانی پیتے ہیں، نیکی کے کام بہت ہیں تجارتیں خوب چلتی ہیں، عیش و تنعم کا ظہور ہوتا ہے، حکام و سلاطین عادل ہیں، تم کو بازاروں میں نہ کوئی بنی سنوری عورت نظر آئے گی اور نہ کوئی مرد کسی عورت سے علانیہ بات چیت کرتا ہوا نظر آئے گا، پانی شیریں اور زندگی خوشگوار ہے، لوگ صاحبِ ظرف اور بامروت ہیں، فارسی زبان بھی سمجھی جاتی ہے، تجارتوں میں نفع ہے، لوگوں کے جسم صحت مند ہیں، البتہ یہ شہر سنگلاخی ہے، مکانات تنگ ہیں، آب و ہوا خشک و گرم ہے، باشندے کالے اور گندمی رنگ کے ہیں[۱]۔

اصطخری نے لکھا ہے کہ ملتان کا بازار بہت بڑا اور بارونق ہے، یہاں کا مشہور بت خانہ بازار کے سب سے گنجان علاقہ میں واقع ہے، جہاں ہاتھی دانت والوں کا بازار ہے (سوق العاجیین) اور ٹھٹھیروں کی قطار بیٹھتی ہے، (صف الصفارین) یہ بت خانہ شاندار قلعہ کی شکل میں ہے جس کے بیچ میں قبہ ہے، اسی میں بت ہے، اور اس کے ارد گرد پجاریوں اور محافظوں کے رہنے کے لیے مکانات بنے ہوئے ہیں[۲]۔

یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے قدیم زمانہ سے مسلمان ہیں، ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملتان اس زمانہ میں کس قدر بارونق، خوش حال اور بڑا شہر تھا اور اس بیت الصنم میں توحید اور اہلِ توحید کا کس قدر عروج تھا، لوگوں کے اخلاق کتنے بلند تھے اور انسانیت و شرافت کیسی بیدار تھی، بت خانہ سے متصل ملتان کی جامع مسجد تھی، جس میں سامی حکمران جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے جندراور سے ہاتھی پر شاہی جلوس کے

---

[۱] احسن التقاسیم ص ۴۸۰ و ص ۴۸۱۔ [۲] مسالک الممالک ص ۱۷۳۔

ساتھ آتے تھے۔

ملتان سے مختلف مقامات کی مسافت

ملتان سے غزنین تک اسّی فرسخ ہے یہ پورا راستہ چٹیل میدانوں اور صحراؤں میں پڑتا ہے، باربرداری کے سلسلے میں ملتان سے غزنین تک ایک بار پر عام کرایہ کے علاوہ ڈیڑھ سو درہم خرچ ہوجاتے ہیں، بسا اوقات یہ مسافت تین ماہ میں طے ہوتی ہے۔

ملتان سے منصورہ کو دو راستے جاتے ہیں۔ ایک آبادیوں اور دیہاتوں سے ہوکر گذرتا ہے اس کی مسافت چالیس فرسخ ہے۔ اور دوسرا راستہ ایسے میدانوں سے گذرتا ہے جن میں آبادی بہت کم ہے، اس کی مسافت سو فرسخ ہے۔

ملتان سے بالس تک دس مرحلہ ہے۔

ملتان سے قندابیل تک دس مرحلہ ہے اور یہ سب میدانی راستہ ہے۔

ملتان سے بسمد تک دو مرحلہ ہے۔

ملتان سے قصدار تک بیس مرحلہ،

ملتان سے زرنج (سجستان) کی مسافت دو ماہ کی ہے[1]۔

قنوج

قنوج کا شمار مملکت ملتان کے ضمن میں صرف اس مناسبت سے کیا جارہا ہے کہ وہ ایک زمانہ میں ملتان کے بنو سامہ کے ماتحت رہ چکا ہے اور اس کے حیز اسلام میں آجانے کے بعد سے مسلمان مورخوں نے اعمال ملتان سے لکھا ہے، مسعودی نے ۳۰۳ھ میں لکھا ہے۔

وقد صارت الیوم فی حیز الاسلام — قنوج آجکل عالم اسلام میں آگیا ہے اور یہ ملتان

وھی من اعمال المولتان[2] — کے قلمرو میں سے ہے۔

اور شاید اسی مناسبت سے تمام عرب جغرافیہ نویسوں نے قنوج کا مفصل حال اپنی کتابوں

---

[1] احسن التقاسیم المسالک والممالک وغیرہ۔ [2] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۵۔

میں لکھا ہے، یاقوت نے لکھا ہے کہ بقول قلقشندی قنوج کا طول البلد ایک سو اکیس [۱۲۱] درجہ اور پچاس [۵۰] دقیقہ ہے، اور عرض البلد انتیس [۲۹] درجہ ہے۔ اور یہ لاہور کا دارالسلطنت ہے، دریائے گنگا سے نکلی ہوئی دو شاخوں کے درمیان واقع ہے، مہلبی نے لکھا ہے کہ یہ ملتان سے انتہائی مشرق جانب دو سو بیاسی [۲۸۲] فرسخ پر ہندوستان کا دارالحکومت، اور اس کا سب سے بڑا شہر ہے، نزہۃ المشتاق میں ہے کہ یہ شہر بڑا خوبصورت اور بہت سی تجارتوں کا مرکز ہے، اس کے شہروں میں اندرونی کشمیر اور بیرونی کشمیر ہے۔

قنوج میں قدیم زمانہ سے بڑی زبردست پورس خاندان کی حکومت چلی آتی تھی، جس کے ماتحت اطراف وجوانب کے راجے ہوا کرتے تھے، اور مہاراجگان قنوج کی تعظیم کرتے تھے، اس سلطنت کی لمبائی چوڑائی سندھی فرسخ سے ایک سو بیس فرسخ تھی یعنی ۹۶۰ میل لمبی اور اتنی ہی چوڑی تھی، راجۂ قنوج کے پاس فوج بہت زیادہ تھی، ہر سمت کے لیے الگ الگ فوجی دستے مقرر تھے، ہر دستہ میں سات ہزار سے لے کر نو ہزار تک سپاہی ہوتے تھے، جنوب میں مہاراجگانِ بلہرا سے اور شمال میں ملوک منصورہ وغیرہ سے جنگ جاری رہا کرتی تھی، اس مملکت میں اٹھارہ لاکھ چھوٹے بڑے شہر اور گاؤں تھے جو دریاؤں، باغوں اور چراگاہوں میں پھیلے ہوئے تھے، اور پورا ملک سرسبز و شاداب تھا۔[۱]

مقدسی بشاری نے مملکت قنوج میں قدار، ابار، کہارہ، بارد، وجین، اورھ، زہو ہر، برہیروا کو شمار کیا ہے۔[۲] اور شہر قنوج کے بارے میں لکھا ہے کہ اسکے کنارے کنارے سبزہ زار اور باغات ہیں، گوشت بہت زیادہ اور سستا ہے، پانی نہایت عمدہ ہے، جگہ جگہ باغات ہیں، حسن وجمال ہے، شہر صاف ستھرا اور کشادہ ہے، یہاں کی تجارت مفید ہے، کیلا سستا ہے، جامع مسجد شہر کے کنارے سبزہ زاروں میں واقع ہے، درمیان شہر سے ایک دریا گذرتا ہے، یہاں کے مسلمانوں کی عام غذا گیہوں ہے اور یہاں پر علماء اور صاحب علم وفضل ہیں نیز بڑے بڑے لوگ ہیں، البتہ

---

[۱] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۶۶۔ [۲] احسن التقاسیم ص ۴۷۸۔

یہاں آگ لگنے کی واردات بہت ہوتی ہے، آٹے کی کمی ہے، لوگوں کی عام غذا چاول ہے اور براس میں چادروں کا استعمال عام ہے، عمارتیں معمولی ہیں، شہر قدار کی آب وہوا بہت پاکیزہ ہے، وہاں باغات بکثرت ہیں، شدید گرمی کے ایام میں قنوج کے حکام قدار جاکر گرمی کے دن گذارتے ہیں، ویسے یہ پورا علاقہ گرم اور سرد ہے[1]۔

پنجاب کی یہ عظیم الشان موروثی حکومت بڑے کروفر کی مالک رہی، اس کی وجہ سے اطراف وجوانب کے راجوں مہاراجوں کو چین نصیب نہیں ہوتا تھا، مگر اس کے زوال کی ابتدار ملتان کے بنو سامہ کے دور میں ہوگئی تھی جبکہ انہوں نے اس کو زیر کرکے اپنی اطاعت وامان میں آنے پر مجبور کیا، اور خاتمہ شعبان ۴۰۱ھ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ہوا۔

لاھور

قنوج کے ملتان کی قلمرو میں شامل ہوجانے کی وجہ سے اس کے تمام علاقے گویا ملتان سے وابستہ ہوکر حدود اسلام میں شامل ہوگئے اور اس لیے حدودِ قنوج میں بھی مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں تھیں، جن میں لاہور کو خاص عظمت واہمیت حاصل تھی، اسے لوہور، لہاور، لہاوور بھی لکھتے اور کہتے ہیں، یاقوت حموی نے لکھا ہے:

وهي مدينة عظيمة في بلاد الهند — ہندوستان کے شہروں میں لاہور بہت بڑا شہر ہے۔

اور قلقشندی نے لکھا ہے:

وهي مدينة كبيرة، كثيرة الخير، — لاہور بہت بڑا شہر ہے، یہاں بڑی خیر وبرکت ہے،

خرج منها جماعة من اهل العلم۔ — اہلِ علم کی ایک جماعت یہاں سے پیدا ہوئی ہے،

اس کا طول البلد سو درجہ ہے، اور عرض البلد اکتیس درجہ ہے، ۴۴ھ میں حضرت معاویہ رضؓ کے دور میں مہلب بن ابی صفرہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور بنہ اور لاہور آکر دشمن سے مقابلہ کیا اور فتح پائی، قلقشندی نے قنوج کے بیان میں لکھا ہے کہ وہ لہاور (لاہور) کا دار السلطنت اور مرکزی مقام ہے، مقدسی نے قنوج کے بڑے شہروں میں کہارہ نام کا

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۰۔

ایک شہر لکھا ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ لہاور یا لہاوور کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور اس سے مراد لاہور ہے۔

مملکتِ ملتان کے طبعی حالات

پورے علاقہ ملتان کی آب و ہوا گرم وخشک تھی، اس کے باوجود سارا علاقہ ہرا بھرا تھا، اگرچہ یہاں کی شادابی منصورہ کے مقابلہ میں کم تھی پھر بھی تقریباً پورے علاقہ میں پیداوار ہوتی تھی، دریائے سندھ ملتان کے علاقے سے گذرتا ہوا بسمد، الور اور منصورہ پہنچ کر دیبل کے قریب سمندر میں گرتا تھا اور اس کی اس تمام گذرگاہ میں بہترین کاشت ہوتی تھی، ملتان سے تین مرحلہ پر دریائے سندرور بہتا تھا، جو بہت بڑا دریا تھا، اس کا پانی نہایت خوشگوار اور شیریں تھا ایک خلیج کے ذریعہ شہر ملتان میں پانی جمع ہوتا تھا جس سے اہلِ شہر سیراب ہوتے تھے،

بود و باش طرزِ زندگی اور زبان

مملکتِ ملتان کے عوام کی پوشش اور لباس پر ہندوانہ طرز غالب تھا مسلمان اور ہندو دونوں کے سر پر بڑے بڑے بال اور جسم پر تہبند اور چادر ہوتی تھی، اہلِ ملتان کا عام لباس تہبند اور چادر تھا۔ باشندوں کا رنگ گندمی اور سیاہ دونوں قسم کا تھا، اصطخری نے لکھا ہے کہ منصورہ کی طرح ملتان اور اس کے اطراف کی زبان عربی اور سندھی تھی، یہاں غالباً سندھی سے مراد مقامی زبان پنجابی ہے[1]۔ مقدسی نے لکھا ہے کہ شہر ملتان میں فارسی بھی سمجھی جاتی ہے لوگ عام طور سے تندرست اور صحت مند ہوتے ہیں، قنوج کے لوگ بڑے طاقت ور ہوتے تھے، بزرگ بن شہریار ناخدا نے لکھا ہے کہ شہر قنوج کے بعض لوگ سپاری اپنے دونوں ہونٹوں سے دبا کر توڑ دیتے ہیں[2]۔

تجارت اور خوش حالی

ملتان ساحلِ سمندر سے کافی دوری پر تھا، اس کے پاس کوئی بڑا دریا بھی جاری نہ تھا، پھر بھی اس کے پورے علاقہ میں تجارت

---

[1] مسالک الممالک ص ۱۷۷۔ [2] عجائب الہند ص ۶۔

زوروں پر تھی، خود شہر ملتان تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا، جہاں تاجروں کو کافی نفع ہوتا تھا عوام میں بڑی خوش حالی اور فارغ البالی تھی، ضروریات زندگی ارزاں، اور کھانے پینے کی چیزیں بکفایت ملتی تھیں، ایک درہم میں تیس سیر روٹی جس ملک اور جس دور میں ملتی ہو وہاں اشیاء کی ارزانی اور کثرت کا اندازہ مشکل نہیں ہے، مقدسی کا چشم دید بیان ملتان کے ذکر میں گزر چکا ہے،

بری اور بحری دونوں قسم کی تجارتیں مملکت ملتان میں رائج تھیں، عام طور سے عرب تجار ملتان شہر میں سکونت کیا کرتے تھے، کیونکہ یہاں کے مسلمانوں میں عربوں کی اکثریت تھی اہلِ ملتان ان پردیسی سوداگروں کے ساتھ بڑے پیار و محبت سے پیش آتے تھے، مقدسی نے لکھا ہے،

یحبون الغرباء واکثرھم العرب[1] یہاں کے لوگ پردیسیوں سے محبت کرتے ہیں اور ان میں اکثر عرب ہیں۔

مسعودی نے ملتان اور خراسان کے درمیان تجارتی سرگرمی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

والقوافل منہ إلی خراسان متصلۃ[2]۔ ملتان سے خراسان تک قافلے برابر آتے جاتے رہتے ہیں۔

مقدسی کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ ملتان اور غزنین کے درمیان تجارتی قافلوں کی آمد و رفت ہمیشہ جاری رہتی ہے، یہ اسی فرسخ کا پورا راستہ چٹیل میدانوں اور ریگستانوں میں سے ہو کر گذرتا ہے، ملتان سے غزنین تک ایک بار کا کرایہ ڈیڑھ سو درہم پڑتا ہے اور اسی حساب سے اونٹ والے معاملہ طے کرتے ہیں، بسا اوقات یہ مسافت تین مہینے میں طے ہوتی ہے، یہ شرح کرایہ صرف سامانِ تجارت کی ہوتی تھی، آدمیوں کا کرایہ اس کے علاوہ ہوتا تھا۔

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۰۔ [2] مروج الذہب

مسعودی نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ ترکستان، صغد، تبت، چین اور خراسان سے تجارتی قافلے سندھ، منصورہ اور ملتان آتے ہیں اور یہاں کے قافلے وہاں جاتے ہیں بلکہ یہ قافلے آگے زابلستان تک چلے جاتے ہیں اور ان بلاد و امصار کے درمیان ہمیشہ تجارت جاری رہتی ہے۔

مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی حالت

اس ملک میں منصورہ کے بعد ملتان دوسرا مرکز تھا جہاں اسلامی علوم وفنون اور مسلم تہذیب و ثقافت کی بہاریں صدیوں تک قائم رہیں، اور یہاں کے دینی رجال نے بڑے بڑے کام کیے اور اس کے مطابق یہ حضرات قرآن وحدیث اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدوین میں آگے رہے، مگر افسوس کہ جس طرح ملتان کے سامی حکمرانوں کے نام اور کام تاریخ کے صفحات سے گم ہوگئے ہیں، اسی طرح ان کے دورِ حکومت کے عام حالات خاص طور سے مسلمانوں کی دینی و علمی زندگی کے حالات بھی نہیں ملتے ہیں، مگر ہم گزشتہ بیانات سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ملتان کے سامیوں کا دور دینی اور اسلامی اعتبار سے بہت اہم تھا، خود ملوک بنی منبہ پکے مذہبی اور کٹر سنی تھے، اور انہوں نے ملتان کے بت خانہ سے متصل ہی جامع مسجد آباد کر رکھی تھی کہ کفر کے سر پر دن میں پانچ مرتبہ توحید کا اعلان ہوتا تھا اور وہ اسی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے خاص طور سے شاہی جلوس کی شکل میں شہر ملتان آیا کرتے تھے، ہر طرف شرعی حدود اور اسلامی احکام جاری تھے، ابودُلف نے ملتان کے بارے میں لکھا ہے:

والاسلام بها ظاهر، والامر بالمعروف والنهي عن المنكر بها شامل[1]۔ — ملتان میں اسلام کو ظہور و غلبہ حاصل ہے، اور یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عام ہے،

ملتان سے متصل غیر مسلم حکومت قنوج میں جو کہ ملتان کی اطاعت و امان میں تھی مسلمانوں کا حال نہایت اچھا تھا، یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ قنوج میں قدیم زمانہ سے مسلمان آباد ہیں، ان کی عام غذا گیہوں ہے جبکہ تمام اہلِ قنوج چاول کھاتے ہیں گوشت بہت زیادہ

[1] معجم البلدان ج ۵ ص ۴۱۹۔

اور بہت ارزاں ہے، یہاں پر مسلمانوں کا علیحدہ حاکم ہے اور یہاں علمائے اسلام اور محترم شخصیتیں ہیں[1]

افسوس کہ ملتان کے سامی دورِ حکومت کے علماء و محدثین اور اولیاء کے حالات ہم کو نہیں مل سکے، جو یقیناً اپنے وقت میں آسمان علم و فضل کے شمس و قمر رہے ہوں گے، اور سارا علاقۂ ملتان ان کی روشنی سے جگمگاتا رہا ہوگا،

غیر مسلم رعایا اور ذمیوں کے شہری حقوق اور مذہبی آزادی

مملکتِ ملتان کی غالب آبادی غیر مسلموں کی تھی، مسلمان زیادہ تر مرکزی شہروں میں رہتے تھے مگر پورے سامی دورِ حکومت میں غیر مسلموں پر کسی قسم کے ظلم و ستم کا پتہ نہیں چلتا، اور نہ ہی ان کی طرف سے کسی مخالفانہ سرگرمی کا پتہ چلتا ہے، اگرچہ آس پاس کے راجے خاص طور سے مہاراجگانِ قنوج کی لڑائی ابتداء میں بنو منبہ سے رہا کرتی تھی مگر اس کی حیثیت صرف سیاسی اور سرکاری تھی یہاں کے غیر مسلم پوری آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی رسوم ادا کرتے تھے اور بغیر کسی قسم کی نکیر کے اپنے مذہب پر قائم تھے، مقبوضہ ملتان میں چھوٹے چھوٹے بت خانوں کے علاوہ تین بڑے بڑے بت خانے تھے، جن میں پوری مملکت کے ہندو آزادی سے پوجا پاٹ کرتے تھے، ایک تو ملتان ہی کا بت خانہ جو تمام ہندوستان کے ہندوؤں کا مرجع تھا اور دوسرے دو بُت خانے بہیروا کے جو کہ ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق ان کی ہر حاجت پوری کرتے تھے، ان میں ایسا طلسم تھا کہ جب کوئی ان پر اپنا ہاتھ رکھنا چاہتا تو ان کے جسم پر نہیں پہنچ سکتا تھا یہاں پر ایک چشمہ تھا جس کا پانی برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا تھا۔ اس سے زخم اچھے ہو جاتے تھے، ان کے پجاریوں اور خادموں کے کھانے پینے کا انتظام یہاں کی زناکار عورتوں کی آمدنی سے تھا، جو شخص اپنی بیٹی کی بڑی عزت کرتا تو اسے اس بت خانہ پر وقف کر دیتا، اس لیے یہ دونوں بُت خانے مستقل فتنہ تھے، ملتان کے بت خانہ

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۰۔

کا حال گذر چکا ہے، یہ ہندوستان کے پجاریوں کا مرکز تھا، اس کا سب سے مفصل تذکرہ ابن رستہ نے الاعلاق النفیسہ میں کیا ہے، اس کے بعد تقریبا سب ہی سیاحوں اور مورخوں نے اس کا ذکر کیا ہے آخر میں مقدسی نے بھی لکھا ہے کہ یہ بت خانہ بازار کے سب سے زیادہ آباد علاقہ میں قلعہ کی شکل میں بنا ہوا ہے، درمیان میں ایک قبہ کے اندر بت چہار زانو کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اس کا تمام جسم چمڑے کی پوشاک سے چھپا ہوا ہے، صرف اس کی جوہر کی آنکھیں نظر آتی ہیں، اس کے سر پر سونے کا تاج رکھا ہے ان کے علاوہ بھی چھوٹے بت ہیں[1]۔ ان تمام بت خانوں میں ان کے پوجنے والے بلا روک ٹوک کے آتے جاتے تھے..... بنو سامہ ملتان کے بُت خانے کی آمدنی سے وہاں کے پجاریوں اور خادموں کے تمام اخراجات پورے کرتے تھے جب اسمٰعیلی شیعوں کا ملتان پر قبضہ ہوا، اور جلم بن شیبان نے بنو سامہ کی حکومت کی جگہ اپنی حکومت قائم کی تو اس نے اس بتْ خانے کو توڑ ڈالا۔

قنوج اور ملتان کے خوشگوار تعلقات میں راجہ قنوج سرباتک کا کارنامہ

مسعودی نے ۳۰۳ھ میں بتایا ہے کہ قنوج کی حکومت ملتان میں شامل ہوگئی ہے، اور اب اس کا شمار عالم اسلام کی حدود میں ہونے لگا ہے ابی نے یہ بھی تصریح کی ہے اس سے پہلے ملتان کے سامی حکمرانوں کے سب سے بڑے دشمن قنوج کے زبردست اور طاقتور راجے مہاراجے تھے اور وہ ہمیشہ ملتان پر چڑھائی کیا کرتے تھے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قنوج کی حکومتِ ملتان سے الحاق و تعلق کے بعد یہاں کے راجوں مہاراجوں اور ملتان کے سامی حکمرانوں کے تعلقات و روابط نہایت شگفتہ ہوگئے اور پرانی عداوت نئی دوستی کے بعد نہ صرف یہ کہ ختم ہوگئی بلکہ ملکی اور سیاسی تعلقات کے ساتھ ساتھ مذہبی اور جذباتی تعلقات بھی بہت گہرے ہوگئے، قنوج کے راجوں نے مسلمانوں کی دلجوئی اور تالیف قلب کے لیے اسلام اور مسلمانوں سے خصوصی تعلق ثابت کرنے کی کوشش کی اور سیاست کی قبا میں مذہب

---

[1] احسن التقاسیم ص ۱۸۳۔

کا پیوند لگا کر اسے خوبصورت انداز میں پیش کیا، چنانچہ قنوج کے راجہ سرباتک نے جو ۳۳۳ھ میں مرا دعویٰ کیا کہ میری عمر بہت زیادہ ہے اور میں نے دو مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے، اور آپ نے میرے پاس اپنے صحابہ میں سے حذیفہؓ، اسامہؓ اور صہیبؓ کو دعوت اسلام دے کر قنوج بھیجا، جس پر میں نے لبیک کہہ کر اسلام قبول کیا اور آپ کے مکتوبِ گرامی کو بوسہ دیا، جیسا کہ اسحاق بن ابراہیم طوسی اور ابو سعید مظفر بن اسد حنفی طبیب وغیرہ نے خود سرباتک راجہ قنوج کی زبانی یہ واقعہ سن کر بیان کیا ہے۔

سرباتک راجۂ قنوج کے دعویٰ صحابیت اور دعوتِ اسلام وغیرہ کی روایات کو حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں نقل کر کے حافظ ذہبیؒ کی تجرید اسماء الصحابہ کے حوالے سے اس واقعہ کی تکذیب کی ہے، اور اس راجہ کے بیان کو کذب واضح قرار دیا ہے۔

اسی طرح چھٹی صدی ہجری میں پنجاب کے شہر بھٹنڈہ میں رتن ہندی نامی ایک معمر شخص نے صحابی رسولؐ ہونے کا دعویٰ کیا، اور آپؐ کی طرف نسبت کر کے کچھ روایات بیان کیں جن کے مجموعہ کو رتنیات کہتے ہیں، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اور حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں اس کے دعویٰ کا ذکر کر کے اس کی تکذیب کی ہے۔

بہر حال قنوج کے راجہ سرباتک نے ملتان کے امرائے بنی سامہ سے تعلق ہو جانے کے بعد مسلمانوں میں اپنی اور اپنی حکومت کی مقبولیت کے لیے بڑا جذباتی اقدام کیا، جس کا شہرہ ہندوستان اور سندھ سے گذر کر سیاحوں اور تاجروں کے ذریعہ عالم اسلام میں بھی ہوا۔

مملکت ملتان میں سامی دور کے اسلامی علوم اور علمائے اسلام

حدودِ ملتان میں بنو سامہ کے دورِ حکومت میں علم و فن کو بڑی ترقی ہوئی اور عالم اسلام کی طرح یہ علاقہ بھی اسلامی فضائل و برکات کا گہوارہ تھا، ملتان کو علمائے جغرافیہ عام طور سے ہندوستان میں شمار کرتے تھے، جس میں قنوج اور اس کے واسطے سے لاہور بھی شامل تھا یہ دونوں شہر اگرچہ ملتان میں بعد میں شامل ہوئے مگر قدیم زمانہ سے ہندو راجوں کے

دور میں ان میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں تھیں، اور ان کی علمی و دینی سرگرمی جاری تھی اور ان شہروں کے علماء ہندی کی نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے، ملتان تو مسلمانوں کا مرکز تھا ہی جس میں ان کی شان وشوکت اور حکومت تھی، قنوج اور لاہور بھی مسلمانوں کے مرکز کی حیثیت رکھتے تھے، اس زمان میں ان کی شان وشوکت قائم تھی، مقدسی بشاری نے قنوج کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کی عام غذا گیہوں ہے جبکہ دوسرے لوگ چاول کھاتے ہیں، گوشت بہت زیادہ اور بہت ارزاں ہے، جامع مسجد شہر کے کنارے باغات کے درمیان ہے، اور یہاں پر مسلمانوں کے علماء، فضلاء، اور بڑے لوگ ہیں،

لاہور کے متعلق قلقشندی نے لکھا ہے کہ اس کا مرکزی مقام قنوج ہے یہ ہندوستان کا بہت بڑا شہر ہے یہاں پر بہت زیادہ خیر و برکت ہے اور یہاں سے اہلِ علم کی ایک جماعت نکلی ہے۔

ملتان اور قنوج بھی مسلمانوں کے دینی و علمی اور ثقافتی مرکز تھے، مگر افسوس کہ ملتان میں سامی دور میں جو علماء پیدا ہوئے ان کے نام تک ہمیں معلوم نہیں، آٹھویں صدی میں امام ذہبیؒ متوفی ۷۴۸ھ نے لکھا ہے:

الملتانی نسبة الی ملتان، مدینة بالهند، ما علمتُ من ینسب إلیها۔

(المشتبہ فی الرجال، اسمائہم وانسابہم ج ۲ ص ۶۱۱ طبع مصر)

ملتانی ہندوستان کے شہر ملتان کی طرف منسوب ہے مگر اس شہر کی طرف منسوب کیے جانیوالے کسی عالم کا مجھے علم نہیں ہے۔

البتہ سامی دور کے بعد بہت سے ملتانی علماء کے نام اور حالات کتابوں میں موجود ہیں خاص طور سے حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانیؒ کے بعد سے یہ شہر اسلامی علوم و فنون اور علماء و عُبّاد کا مرجع و مرکز بن گیا، اسی طرح قنوج کے قدیم علماء کے نام اور حالات معلوم نہیں، مگر بعد میں یہاں پر مختلف علوم و فنون کے علماء و فضلاء پیدا ہوئے، چنانچہ ابن جزری نے غایۃ النہایہ فی طبقات القراء میں قنوج کے متعدد قراء و مجودین کا تذکرہ

کیا ہے۔

البتہ لاہور کے چند قدیم علمار کے حالات ملتے ہیں، جنہوں نے اپنے دور میں عالمی شہرت پائی، اور سامی دورِ حکومت کے حسنات و برکات میں ان کا شمار ہوتا ہے،

شیخ اسمٰعیل لاہوری رح آپ سرزمینِ ہند میں مبلغین وداعیانِ اسلام میں سے ہیں آپ کے ہاتھ پر بہت سے کفار مشرکین نے اسلام قبول کیا، حدیث و تفسیر میں بھی آپ کو امامت کا درجہ حاصل تھا، حدیث و تفسیر کے علوم پہلی بار آپ کے ذریعہ لاہور میں عام ہوئے لاہور ہی میں ۴۴۸ھ میں فوت ہوئے۔

ابوالفتح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوریؒ ابوالفتح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اشعثی لوہوری (لاہوری) نے سمرقند میں علم حاصل کیا، اور ۵۲۹ھ میں لاہور میں وفات پائی، آپ کا تذکرہ سمعانی نے کتاب الانساب میں کیا ہے۔

ابوحسن علی بن عمرو بن حکم لاہوری آپ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست ادیب وشاعر تھے، انداز گفتگو بڑا پیارا تھا، حافظہ بہت قوی تھا، حدیث کی روایت حافظ ابو علی منظفر بن الیاس بن سعید سے کی تھی، اور ان سے حافظ ابوالفضل محمد بن ناظر سلامی بغدادی نے روایت کی، سمعانی نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے،

عمرو بن سعید لاہوری آپ حافظ ابوموسیٰ مدنی اصبہانی کے شیوخ میں سے ہیں متعدد علمار سے حدیث کی روایت کی ہے، یاقوت حموی نے معجم البلدان میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

---

(۴)

دولتِ معدانیہ مکران

یوں تو مکران اور سندھ سے مسلمانوں کا تعلق کسی نہ کسی حد تک خلافتِ راشدہ ہی میں قائم ہو چکا تھا اور خلافتِ فاروقی ہی میں مسلم فاتحوں کے قدم اس سرزمین کی سرحد تک آ چکے تھے، مگران کا باقاعدہ فاتحانہ داخلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا، فتوحات میں مکران کی فتح کا تذکرہ یوں ملتا ہے کہ زیاد بن ابوسفیان نے عہدِ معاویہ میں بنو ہذیل کے ایک مجاہد سنان بن سلمہ بن محبق ہذلیؓ کو ان اطراف کا حاکم بنا کر بھیجا، یہ بڑے صاحبِ فضل و کمال اور خدا پرست بزرگ تھے ان ہی کے مقدس ہاتھوں مکران فتح ہوا، اور اس وقت سے مسلمانوں کے انتظامی امور و معاملات اور طاقت کا مرکز بنا۔ بلاذری کا بیان ہے:۔

فأتى الثغر، ففتح مكران عنوة ومصّرها واقام بها، وضبط البلاد[1]	سنان نے مکران کو طاقت کے ذریعہ فتح کیا، اور اسے آباد کر کے وہیں اقامت اختیار کی، اور ملکی انتظامات کیے۔

ابن محبقؒ نے اپنی قابلیت و صلاحیت سے کام لے کر مکران کو ان اطراف میں آنیوالے عمّال و حکّام کا مرکز بنا دیا، اور اموی دور کے گورنر یہیں مستقل قیام کرنے لگے، اس کے بعد زیاد بن ابوسفیان نے قبیلۂ ازد کے راشد بن عمرو جدیدی کو ان

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۱۔

اطراف کا حاکم بنایا، جس نے مکران آنے کے بعد قیقان (گیگان، علاقہ قلات) وغیرہ کو فتح کیا، راشد فتوحات و غزوات کی ذمہ داری سنبھالتے تھے، اور سنان رعایا کا انتظام اور ملکی معاملات دیکھتے تھے، سنان کی انتظامی قابلیت دیکھ کر زیاد نے راشد کی موجودگی ہی میں ان کو مکران کے حدود کی حکومت سپرد کر دی، سنان نے دو سال تک حسن و خوبی کے ساتھ ملکی انتظامات چلائے جس کے باعث مکران مدتوں اموی حکام و عُمّال کے لئے پُرامن مرکز بنا رہا۔

مکران اور سندھ میں طوائف الملوکی کی تاریخ اور علافیوں کا فتنہ

اس کے بعد حجاج بن یوسف نے عراق کی گورنری سنبھالتے ہی سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور اس کے اطراف کا حاکم بنا کر بھیجا، مگر اس درمیان میں مکران کے حالات میں ابتری آچکی تھی، سعید کو یہاں آتے ہی ایک بہت بڑے فتنہ سے دوچار ہونا پڑا، جس میں اسے ناکامی ہوئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ معاویہ بن حارث علافی اور محمد بن حارث علافی دو بھائیوں نے مل کر سعید کے خلاف خروج کر کے علمِ بغاوت بلند کیا جس کے نتیجہ مین سعید بن اسلم مارا گیا، اور یہ دونوں بھائی حدود مکران پر قابض ہو گئے، مکران بلکہ سندھ میں اموی خلافت کے خلاف خروج و بغاوت کا یہ پہلا دن تھا، جس نے آگے چل کر یہاں طوائف الملوکی کے لیے راستہ ہموار کر دیا اور اموی و عباسی خلافت کے مقابلہ میں ان ہی کے حکام و امراء یا دوسرے افراد نے اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں بنالیں، محمد بن حارث علافی اس اقتدار پسند جماعت کا سربراہ تھا، جس کے نقشِ اوّل کے مقابلہ میں ہر متغلب نے نقشِ ثانی کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔

۸۳ھ میں عبد الرحمن بن محمد بن اشعث نے قراء و عُبّاد کی ایک جماعت لے کر حجاج کے مظالم کے خلاف خروج کیا، مگر ابن اشعث اور جماعتِ قراء و عُبّاد کو ناکامی ہوئی یہ لوگ ناکامی کے بعد عالم اسلام کے مختلف بلاد و امصار میں جا کر پناہ گزین ہو گئے،

یایوں کہیے کہ حجاج کے خلاف فضا ہموار کرنے لگے، محمد بن حارث علافی بھی ابن اشعث کی تحریک میں شامل تھا وہ عمان سے ہوتا ہوا سندھ چلا آیا، اور راجہ داہر بن صصہ کی پناہ میں زندگی بسر کرنے لگا، اسی زمانہ میں سعید بن اسلم مکران کا عامل بن کر آیا، اس نے ایک شخص صفہوی بن لام حمامی کو اس کے ایک جرم پر قتل کر دیا، چونکہ یہ شخص محمد بن حارث علافی کے قبیلہ کا تھا، اس لیے محمد بن حارث علافی کو سعید بن اسلم کے خلاف خروج کرنے کا موقع مل گیا، اور قبائلی عصبیت کے نام پر محمد اور معاویہ دونوں بھائیوں نے پانچ سو کی جمعیت لے کر سعید کو قتل کر ڈالا، اور خود مکران پر قابض و دخیل ہو گئے،

جب حجاج بن یوسف کو اس ناگوار واقعہ کی خبر ملی تو، اس نے مجاعہ بن سعر تیمی کو یہاں کا عامل بنا کر بھیجا، مجاعہ نے آتے ہی پچھلی شکست کا بدلہ لیا اور جنگ کر کے مکران پر قبضہ کیا اور دونوں علافی بھائیوں نے اپنی جمعیت لے کر الور میں جا کر پناہ لی، یہ واقعہ ۸۵ھ کا ہے جب محمد بن قاسم نے الور پر حملہ کر کے راجہ داہر کو قتل کر دیا تو محمد بن حارث علافی کو اپنے متعلق خطرہ محسوس ہوا، اور وہ وہاں سے بھاگ کر برہمن آباد راجہ جے سنگھ کے یہاں پہنچا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد علافی نے واپس آکر محمد بن قاسم سے امن چاہا، اور انھوں نے امن دے دیا، ان تمام گڑبڑیوں میں معاویہ علافی بھی اپنے بھائی کے ساتھ ساتھ رہا، اور اسے بھی محمد بن قاسم نے پناہ دی۔

بہرحال مجاعہ بن سعر تیمی نے مکران سے علافیوں کو نکال کر اطراف و جوانب میں اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا اور یہاں کی کھوئی ہوئی مرکزیت کو یوں واپس کر لیا کہ سنان بن سلمہ بن محبق کے دور کی یاد تازہ ہوگئی، ایک شاعر نے مجاعہ کے ان کارناموں کو سراہا ہے۔

ما من مشاهدك التي شاهدتها   إلا يزينك ذكرها مجاعا

(اے مجاعہ! تم نے جس معرکہ میں شرکت کی، اس کی یاد تم کو زینت دی ہے۔)

افسوس کہ مجاعہ سندھ آنے کے ایک ہی سال بعد فوت ہوگیا، اور اس کے کارناموں کی

تکمیل محمد بن قاسم نے کی۔[1]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاج نے مجاعہ کے بعد محمد بن ہارون بن ذراع نمری کو یہاں روانہ کیا جس نے مکران کی فتوحات کو مکمل کیا، مگر بعد میں اس کی اولاد نے مکران پر قبضہ کر لیا، یہ قبضہ مستقل حاکمانہ انداز میں نہیں معلوم ہوتا۔

عیسیٰ بن معدان، مہاراج حاکم مکران، حدود سنہ ۳۴۰ھ

البتہ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں مکران کے حالات بدل گئے، اور ایک شخص نے غلبہ واقتدار حاصل کر کے اپنی مستقل حکومت کا اعلان کر دیا، اس شخص کا نام عیسیٰ بن معدان تھا جسے مقامی زبان میں لوگ مہراج کے لقب سے یاد کرتے تھے، یہی دولت معدانیہ مکران کا مورث اعلیٰ اور بانی ہے اس کا تذکرہ سب سے پہلے اصطخری نے ان الفاظ میں کیا ہے،

والمتغلب علیها رجل یعرف بعیسیٰ بن معدان، ویسمی بلسانهم مهراج ومقامه بمدینة کیز[2]	عیسیٰ بن معدان نامی ایک شخص مکران پر قابض و دخیل ہے جسے لوگ اپنی زبان میں مہراج کہتے ہیں اس کی جائے قیام شہر کیز ہے۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں اصطخری کی یہی عبارت نقل کی ہے، البتہ اس میں عیسیٰ بن معدان کے زمانے کی تعیین کر کے حدود سنہ ۳۴۰ھ بتایا ہے، اس نے لکھا ہے

والمتغلب علیها فی حدود سنة ۳۴۰ھ رجل یعرف[3] الخ	اور مکران پر ایک شخص سنہ ۳۴۰ھ کے حدود میں قابض ہوگیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ بن معدان مورخ اصطخری کا معاصر تھا کیونکہ اس کا زمانہ بھی حدود سنہ ۳۴۰ھ ہی میں ہے،

ان دونوں بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ بن معدان مکران کا پہلا متغلب اور شخصی حکمران

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتوح البلدان، باب فتوح السند۔ [2] مسالک الممالک ص ۱۷۸۔
[3] معجم البلدان ج ۸ ص ۱۳۲۔

تھا جس نے اپنے غلبہ واقتدار سے اپنی حکومت قائم کی تھی اور وہ خلفائے عباسیہ کے نام کا خطبہ تک نہیں پڑھتا تھا نہ ہی سندھ کے دیگر متغلبین کی طرح یہ کسی اطاعت وامان میں تھا۔ نیز معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ بن معدان کسی مشہور خاندان اور قبیلہ سے تعلق نہیں رکھتا تھا، اور نہ ماضی میں اس کی خاندانی روایات تھیں، بلکہ غلبہ واقتدار سے پہلے وہ کوئی قابلِ ذکر حیثیت نہیں رکھتا تھا، اس کے باوجود اس نے اپنی ذاتی قابلیت سے مکران میں کامیاب اور مضبوط حکومت قائم کی جسکی وجہ سے عوام نے اسے اپنی زبان میں مہراج (شہنشاہ) کا لقب دے دیا، یا خود اس نے اپنے لیے رواج دیا۔

عیسیٰ بن معدان مہراج کے عربی نام اور ہندی لقب کی مناسبت سے یاقوت حموی کا یہ بیان قابلِ توجہ ہے کہ کابل اور غزنین کے بیچ میں بان نامی ایک شہر ہے جس کے باشندے ان خوارج کی اولاد میں سے ہیں جن کو مہلب بن ابی صفرہ نے شکست دے کر عراق وغیرہ سے بھگا دیا تھا، یہ لوگ (ساتویں صدی ہجری) تک اپنے آباء واجداد کے مذہب پر رہ کر مقامی بادشاہ کے تابع ہیں، ان میں تاجر، سرمایہ دار، عالم اور ادیب سب ہی ہیں جو اپنے قریب کے سندھ اور ہندوستان کے حاکموں اور بادشاہوں سے راہ ورسم رکھتے ہیں، اور خاص بات یہ ہے کہ:

ولکل واحدٍ من رؤسائھم اسمٌ بالعربیۃ، واسم بالھندیۃ[1] — ان کے ہر بڑے آدمی کے دو نام ہوتے ہیں، ایک عربی زبان میں اور دوسرا ہندی زبان میں۔

خود مکران بلد الخوارج تھا، اور عراق سے لے کر مکران وطوران تک خارجیوں کی سرگرمیاں جاری تھیں، ہوسکتا ہے کہ یہ عیسیٰ بن معدان بان شہر کے خوارج سے ہو، جس نے اپنے قریبی علاقہ مکران پر قبضہ کر کے اپنے عربی اور ہندی کے دونوں ناموں سے شہرت پائی۔

عیسیٰ بن معدان کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ قابلِ توجہ ہے، اسے قاضی ابو علی تنوخی

[1] معجم البلدان۔

متوفی ۳۸۴ھ نے اپنی کتاب نشوار المحاضرہ واخبار المذاکرہ میں قاضی احمد بن سیار کی زبانی نقل کیا ہے، احمد بن سیار نے کہا ہے کہ میں نے عمان میں نیز مکران کے ایک شیخ سے ملاقات کی، جسے لوگ ثقہ اور بحری امور و معاملات میں ماہر سمجھتے ہیں، اس مکرانی شیخ نے بیان کیا کہ ہندوستان (مکران) کے ایک حاکم کے خلاف ایک خارجی نے علم بغاوت بلند کر کے مکران پر قبضہ کیا، اور حسن و خوبی کے ساتھ اپنے مقبوضہ علاقہ کا انتظام چلایا، وہاں کے حاکم نے اس خارجی کے مقابلہ کے لیے فوج روانہ کی، جسے اس نے شکست دے دی اس کے بعد حاکم نے خود اس سے مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر اس کے وزیروں نے روکا، اور کہا کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ آپ کی فوج سے خوارج کی طاقت ختم ہو سکتی ہے، یہ خارجی شخص اتنا طاقت ور نہیں ہے کہ شاہی فوج کا مقابلہ کر سکے چہ جائیکہ آپ بہ نفس نفیس اس کے مقابلے کے لیے نکلیں، مگر حاکم نے اپنے وزیروں کی ایک نہ سنی، اور اس خارجی کے مقابلہ کے لیے نکل کر مارا گیا، خارجی نے اس کے شاہی محل اور مملکت پر مکمل قبضہ کر کے بادشاہوں کی طرح نہایت اچھے طریقے پر ملکی نظام چلایا، جب کچھ دن گذر گئے اور اس کی نیک نامی اور شان و شوکت کا شہرہ اطراف و جوانب میں ہو گیا تو اس نے اپنی مملکت کے حکماء اور دانش مندوں کو اپنے دربار میں جمع کیا اور اپنے ماتحت حاکموں کو لکھا کہ وہ بھی ہر شہر سے ایک سو عقلاء و مدبرین کو دربار میں روانہ کریں، چنانچہ جب یہ سب کے سب دربار میں جمع ہو گئے تو ان میں سے صرف دس عقلمندوں کا انتخاب کیا، اور ان کے ساتھ اپنے دارالسلطنت کے دس عقلمندوں کو لیا، پھر ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ ہر عقلمند آدمی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عیوب کو تلاش کر کے ان کو ختم کرے لہذا آپ تمام لوگ اگر میری ذات میں یا میری حکومت میں کوئی نقص اور عیب دیکھتے ہوں تو مجھے اس سے مطلع کریں، اس پر سب نے مل کر غور کیا اور باتفاق رائے کہا کہ ہم صرف ایک عیب دیکھتے ہیں اگر جاں بخشی ہو تو عرض کریں اس نے خوشی سے بیان کرنے کی اجازت دے دی، انھوں نے کہا ہم آپ کی ہر بات نئی دیکھتے

ہیں، یعنی آپ کی سلطنت خاندانی نہیں ہے، یہی ایک عیب ہے، بادشاہ نے کہا کہ بتاؤ مجھ سے پہلے یہاں تمہارا جو بادشاہ تھا وہ کیسا تھا؟ سب نے کہا کہ وہ بادشاہ کا بیٹا تھا، بادشاہ نے کہا اس کا باپ کیسا تھا؟ سب نے کہا وہ بھی بادشاہ کا بیٹا تھا، بادشاہ نے پھر وہی سوال کیا اور انہوں نے وہی جواب دیا، اسی طرح بادشاہ سوال کرتا رہا اور وہ جواب دیتے رہے، یہاں تک کہ دس گیارہ پشت تک گنانے کے بعد آخری بادشاہ کے بارے میں سب نے کہا کہ اس نے اپنے غلبہ واقتدار سے حکومت حاصل کی تھی، اس پر بادشاہ نے کہا کہ میں وہی بادشاہ ہوں، جس نے خود حکومت حاصل کی تھی، اگر میری یہ حکومت حسنِ انتظام کے ساتھ باقی رہی، تو میرے بعد میری اولاد کے قبضہ میں رہے گی، اور اسی طرح خاندانی بادشاہت بن جائے گی جس طرح تمہارے سابق بادشاہ کی تھی، بادشاہ کے اس جواب پر تمام عقلاء ومدبرین اس کے سامنے سجدہ میں جھک گئے، یہاں کا دستور ہے کہ لوگ جب کوئی اچھی چیز دیکھتے ہیں، یا کسی دلیل سے قائل ہوجاتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں اس واقعہ کے بعد اس متغلب خارجی بادشاہ کی شان وشوکت اور غلبہ واقتدار میں ترقی ہوتی گئی۔[1]

اس پورے واقعہ میں نہ اس خارجی بادشاہ کا نام ہے اور نہ مقام کی تصریح ہے، مگر قرینہ اور واقعہ کے رخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عیسیٰ بن معدان متغلب تیز ومکران کا واقعہ ہے، اور اس کا تعلق ۳۴۰ھ کے حدود سے ہے۔

بعض واقعات وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۶۰ھ میں تیز ومکران پر عضدالدولہ کی فوجوں نے قبضہ کرلیا تھا جبکہ وہ عضدالدولہ کے مخالف وباغی بلوچیوں کی سرکوبی کررہی تھیں، ابن مسکویہ نے تجارب الامم میں لکھا ہے کہ عضدالدولہ کے زمانہ میں سوجانیہ قفص اور بلوچ وغیرہ متفق ہوکر باغی ہوگئے اور ان کی قیادت ابوسعید بلوچی اور اس کی

[1] نشوار المحاضرہ بحوالہ رجال السند والہند ص ۳۰۳ و ص ۳۰۴۔

اولاد اور دوسرے رؤسا کر رہے تھے، عضد الدولہ نے ان کی سرکوبی کے لیے کورگیر بن جستان اور عابد بن علی کو روانہ کیا جنہوں نے ۱۰ صفر ۳۶۰ھ کو ان باغیوں پر حملہ کر کے پانچ ہزار کو قتل کیا، جن میں ابو سعید بلوچی کے دو لڑکے بھی تھے، اس کے بعد عابد بن علی نے ان کے تمام ٹھکانوں کا پتہ چلا چلا کر ان کو ختم کیا، اسی سلسلہ میں اس نے ہرموز پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا، اس کے بعد تیز و مکران کے شہروں پر غلبہ حاصل کیا۔

واستولی علی بلاد التیز ومکران[۱] اور عابد بن علی تیز و مکران کے شہروں پر قابض ہو گیا۔

معلوم نہیں کہ یہ استیلا آلِ بویہ کے باغیوں پر تھا یا تیز و مکران کی حکومت پر بظاہر یہاں کے پناہ گزین باغی بلوچیوں پر قابو پانا تھا، ابن خلدون کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۵۹ھ میں یہاں کے روپوش یا جنگ جو باغیوں پر عابد بن علی نے فتح پائی تھی، بہر حال مکران میں ۳۶۰ھ میں یہ ایک اہم واقعہ پیش آیا تھا، جس کے بعد یہ باغی بلوچی اسلامی احکام و تعلیمات پر راضی ہوئے۔

معدان بن عیسیٰ بن معدان	پانچویں صدی کے ربع اول میں تیز و مکران کے دوسرے حاکم معدان نامی کا پتہ چلتا ہے جو مکران کے دار السلطنت

تیز میں رہتا تھا، اس کا انتقال ۴۲۲ھ میں یا اس سے کچھ پہلے ہی ہوا، ابن اثیر نے ۴۲۲ھ کے واقعات میں لکھا ہے:

وھذہ السنۃ سیّر السلطان مسعود بن محمود بن سبکتگین عسکراً إلی التیز، مملکھا وما جاورھا، وسبب ذٰلک ان صاحبھا معدان توفی، وخلف ولدین[۲] الخ

۴۲۲ھ میں سلطان محمود کے بیٹے سلطان مسعود نے تیز کی طرف فوج روانہ کی اور اس پر اور اس کے اطراف پر قبضہ کر لیا، اس کی فوج کشی کی وجہ یہ ہوئی کہ مکران کا بادشاہ معدان مرا، اور اس نے دو لڑکے چھوڑے۔ الخ

---

[۱] تجارب الامم ج ۲ ص ۲۹۸ و ص ۲۹۹۔ [۲] کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۱۴۳۔

اس معدان کے بارے میں ہمیں اس سے زیادہ کچھ نہیں ملا، جس سے اس کے حالات پر کچھ روشنی پڑے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عیسیٰ بن معدان کا بیٹا ہے، جس کا نام عربوں کے عام ذوق کے مطابق اس کے دادا کے نام پر معدان ہے، جو اپنے باپ عیسیٰ کے بعد تیرد مکران کا بادشاہ ہوا، اور ۴۲۲ھ میں یا اس سے کچھ پہلے فوت ہوا۔

عیسیٰ بن معدان بن عیسیٰ بن معدان

دولت معدانیہ مکران کا یہ تیسرا حکمران ہے، اس عیسیٰ بن معدان ثانی کا حال بھی کامل ابن اثیر کی اسی پوری عبارت سے معلوم ہوتا ہے جسے اس نے ۴۲۲ھ کے واقعات کے ضمن میں مکران پر سلطان مسعود کی فوج کشی کے سلسلے میں لکھا ہے، اس کی پوری عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ اس سال سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے تیز و مکران پر فوج کشی کا سبب یہ ہے کہ یہاں کا بادشاہ معدان فوت ہوا اور اس نے دو بیٹے ابوالعساکر، اور عیسیٰ چھوڑے عیسیٰ نے حکومت اور خزانہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ ابوالعساکر نے خراسان جا کر اپنے بھائی کے مقابلہ کے لیے سلطان مسعود سے مدد طلب کی، سلطان نے ابوالعساکر کے ہمراہ اپنی فوج بھیجدی، اور حکم دیا کہ وہ عیسیٰ سے ملک چھین لے، یا پھر عیسیٰ اپنے بھائی ابوالعساکر کی اطاعت پر راضی ہو کر دونوں بھائی آپس میں اتفاق کر لیں، سلطانی فوج نے مکران پہنچ کر پہلے عیسیٰ کو اتحاد و اطاعت کی دعوت دی مگر وہ انکار کر کے اٹھارہ ہزار لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لیے آگے بڑھا اور دونوں طرف سے فوجوں میں جنگ ہوئی عیسیٰ کی شکست دیکھ کر اس کے بہت سے آدمی ابوالعساکر کی امان میں آ گئے، عیسیٰ میدان چھوڑ کر بھاگا، مگر پھر سنبھلا اور اپنے بچے کھچے آدمیوں کو لے کر مقابلہ میں آیا نتیجہ یہ ہوا کہ عین معرکہ میں مارا گیا، اور ابوالعساکر نے مکران پر قبضہ کر کے تین دن تک لوٹ مار کی اور باشندوں کو زیر کیا۔[1]

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۱۴۳۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت معدانیہ مکران کا تیسرا حکمران بڑا دلیر اور حوصلہ مند تھا باپ کے مرتے ہی اس نے مکران پر مکمل قبضہ کرکے اپنی فوج تیار کرلی، جس کو لے کر غزنوی جیسی آندھی پانی کی طرح بڑھنے والی طاقت سے مقابلہ کیا اور شکست کھاکر پھر قسمت آزمائی کی، حتی کہ بہادری کے ساتھ جنگ میں کام آگیا، اور اسے مکران پر زیادہ دنوں حکومت کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

ابوالعساکر حسین بن معدان بن عیسیٰ بن معدان

ابوالعساکر کا تذکرہ اس کے بھائی عیسیٰ کے ضمن میں اوپر آچکا ہے، یہ ۴۲۲ھ میں اپنے بھائی عیسیٰ کے قتل ہونے پر مکران کا حکمران بنا، ابن ابی اصیبعہ کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کنیت ابوالعسکر تھی اور نام حسین تھا، اور یہ علم طب میں خاص نگاہ رکھتا تھا، چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں مشہور مصری طبیب ابوالحسن علی بن رضوان متوفی ۴۵۳ھ کے ذکر میں اس کی تصنیفات ورسائل کے بیان میں لکھا ہے۔

نسخة الدستور الذي انفذ له ابو العسكر الحسين بن معدان ملك مكران في حال علة الفالج في مشقة الأيسر وجواب ابن رضوان له ۱؎

ابن رضوان کی تصنیفات میں اس دستور کا نسخہ بھی ہے جسے مکران کے بادشاہ ابوالعسکر حسین بن معدان نے بائیں جانب کے فالج کے بارے میں لکھ کر بھیجا تھا، اور ابن رضوان نے اس کا جواب لکھا تھا۔

اس سے ابوالعساکر کی علم دوستی اور غیر ملک کے اہل علم سے علمی مباحث ومسائل میں خط وکتابت کا بھی پتہ چلتا ہے، چونکہ اس کی حکومت سراسر سلطان مسعود غزنوی کی مرہون منت تھی، اس لیے اپنے خاندان کے حکمرانوں کے خلاف اس نے سلطان مسعود کے نام کا

۱؎ طبقات الاطبا، بحوالہ رجال السند والہند ص ۱۰۶

خطبہ پڑھا، اور اس کی اطاعت و امان میں اپنی حکومت قائم کی، علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے۔

واستولی ابو العساکر علی البلاد،	اور ۴۲۲ھ میں ابو العساکر نے ملک پر اپنی
وملکھا وخطب فیھا للسلطان	حکومت قائم کر کے سلطان مسعود کا خطبہ
مسعود، وذالک سنۃ ثنتین وعشرین۔[۱]	پڑھا۔

مکران کے معدانی حکمرانوں میں ان چار کے نام و نشان کے علاوہ اب تک ہم کو کسی اور حاکم کا نام نہیں مل سکا، اور خیال ہے کہ اسی ابو العسکر حسین بن معدان کے زمانہ میں ۵۷۱ھ میں غوری سلطنت نے مکران پر قبضہ کر لیا۔

سلطان غیاث الدین غوری کے ہاتھوں دولت معدانیہ مکران کا خاتمہ ۵۷۱ھ میں

دولت غزنویہ ۳۶۶ھ میں شروع ہوئی اور ۲۱۳ برس تک شان و شوکت کے ساتھ قائم رہ کر ختم ہو گئی، اس دور میں بنو الحسین بلاد غور پر سلطنت غزنویہ کے ماتحت حکمران تھے، ان بنو الحسین کے، چار لڑکے بڑی شان و شوکت کے مالک تھے، محمد، شوری، حسین شاہ اور سام محمد کے بعد اس کا بھائی حسین شاہ، پھر شوری، پھر علاء الدین غوری بادشاہ ہو کر ۵۵۶ھ میں فوت ہوا، اور اس کا بھتیجا ابو الفتح غیاث الدین غوری تخت غزنین پر بیٹھا، اسی غیاث الدین غوری نے مکران اور طوران کی حکومتوں کا خاتمہ کیا، علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

واستفحل امر غیاث الدین، فسار	جب غیاث الدین کا زور ہوا تو وہ ۵۷۱ھ میں
الی غزنۃ سنۃ احدی وسبعین	غوری، خلجی اور خراسان کی فوجوں کو لے کر غزنین
فی عساکر الغوریۃ والخلج والخراسانیۃ	گیا، اور غزنویوں کو شکست دے کر غزنین پر
ولقی الغز فھزمھم وملک غزنۃ	قبضہ کر لیا، پھر وہاں سے کرمان؟ اور شنوران؟
من أیدیھم، وسار الی کرمان	جا کر ان دونوں پر قبضہ کیا، یہ کرمان غزنین اور
وشنوران فملکھا، وکرمان ھذہ[۲]	ہندوستان کے درمیان ہے، یہ وہ کرمان نہیں

[۱] تاریخ ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۰۔

بین غزنۃ والھند، ولیست کرمان المعروفۃ ثم سار غیاث الدین الی لھاور لیملکھا من ید خسرو شاہ[2] بن بہرام شاہ[1]

ہے جو مشہور ملک ہے، پھر غیاث الدین یہاں سے لاہور گیا تاکہ غزنوی دور کے حاکم خسرو شاہ بن بہرام شاہ سے لاہور کو چھین لے۔

اس سے کچھ پہلے اسی قسم کی ایک عبارت بیاض کے بعد آئی ہے جس میں ہے کہ وہ پھر غزنین سے کرمان اور شنوران گیا اور ان دونوں پر قبضہ کیا، یہ کرمان غزنین اور ہندوستان کے درمیان ہے اور مشہور ملک کرمان نہیں ہے الخ[1]

ان دونوں عبارتوں میں کرمان اور شنوران درحقیقت مکران اور طوران کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں، تعجب ہے علامہ ابن خلدون جیسا بالغ نظر مورخ مکران کو کرمان ہی تسلیم کرتا ہے اور مشہور ملک کرمان ہونے کا انکار کر کے اسے غزنین اور ہندوستان کے درمیان ایک ملک قرار دیتا ہے، حالانکہ یہ صرف مکران ہی ہو سکتا ہے جس کے بعد غیاث الدین نے لاہور کا قصد کیا، اور دونوں عبارتوں میں کرمان کے ساتھ جو شنوران کا نام آیا ہے وہ طوران ہے، مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ تاریخ ابن خلدون میں متعدد مقامات پر مکران اور طوران کے نام صحیح طور پر آئے ہیں، مگر یہاں پر ابن خلدون نے ان کے علاوہ ان دونوں محرف ناموں کی توجیہ کر کے گویا ان کو صحیح مانا ہے، الغرض دولت معدانیہ مکران سنہ ۳۴۰ھ کے حدود میں قائم ہوئی اور ۴۷۱ھ میں سلطان غیاث الدین غوری کے ہاتھوں ختم ہو گئی اور اس کی مدت حکومت ایک سو اکتیس ۱۳۱ سال ہے۔

معدانیوں کا نظام مملکت

مکران کی دولت معدانیہ موروثی اور خاندانی تھی، بانی سلطنت معدان بن عیسیٰ نے اپنا مرکز و مقام شہر کیز کو بنایا تھا، مگر اس کے بیٹے معدان بن عیسیٰ کے زمانہ میں دار السلطنت تیز بن گیا اور بعد میں یہی مستقل

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۳۹۹۔ [2] ″ ج ″ ص ۳۸۹۔

مرکز بنا رہا۔ اسی وجہ سے یہ تیز مکران مشہور ہوا، معلوم نہیں کس وجہ سے معدانیوں نے مکران کے قدیم اور مشہور دار السلطنت پنجپور کو کسی وقت اپنا مرکز نہیں بنایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منصورہ اور ملتان کے عرب حکمرانوں کی طرح مکران کے یہ عرب حکمران بھی مرکزی شہر سے کچھ دور رہنا پسند کرتے تھے، اور کھلی آب و ہوا میں عربی ذوق کی زندگی گذارتے تھے۔

کامل خودمختاری

معدانی حکمرانوں میں سے کسی کے بارے میں کسی سیاح و مورخ نے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ وہ خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا یا خلافت عباسیہ سے تعلق رکھتا تھا، بلکہ سب کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاقہ کے بالکل آزاد حکمران تھے اور کسی اندرونی یا بیرونی طاقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، چونکہ وہ سنی نہیں تھے کہ منصورہ اور ملتان والوں کی طرح مرکز خلافت بغداد سے متعلق ہو کر خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھیں، اور نہ شیعہ ہی تھے کہ اس زمانہ کی سب سے بڑی شیعی طاقت یعنی مصر و افریقہ کے فاطمیوں سے نسبت رکھیں جیسا کہ بعد میں ملتان کے اسمٰعیلی شیعی حکمرانوں نے کیا بلکہ وہ خارجی تھے اس لیے کسی کے نام کا خطبہ نہ پڑھ سکے اور نہ عقیدتمندانہ یا دوستانہ تعلق پیدا کر سکے، البتہ ابوالعساکر نے سلطان مسعود غزنوی کے نام کا خطبہ پڑھا، مگر حکومت کی بنیادی پالیسی میں یہ بات نہیں تھی بلکہ سلطان مسعود کی احسان مندی کی وجہ سے تھی۔

بنو معدان خارجی تھے

کرمان و مکران اور طوران کا پورا علاقہ زمانہ قدیم سے شراۃ اور خوارج کی جولان گاہ تھا، اور اس کے اطراف میں ان ہی کا عمل دخل تھا، مسعودی نے اپنے زمانہ میں مکران کے بارے میں لکھا ہے:

بلاد مکران، وھی ارض الخوارج الشراۃ[1]	بلاد مکران خارجیوں کا وطن و مسکن ہے،

بنو معدان ان ہی خوارج میں سے تھے، جو ان اطراف میں رہ کر خلافت عباسیہ کے

[1] مروج الذہب، ج ۱ ص ۱۱۰۔

خلاف خروج و بغاوت کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے، نیز ان حکمرانوں کے جو واقعات پہلے درج ہو چکے ہیں، ان سے ان کا خارجی ہونا معلوم ہوتا ہے، ان کا خوارج ہونا یقینی ہے اور خارجی نہ ہونا ظنی ہے جس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے،

عدل و انصاف اور رعایا پروری

دولت معدانیہ کے عام حکمران عادل و منصف اور شریف تھے، ان کی خارجیت نے ان کو ان معاملات میں متشدد بنا رکھا تھا، ان کے یہاں کبائر گناہ کا ارتکاب کفر تھا۔ اس لیے انھوں نے حکومت و طاقت پاکر عدل و انصاف اور نیکی کا معاملہ عام کیا، پہلے ہی حکمران کے عدل و انصاف اور رعایا پروری کا حال قاضی ابو علی تنوخی کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے، نیز مقدسی نے مکران کے حکمران کے بارے میں لکھا ہے۔

علی مکران سلطان علعس ۔۔۔ مکران کا الگ بادشاہ ہے، وہ متواضع،
وھو متواضع، عادل، ۔۔۔ منکسر المزاج اور عادل و منصف ہے، تم
لا تری مثلھم[1] ۔۔۔ کو یہاں کے بادشاہوں کی مثال نہیں ملیگی۔

مقدسی نے ۳۷۵ھ سے پہلے کے حکمران کے متعلق یہ بات بیان کی ہے اور ایک ہی کو نہیں بلکہ یہاں کے تمام حکمرانوں کو عدل و انصاف اور عاجزی و انکساری میں بے مثال بتایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے معدانی حکومت کا مزاج ہی یہی تھا، جس نے ان کو مقامی زبان میں مہراج یعنی شہنشاہ کا لقب دیا تھا،

بیدار مغزی اور علم دوستی

مکران کا پورا علاقہ وحشی تھا یہاں علمی زندگی اور اہلِ علم کا فقدان تھا، اس کے باوجود معدانی حکمران بہت بیدار مغز اور علم دوست تھے، پہلے حاکم نے اپنی پوری مملکت کے داناؤں اور عقلمندوں کے سامنے جو بات پیش کی وہ اس قدر اونچی تھی کہ تمام عقلاء اسے مان کر جھک گئے۔ ابو العساکر نے مصری طبیب ابن

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۴ - و ص ۴۸۵ -

رضوان سے فالج کے مرض کے بارے میں سوالات کیے جن کا جواب اس نے ایک رسالہ میں لکھ کر بھیجا۔

مکران کے بنو معدان کے حالات بالکل پردۂ خفا میں ہیں، اس لیے ان کے دورِ حکومت اور خوذان کے بارے میں کوئی تفصیلی بات معلوم نہیں ہو سکی اور جو کچھ رحلات و تواریخ میں ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے،

مکران میں مطہر بن رجار کی مستقل حکومت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنو معدان اپنے مقبوضہ علاقہ میں رہ کر مگن تھے اور ان کو اندرون مملکت امن و امان اور عدل و انصاف کے بعد کسی طاقت سے خطرہ نہیں تھا، یہاں تک کہ ان کے مقبوضہ علاقوں میں بعض ایسے حکمران بھی تھے، جو ان کی سیاست اور حکومت کے بالکل خلاف عباسی خلفاء کا خطبہ پڑھتے تھے اور معدانیوں کی اطاعت نہیں کرتے تھے، اس کے باوجود وہ کوئی تعرض نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ان کا ایک معاصر حکمران مطہر بن رجار تھا جو مکران کے علاقہ مشکی میں حکمران تھا اور اس کی یہ حکومت صرف تین مرحلہ کی حدود میں تھی وہ اپنے قرب و جوار کے کسی سلطان و امیر کی اطاعت میں نہیں تھا بلکہ براہِ راست عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھتا تھا، اصطخری نے لکھا ہے،

وھو لا یخطب الا للخلیفۃ،	وہ خلیفہ کا خطبہ پڑھتا ہے اور اپنے پاس
ولا یطیع احداً من الملوک	پڑوس کے کسی بادشاہ کا مطیع نہیں ہے۔
المصاقبین لہ[1]	

یاقوت حموی نے اصطخری کا یہی بیان نقل کیا ہے مگر اس میں نام مظفر بن رجاء ہے اور اس کا زمانہ حدود ۳۴۰ھ میں بتایا ہے، مطہر بن رجار صاحب مشکی یا مشکہ کی شان و شوکت اور قوت و طاقت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ اطراف و جوانب کی کسی حکومت سے

---

[1] مسالک الممالک ص ۱۷۰۔

تعلق نہیں رکھتا تھا اور براہِ راست مرکز خلافت سے وابستہ رہ کر خلفاء کا خطبہ پڑھتا تھا اس طرح اس کی یہ چھوٹی سی حکومت گویا خلافت عباسیہ کے ایک صوبہ کی حیثیت رکھتی تھی، مشکی یا مشکہ مکران ہی کا ایک علاقہ ہے جو حدود کرمان سے متصل ہے، یہ علاقہ گرم ہے، اس کے باوجود یہاں کچھ باغات اور کچھ سرد موسم کے میوے پائے جاتے ہیں، مطہر بن رجاء نے اسی علاقہ میں غلبہ حاصل کر کے اپنی حکومت قائم کرلی تھی جو صرف تین مرحلہ میں تھی مکران کی معدانی حکومت میں مشکی کی یہ حکومت، حکومت در حکومت کی بہترین مثال ہے جو امن وانسانیت کے دور میں پائی گئی تھی، جبکہ آج کے دور میں ایک ملک میں ایک حکومت امن وانسانیت اور اتفاق واتحاد سے نہیں چل سکتی ہے، اغلب یہ ہے کہ مشکی کا یہ حکمران سنی مذہب کا تھا۔

حدودِ سلطنت، مشہور مقامات اور عام حالات

عرب جغرافیہ نویسوں کے بیان کے مطابق مکران ایک وسیع وعریض ولایت ہے جو ساحل سمندر پر واقع ہے اس میں بہت سے شہر و قریات ہیں، اس کے مغرب میں کرمان، شمال میں سجستان، جنوب میں سمندر اور مشرق میں ہندوستان ہے، علمائے فلکیات کا خیال ہے کہ اس علاقہ کا تعلق برج قمر سے ہے اسی لیے یہاں سرسبزی وشادابی پائی جاتی ہے اور لفظ مکران عجمی ہے جو ماہ وکرمان تھا، کثرتِ استعمال سے مکران ہوگیا، بعض مورخوں کا خیال ہے کہ اس کا نام حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں مکران بن نارک بن سام بن نوح کے نام پر ہے، جو بابل سے نکل کر اس علاقہ میں آباد ہوگیا تھا[۱]۔

مکران کسی خاص شہر یا مقام کا نہیں بلکہ پورے ساحلی علاقے کا نام ہے جس کے دو کھلے ہوئے حصے ہیں، ایک بلاد وامصار کا حصہ جو اپنے علاقائی ناموں سے مشہور رہے،

---

[۱] معجم البلدان ج ص ۱۳۰۔

اصطخری نے ۳۴۰ھ کے حدود میں مکران کے شہروں میں یہ نام لکھے ہیں، کیز، تیز، قنزبور، بہ، بند، قصر قند، درک، فلہفرہ، وہ لکھتا ہے یہ تمام شہر چھوٹے چھوٹے ہیں، البتہ ارمائیل اور قنبلی، یہ دونوں بڑے . . . . شہر ہیں۔

ان کے علاوہ مکران میں کئی بڑے بڑے علاقے ہیں جو اپنے نام سے مشہور ہیں، ایک علاقہ کا نام خروج ہے، جس کا بڑا اور مرکزی شہر راسک ہے، دوسرے علاقہ کا نام جدران ہے، یہاں فانید . . . . اور گنے کی پیداوار بہت زیادہ ہوتی ہے اور یہاں سے پوری دنیا میں جاتی ہے، اور تیسرے علاقہ کا نام مشکی ہے، جو کرمان کی سمت ہے اور جس پر مطہر بن رجاء قابض ہے۔[1]

مقدسی نے ۳۷۵ھ سے پہلے مکران کی وسعت بیان کرتے ہوئے بنجبور کو یہاں کا دارالسلطنت بتایا ہے، اور شہروں میں مشکہ، کیچ، سرائے شہر، بربور، خواش، ومندان، جالک، دِزک، دشتِ علی، اور تیز کے نام لکھے ہیں، پھر لکھا ہے کہ فارسی (اصطخری) نے یہ شہر بتائے ہیں، کبرتون، راسک (اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ علاقہ خروج کا شہر ہے) بہ، بند، قصر قند، اصفقہ، فہل فہرہ، قنبلی، ارمائیل۔[2]

ان دونوں جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں کے بیانات میں جو کمی بیشی اور مقامات کے ناموں میں تبدیلی پائی جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے زمانوں میں مکران کی حدود مختلف تھیں اور شہروں کے ناموں میں تلفظ اور املاء کے فرق کی وجہ سے اختلاف ہوگیا۔

بنّجبور یہ قنزبور، فنزبور، تیزبور اور قنزبون وغیرہ شکلوں میں لکھا ہوا ملتا ہے، مگر اصل لفظ بنجبور ہے، جو مکران کا پایۂ تخت تھا، مقدسی کے بیان کے مطابق یہاں مٹی کا قلعہ ہے، جس کے چاروں طرف خندق ہے، یہ شہر باغات سے

---

[1] مسالک الممالک ص ۱۷۷۔ [2] احسن التقاسیم ص ۴۷۵۔

آباد ہے، اس کے دو صدر دروازے ہیں ایک باب طوران، اور دوسرا باب تیز، جامع مسجد وسط بازار میں واقع ہے، لوگ دریا کا پانی پیتے ہیں، یہاں کے مسلمان برائے نام مسلمان ہیں، ان کی زبان بلوچی اور غیر فصیح ہے[1]۔ اصطخری نے لکھا ہے کہ قنز پور مکران کا سب سے بڑا شہر ہے[2]۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ قیز بون مکران کا سب سے بڑا شہر ہے، اور اس کے اطراف وجوانب دور دور تک ہیں، جو اسی سے متعلق ہیں[3]۔

تیز

تیز ساحلی شہر ہے اور مکران اور اس کا نواحی بندرگاہ تھا، اسے مکران کے ساتھ ملا کر تیز مکران بولتے تھے، اس کی آبادی اور عمارت ملتان سے نصف تھی، یہاں ہرے بھرے باغات تھے، اس کے سامنے مغرب میں عمان واقع تھا یہ اقلیم ثالث میں تھا، طول البلد بیاسی ۸۲ اور دو ثلث درجہ، اور عرض البلد اٹھائیس ۲۸ اور دو ثلث درجہ ہے مقدسی نے یہاں کی دینی وعلمی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ یہاں پر اچھی رباطیں ہیں، جامع مسجد خوبصورت ہے، لوگ متوسط درجہ کے ہیں، نہ ان میں علم ہے اور نہ وسعت ظرفی ہے۔

کیز یا کیج

یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ کیز کو بعض لوگ کیج بھی کہتے ہیں، یہ مکران کے مشہور شہروں میں سے ہے پہلے اسی میں مکران کا حاکم رہتا تھا کیز اور تیز کے درمیان پانچ مرحلہ کا فاصلہ ہے اور خود مکران دونوں کے بیچ میں ہے، یہ بھی مکران کی بندرگاہ ہے، یہاں بہت سے باغات ہیں کیز اور بجنور کے درمیان دو مرحلوں کا فاصلہ ہے[4]۔

رکس

علاقہ مکران میں معمولی سا شہر تھا جو آٹھویں صدی تک مٹ چکا تھا، علامہ ذہبی نے المشتبہ میں اس کا تذکرہ کیا ہے[5]۔

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۷۸۔ [2] مسالک الممالک ص ۱۷۷۔ [3] معجم البلدان ج ۷، ص ۱۹۳۔
[4] معجم البلدان ج ۷، ص ۲۰۵۔ [5] المشتبہ فی الرجال ج ۲ ص ۵۵۳۔

خاشک یا خواش اسے مقدسی نے خواش اور یاقوت نے خاشک لکھا ہے، یہ بھی مکران کے مشہور شہروں میں سے تھا، اس میں ایک مسجد تھی جس کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مسجد ہے[1]۔

ارمائیل اسے ارمئیل بھی کہتے ہیں، بقول اصطخری ارمائیل اور قنبلی دونوں بڑے بڑے شہر تھے، ان کے درمیان دو منزل کا فاصلہ تھا، اور یہ دونوں شہر دیبل و مکران کے بیچ میں واقع تھے، ارمائیل سمندر سے نصف فرسخ کی دوری پر تھا۔

درک (دزک) اس کے اور بنجبور کے درمیان تین مرحلہ کا فاصلہ تھا اور یہاں سے راسک تین مرحلہ پر تھا،

راسک کرمان کی طرف حدودِ مکران کا ایک وسیع و عریض علاقہ تھا جسے خروج یا مدینۃ الخروج کہتے تھے، یہاں خوارج کی بہت زیادہ آبادی تھی، گویا یہ علاقہ ان ہی کا تھا، اسی علاقہ کے مرکزی شہر کا نام راسک تھا، یہ پورا علاقہ گرم تھا۔

علاقۂ جدران مکران کا ایک علاقہ جدران کے نام سے مشہور تھا، یہاں باغات اور گنّے کے کھیت بہت زیادہ تھے، اور یہاں کی بنی ہوئی جسانیذ دنیا بھر میں جاتی تھی، یہ پورا علاقہ بھی خارجیوں سے آباد تھا۔

علاقۂ خزران مقدسی نے لکھا ہے کہ علاقۂ مشکہ سے متصل ایک اور علاقہ خزران نامی پڑتا ہے جو تین مرحلوں میں پھیلا ہوا ہے، یہاں باغات اور درخت کم ہیں مگر سرد و گرم دونوں موسموں کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔

راہوق اور کلوان کے دو علاقے مقدسی نے لکھا ہے کہ راہوق اور کلوان دو علاقے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، اور ان دونوں کا تعلق مکران سے ہے، بعض لوگ راہوق کو منصورہ کا علاقہ قرار دیتے ہیں، یہاں پھلوں کی پیداوار کم ہے[2]۔

---

[1] معجم البلدان ج ۳ ص ۳۸۸ - [2] احسن التقاسیم ص ۴۸۴ -

علاقہ مشکی یا مشکہ اس کے متعلق گذر چکا ہے کہ کرمان کی حدود سے متصل مکران کا مشہور علاقہ تھا، یہاں باغات کی کمی تھی، مگر سرد موسم کے کچھ میوے پائے جاتے تھے، اسی پورے علاقہ پر مطہر بن رجار کا قبضہ تھا جو مکران کے حکمرانوں کی اطاعت میں نہیں تھا بلکہ براہ راست عباسی خلفاء کا خطبہ پڑھتا تھا، حالانکہ اس کی حکومت بہت مختصر علاقہ یعنی میں صرف تین مرحلے میں تھی۔

ان مقامات و علاقہ جات کے علاوہ جیسا کہ معلوم ہوا اصفقہ، فلہفرہ، بہ، بند قصر قند، قنبلی، دمندان، جالک، دشت علی، سرائے شہر، بر بور وغیرہ نام کے بھی شہر و دیہات تھے، مگران کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

طبعی حالات، اور صنعت و تجارت

طبعی حالات اور پیداوار اس دور کے سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کے بیان کی رو سے مکران کا پورا علاقہ مجموعی اعتبار سے گرم ہے اور اس پر ریگستان، قحط اور معاشی تنگی غالب ہے، زمین کا اکثر حصہ صحرا، اور بے آب و گیاہ ہے، نالے ندیاں بہت کم ہیں، البتہ مکران اور منصورہ کے درمیانی علاقے میں دریائے سندھ سے نکلی ہوئی ندیاں بہتی ہیں، پورے علاقہ میں کھیتی باڑی کا دارومدار برسات پر ہے، مکران کی زمین پتھریلی عراق کے بطائح یعنی سنگلاخی زمینوں کے مانند ہے، البتہ راہوق، ارمائیل اور قنبلی کے علاقے نسبتاً سرسبز ہیں، یہاں بڑی بڑی چراگاہیں پائی جاتی ہیں، مویشیوں کی کثرت بھی ہے، اسی طرح خاص خاص شہروں اور علاقوں میں شادابی اور پیداوار ہے، چنانچہ تیز میں باغات اور درخت ہیں، جدران میں باغات ہیں اور گنے کی پیداوار بہت زیادہ ہے، مشکی میں کچھ باغات ہیں اور کچھ سرد موسم کے میوہ جات بھی پیدا ہوتے ہیں، خزران میں بھی تھوڑے بہت باغ ہیں، پنجبور اور کیز میں باغ زیادہ ہیں، کلوان کے علاقے میں بھی تھوڑے بہت میوے اور پھل پیدا ہوتے

ہیں، یہ معلومات اصطخری، مسعودی، مقدسی اور یاقوت حموی کی کتابوں سے لی گئی ہیں،

باشندوں کے دینی و اخلاقی حالات اور بود و باش اور زبان

مکران کے باشندے عموماً گندمی رنگ کے غیر مہذب اور جاہل تھے،

مسلمانوں میں قابلِ ذکر علمی اور دینی زندگی کا ذوق نہیں تھا، عام مسلمان خارجی عقیدہ کے تھے، قدیم زمانہ سے مکران خوارج کا مرکزی مقام تھا، ان کی زبان بھی نہایت ردّی اور فارسی اور مکرانی تھی، بعض علاقوں میں بلوچی زبان بھی رائج تھی، بود و باش اور طرزِ زندگی عام طور سے ہندوانہ تھا، حتیٰ کہ وہ ہندوؤں کی طرح کان بھی چھدواتے تھے، اصطخری نے لکھا ہے کہ مکران کے لوگوں کا عام لباس کرتہ ہے، البتہ تاجروں کا لباس ان سے الگ ہے، یہ لوگ عراق اور فارس والوں کی طرح قمیص اور چادر استعمال کرتے ہیں[۱]۔

مقدسی نے پورے علاقۂ مکران کے لوگوں کا حال یوں بیان کیا ہے کہ اہلِ مکران میں کُندذہنی ہے، ان کا رنگ گندمی ہے ان کی زبان وحشی ہے، وہ کرتے پہنتے ہیں اور بالوں کو بڑھا کر لٹکاتے ہیں، اور ہندوؤں کی طرح کان چھدواتے ہیں، مکران کے اکثر علاقوں کا حال ہمارے بیان کے مطابق ہے[۲]۔

پنجپور کے مسلمانوں کا حال لکھا ہے کہ ان کی زبان کرخت اور روکھی پھیکی ہے، ان کے یہاں اسلام صرف برائے نام ہے، البتہ یہاں کی جامع مسجد وسط بازار میں واقع ہے، تیز کے لوگوں میں اگرچہ علم اور وسعت ظرفی نہیں ہے مگر ان کے یہاں اچھی رباطیں اور خانقاہیں موجود ہیں، جامع مسجد بھی خوبصورت ہے[۳]۔

یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جو شہروں اور آبادیوں میں رہتے تھے، میدانوں اور صحراؤں میں رہنے والوں کا حال اس سے بھی بُرا تھا، وہ لوگ بقول مقدسی عراق کے کردوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے، ان میں جاٹوں کی آبادیاں زیادہ تھیں، جو پھوس کے چھپروں میں

[۱] مسالک الممالک ص ۱۷۰۔ [۲] احسن التقاسیم ص ۴۸۲۔ [۳] " ص ۴۷۸۔

رہتے تھے، ان کا ذریعۂ معاش دریائے سندھ سے نکلی ہوئی ندیوں کی مچھلیوں اور مرغابیوں کا شکار تھا، یہ دونوں چیزیں ان کی غذا تھیں۔

صنعت وحرفت

علاقۂ مکران میں فانیذ سازی .... کے علاوہ اور کسی صنعت کا پتہ نہیں چلتا، یہاں کی فانیذ ہر جگہ سے اچھی ہوتی تھی، اور دنیا بھر میں بھیجی جاتی تھی، خاص طور سے علاقۂ جدران میں گنے کی کھیتی بہت زیادہ ہوتی تھی اور یہاں کی بنی ہوئی فانیذ مٹھائی دنیا بھر میں بھیجی جاتی تھی، ظاہر ہے کہ مکران میں فانیذ سازی کے بڑے بڑے کارخانے رہے ہوں گے، یہاں کی ایک صنعت کا ذکر یاقوت حموی نے یوں کیا ہے کہ تمیت مندان مکران میں ایک شہر تھا اس کے قریب ایک پہاڑ تھا جس میں نوشادر بنایا جاتا تھا[1]۔

تجارت

علاقۂ مکران خشک وگرم ریگستانی اور پہاڑی تھا، یہاں نہ کوئی قابلِ ذکر پیداوار ہوتی تھی اور نہ ہی کوئی خاص صنعت وحرفت تھی کہ جہاں کی چیزیں دوسرے ممالک ومقامات میں برآمد کی جاتیں، البتہ فانیذ مٹھائی .... یہاں کی خصوصی اور مشہور پیداوار تھی، جو پورے عالمِ اسلام میں ہر جگہ سے اچھی اور زیادہ ہوتی تھی اور دنیا بھر میں بھیجی جاتی تھی۔ اصطخری نے علاقۂ جدران کے متعلق لکھا ہے:

ورستاق قسمی جدران وبها	جدران نامی علاقہ میں فانیذ بہت
فانیذ کثیر، ونخیل وقصب	زیادہ پیدا ہوتی ہے، یہاں پر باغ اور گنے
سکر، وعامة الفانیذ الذی	کے کھیت ہیں، دنیا بھر میں جو فانیذ بھیجی
یحمل إلی الآفاق منها، الأشیأ	جاتی ہے وہ عام طور سے یہیں سے جاتی ہے البتہ
عمل من ماحیة ماسکان[2]۔	کچھ ماسکان میں بھی ہوتی ہے۔

یاقوت حموی نے قیربون (پنجپور) میں اس کی پیداوار اور برآمد کا ذکر یوں کیا ہے:۔

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۴۱۲۔ [2] مسالک الممالک ص ۱۷۷

وفیھا الفانید، کان یحمل الی جمیع الدنیا۔[1] یہاں فانید ہوتی ہے جو دنیا بھر میں بھیجی جاتی ہے۔

مکران میں سربار نامی ایک شہر تھا، یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہاں فانید بہت عمدہ اور بہت زیادہ تیار ہوتی ہے، بحری تجارت بھی مکران میں ہوتی تھی، تیز، مکران کی سب سے بڑی بندرگاہ تھا، اسی طرح کیز بھی یہاں کی بندرگاہ تھا، ان دونوں بندرگاہوں سے بحری تجارت ہوتی تھی، مکران کے تاجروں کا لباس عوام سے جداگانہ، عراق اور فارس کے لوگوں کے مانند تھا۔

مکران کے علمار

مکران کا علاقہ اگرچہ ہر اعتبار سے گیا گذرا تھا۔ اور یہاں کے لوگوں میں وحشت و بداوت عام تھی پھر بھی یہاں کے لوگ مسلمانوں کے علوم وفنون سے بے بہرہ نہیں تھے، البتہ تیسری اور چوتھی صدی کی علمی سرگرمیوں کا پتہ نہیں چلتا، مگر بعد میں یہاں نامور اہل علم وفضل پیدا ہوئے جن کے تذکرے علامہ سخاویؒ نے الضوء اللامع میں کیے ہیں۔ خصوصاً آٹھویں صدی اور اس کے بعد یہاں بہت سے اہل علم پیدا ہوئے، یہاں کے قدیم علمائے اسلام میں صرف ایک عالم کا تذکرہ علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں کیا ہے، یہ ابوحفص عمر بن محمد بن سلیمان مکرانی ہیں، انہوں نے عراق کا علمی سفر کیا، پھر وہاں سے حجاز جا کر ابوالحسن محمد بن احمد بزاز سے حدیث کی تعلیم حاصل کی، اور ان سے ابوالقاسم شیرازی نے روایت کی۔[2]

---

[1] معجم البلدان ج ۸، ص ۱۹۳۔ [2] کتاب الانساب طبع یورپ ورق ۵۴۱۔

(۵)

دولتِ متغلبہ طوران

طوران (توران) کا علاقہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت و خلافت میں فتح ہوا، سنان بن سلمہ بن محبق ہذلیؓ نے قصدار کو فتح کر کے دو سال تک پورے سندھ پر حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ سنان کے بعد جب مقامی باشندوں نے خروج و بغاوت کی راہ اختیار کی تو زیاد بن ابوسفیان نے منذر بن جارود عبدی کو یہاں کا حاکم بنایا، جنہوں نے بوقان اور قیقان فتح کرنے کے بعد قصدار کو دوبارہ فتح کیا، اور قصدار میں سنان کے زمانہ کی یاد تازہ کردی، سنان بڑے صاحب فضل و کمال اور خدا پرست بزرگ تھے، ان کے انتقال پر ایک شاعر نے یہ مرثیہ کہا تھا۔

حل بقصدار فاضحیٰ بھا فی القبر، ولم یقفل مع القافلین

سنان قصدار گئے، تو وہیں کے ہو کر قبر میں مدفون ہو گئے اور لوٹنے والوں کے ہمراہ لوٹ نہ سکے

للہ قصدار واعنابھا ای فتی دنیا اجنت ودین

واہ رے قصدار اور وہاں کے انگور! کہ دین و دنیا کے کیسے جامع مرد کو انھوں نے چھپا لیا۔

طوران میں غلبہ و اقتدار کی ابتداء

کرمان و مکران اور طوران یہ تمام علاقے خوارج کے عملی میدان تھے اور وہ عرب سے نکل کر یہاں بھاری جمعیت میں ہو گئے تھے، مکران و کرمان کے خوارج اپنے اطراف و جوانب میں حملہ آور ہوتے تھے اور ان کا مقابلہ فارس کے گورنر مہلب بن ابی صفرہ کی فوجوں سے رہا کرتا تھا، خوارج

اور مہلب کی فوجوں کی باہمی معرکہ آرائیاں بعض اوقات سال سال بھر رہا کرتی تھیں چنانچہ ۶۷ھ میں نجدہ بن عامر بن عبداللہ حنفی خارجی نے نافع بن ازرق کی معیت میں بحرین، خط، اور قطیف میں قتل و غارت کی گرم بازاری کی، نجدہ کے مقابلہ کے لیے ۶۹ھ میں بصرہ سے مصعب بن زبیرؓ نے عبداللہ بن عمر لیثی کو بیس ہزار لشکر دیکر بحرین بھیجا، نجدہ کو فتح ہوئی اور اس نے عمان میں عطیہ بن اسود خارجی کو اپنا نائب مقرر کیا، عطیہ نے اہلِ عمان کو رام کر کے وہاں اپنا حاکم مقرر کیا، مگر بعد میں عمان والوں نے عطیہ کے حاکم کو قتل کر کے اپنا حاکم مقرر کر لیا، اس واقعہ کے بعد نجدہ اور عطیہ میں آن بن ہو گئی، عطیہ بحری راستہ سے کرمان چلا آیا، جب فارس کے حاکم مہلب بن ابی صفرہ کو خبر لگی تو اس نے عطیہ کے مقابلہ کے لیے فوج روانہ کی، عطیہ شکست کھا کر سجستان بھاگا، جب وہاں بھی پناہ نہ ملی تو سندھ کا رخ کیا، بالآخر مہلب کی فوجوں نے اس کو سندھ کے مشہور شہر قندابیل میں قتل کر ڈالا[1]، اور قندابیل اموی خلافت سے حسب سابق وابستہ رہا، اس کے بعد عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں یہاں کسی شورش کا پتہ نہیں چلتا، مگر ۱۵۰ھ کے حدود میں یہ علاقہ خلافت عباسیہ سے کٹ گیا، اور متعدد رؤسائے عرب نے اس پر قبضہ کر لیا، جن کو عباسی حاکم نے ختم کیا۔

قندابیل پر رؤسائے عرب کا قبضہ اور عمرو بن جمل کے ہاتھوں ان کا خاتمہ

خلیفہ ابو جعفر منصور (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) نے سندھ پر ہشام بن عمرو تغلبی کو مامور کیا، جس نے یہاں شاندار فتوحات کیں، نیز ہشام نے عمرو بن جمل کو بحری بیڑے کے ساتھ باربد (بھروچ) گجرات اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرف بھیجا، جس نے کشمیر اور ملتان وغیرہ فتح کیے اور سب سے اہم کام یہ کیا کہ قندابیل پر جن عرب خاندانوں نے غلبہ و ہجوم کے ذریعہ قبضہ کر رکھا تھا، ان کو وہاں سے نکال باہر کر کے اسے مرکزِ خلافت بغداد سے وابستہ کر دیا۔

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص ۱۴۷۔

بلاذری کا بیان ہے:

وکان بقندابیل متغلبة من العرب فأجلاهم عنها[1]

قندابیل پر کچھ عربوں نے غلبہ وقبضہ کر لیا، عمرو بن جمل نے ان سب کو وہاں سے نکال باہر کیا۔

اس کے بعد مدتوں قندابیل اور طوران کا پورا علاقہ خلافت عباسی کی عملداری میں رہا اور عباسی عمال وحکام یہاں کا انتظام کرتے رہے۔

قندابیل پر محمد بن خلیل کا قبضہ، اور عمران بن موسیٰ برمکی کے ہاتھوں اس کا خاتمہ

مگر خلیفہ معتصم (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) کے زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے یہاں کے حالات میں پھر ابتری سی پیدا ہوگئی اور محمد بن خلیل نامی ایک شخص نے قندابیل میں اپنی حکومت قائم کر لی جسے معتصم کی اجازت سے سندھ کے عباسی حاکم عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی نے نکال باہر کیا، اور اس کے ساتھیوں اور معاونوں کو گرفتار کر کے اپنے مرکز قصدار میں روانہ کیا، بلاذری نے لکھا ہے:

ثم أتی المنصورة، وصار منها إلی قندابیل وهی مدینة علی جبل وفیها متغلب یقال له محمد بن الخلیل فقاتله وفتحها، وحمل رؤساءها إلی قصدار[2]

عمران منصورہ سے ہو کر قندابیل گیا جو ایک پہاڑی پر واقع ہے، اس پر محمد بن خلیل نامی ایک شخص نے قبضہ رکھا تھا، عمران نے اس سے جنگ کر کے قندابیل کو فتح کیا اور وہاں کے سربرآوردہ لوگوں کو گرفتار کر کے قصدار بھیجا۔

قندابیل علاقۂ طوران میں نہایت اہم مقام تھا، اور ہر اقتدار پسند کی نظر اس کی طرف اٹھتی تھی، اگر کوئی عباسی حاکم طاقت ور آیا تو اس نے قندابیل وغیرہ پر قبضہ کر کے اسے بغداد سے وابستہ کر دیا یا اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، یا پھر کسی دوسرے طاقتور نے قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی، شاید اسی لیے قندابیل کو اقلیم سندھ کی ولایت بدھ

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۱۔ [2] ایضاً ص ۴۳۲۔

کا دارالسلطنت بھی بتایا گیا ہو اغلب ہے کہ قندابیل کا سرکاری تعلق پہلے بدھ کے علاقہ سے رہا ہوگا اور پھر سندھ میں شامل ہو گیا ہوگا۔

قندابیل سے محمد بن خلیل کے غلبہ وا قندار کے خاتمہ کے سیکڑوں سال بعد تک طوران کے علاقہ یا اس کے کسی شہر میں خروج و بغاوت کا پتہ نہیں چلتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ بن یحییٰ برمکی اور اس کے بیٹے عمران بن موسیٰ برمکی کی مجاہدانہ سرگرمی اور ملکی انتظام نے ان اطراف کو خلافت سے متعلق کر کے ان کو بالکل محفوظ بنا دیا تھا، ۲۲۶ھ میں سندھ کے عباسی عامل غسان بن عباد نے اپنی جگہ موسیٰ بن یحییٰ کو مقرر کیا تو موسیٰ نے سب سے پہلے راجہ پال کو زیر کیا جس نے غسان بن عباد کے مقابلہ میں سرکشی کی تھی، نیز موسیٰ نے دوسرے جنگی و ملکی کارنامے انجام دیئے اور اپنی حکومت کا اچھا نقش چھوڑا ۲۲۱ھ میں موسیٰ نے انتقال کیا، اور اپنی جگہ اپنے بیٹے عمران بن موسیٰ کو سندھ میں چھوڑا، خلیفہ معتصم باللہ نے عمران کو ولایت و حکومت کا پروانہ دیا، عمران نے سب سے پہلے قیقان دگیگان، (قلات) کے جاٹوں سے جنگ کر کے ان کو زیر کیا، اور بیضاء نامی ایک شہر آباد کر کے اسلامی فوجوں کے لیے اسے چھاؤنی بنایا، اور اس مرکز سے اطراف و جوانب کے سرکش علاقوں میں فوج کشی کی، پھر عمران، منصورہ ہوتا ہوا قندابیل پہنچا، جہاں سے محمد بن خلیل کو نکال باہر کیا، اس کے بعد ساحلی علاقوں سے سمندری ڈاکوؤں کا جن کو مید کہتے تھے قلع قمع کیا، اس معرکہ میں تین ہزار ڈاکو جان سے مارے گئے، نیز الور کے پاس دریا کے کنارے پڑاؤ ڈال کر وہاں کے جاٹوں سے جزیہ وصول کیا، اور حکم دیا کہ جب کوئی جاٹ ہمارے سامنے حاضر ہو تو اس کے پاس ایک کتا ہونا چاہیے، اس کے نتیجہ میں ایک ایک کتا پچاس پچاس درہم میں بکنے لگا۔ عمران نے الور کے اطراف سے فارغ ہو کر جاٹوں کی مدد سے دوبارہ بحری ڈاکوؤں سے جنگ کی، ان کو زیر کرنے کے لیے سمندر سے ایک نہر نکال کر ان کے میدانوں اور آبادیوں میں بہایا، جس سے ان کے پینے کا پانی کھاری ہو گیا اس طرح وہ مجبور ہو کر قابو میں آگئے[1]۔

[1] فتوح البلدان ص ۴۳۲۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عمران بن موسیٰ برمکی نے اپنی قابلیت وطاقت اور حسن تدبیر سے اس علاقہ کو سیکڑوں سال کے لیے بالکل محفوظ بنا دیا تھا، چنانچہ اس پوری مدت میں علاقہ طوران پوری طرح مرکزِ خلافت بغداد سے وابستہ رہا، مگر چوتھی صدی ہجری کے وسط میں پھر یہ علاقہ کمزور ہوگیا۔ اور اس پر طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا۔

مغیرہ بن احمد متغلب طوران

اس دور میں غلبہ واقتدار کی ابتدا ۳۴۰ھ کے حدود میں مغیرہ بن احمد نامی ایک شخص سے ہوتی ہے، جس نے اپنے اقتدار کو جائز قرار دینے کے لیے مرکز خلافت سے وابستگی رکھی اور طوران پر قبضہ کرکے خلیفہ کے نام کا خطبہ جاری کردیا، اصطخری (۳۴۰ھ) نے طوران کے دارالسلطنت قصدار کے بیان میں لکھا ہے:

والغالب علیھا رجل یعرف بمغیرۃ بن احمد، یخطب للخلیفۃ فقط، ومقامہ تعرف بکیز کافان[1]	قصدار پر ایک آدمی جو مغیرہ بن احمد کے نام سے مشہور ہے قابض ہے، وہ برائے نام خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے اور اس کا مستقر کیز کانان نامی مقام ہے۔

اصطخری کے معاصر ابن حوقل نے صورالارض میں غالباً اسی کو معین بن احمد لکھا ہے، اور یاقوت حموی نے قصدار کے بیان میں اصطخری کی مذکورہ بالا عبارت نقل ہے مگر اس میں معمر بن احمد ہے، اصطخری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مغیرہ بن احمد نے طوران میں خود اقتدار وغلبہ حاصل کیا تھا، اس کی حکومت موروثی اور خاندانی نہیں تھی، نیز وہ اس سے پہلے کسی خاص شہرت کا مالک نہیں تھا، اور اپنی حکومت میں بالکل خود مختار اور آزاد تھا، البتہ خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھ کر اپنے کو اس کا مطیع گردانتا تھا، اس نے طوران کے مرکزی شہر قندابیل اور قصدار سے الگ ایک تیسرے مقام کیز کانان کو اپنا مستقر بنایا جیسا کہ منصورہ ملتان اور مکران کے اکثر متغلب حکمران اپنی سلطنت کے مرکزی شہر سے ہٹ کر کسی چھوٹے مقام

---

[1] مسالک الممالک ص ۱۷۷۔

کو اپنا مستقر بناتے تھے، اور ملکی نظام کا تعلق مرکزی شہر سے رکھتے تھے، خلیفہ کے نام کا خطبہ اور مرکزِ خلافت سے وابستگی بتاتی ہے کہ مغیرہ بن احمد خارجی نہیں تھا، بلکہ اہل سنت والجماعت میں سے تھا۔

ابو القاسم بصری

مغیرہ بن احمد کے بعد طوران میں بصرہ کا ایک شخص ابو القاسم نامی حکمران ملتا ہے، جو حکومت کی صلاحیت سے یکسر محروم ہونے کے باوجود بادشاہ، قاضی اور فوجی افسر سب کچھ تھا، اس کا تذکرہ ابن حوقل (۳۵۸ھ) نے طوران کے بیان میں ان الفاظ میں لکھا ہے:

یحکم علیها رجل من اهل البصرة، اسمه ابو القاسم، وهو الحاکم والقاضی وامیر الجیوش، ومع هذا لا یفرق بین الثلاثة والعشرة۔[1]	طوران پر اہل بصرہ میں سے ایک شخص ابو القاسم نامی حکومت کرتا ہے؛ وہی حاکم بھی ہے، قاضی بھی ہے اور فوج کا امیر بھی ہے، اس کے باوجود اس کی جہالت کا حال یہ ہے کہ تین اور دس میں تمیز تک نہیں کر سکتا۔

ابن حوقل کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو القاسم بصری حاکم طوران کا مغیرہ بن احمد سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس نے بھی خود طوران پر اپنا اقتدار جما کر حکومت قائم کی تھی، اور انتہائی جاہل ہونے کے باوجود وہی سب کچھ تھا، اس کی حکومت میں کوئی دم نہیں تھا مگر چونکہ یہاں کے لوگ غیر متمدن تھے اور قبائلی زندگی بسر کرتے تھے اس لیے وہ اندھوں میں کانا راجہ تھا۔ ویسے کہنے کے لیے اس کی حکومت میں محکمۂ قضا بھی تھا، اس کی اپنی فوجیں بھی تھیں، ابو القاسم بصری اور اس کی حکومت کی مثال آج کل کے ان امراء و شیوخ کی تھی جو خلیج عرب اور مستعمرات عدن میں حکومت کرتے ہیں، ان کی اپنی فوج بھی ہے قلعہ بھی ہے، اور داخلی قوانین بھی ہیں، مگر درحقیقت ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے بلکہ بہت سے امراء و

[1] صورۃ الارض بحوالہ رجال السند والہند ص ۲۸۵۔

شیوخ کے بدن پر سیدھے کپڑے تک نہیں ہیں اور نہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے ہیں، بلکہ برطانوی استعمار نے ان کو سب کچھ بنا رکھا ہے،

ایک عادل و متواضع بادشاہ

مقدسی بشاری جس نے اپنی کتاب احسن التقاسیم ۳۷۵ھ میں لکھی ہے قزدار (قصدار) دارالسلطنت طوران کے بیان میں لکھتا ہے کہ اس شہر کے دو حصے ہیں، درمیان میں خشک وادی ہے، ایک حصہ میں دارالسلطان ہے اور اسی میں قلعہ ہے، اور یہیں بادشاہ بھی رہتا ہے جو عادل و متواضع ہے۔

وسلطانھم عادل، متواضع[1] اور یہاں کا بادشاہ عادل اور متواضع ہے۔

یہ بادشاہ ابوالقاسم بصری کے بعد تھا اور بہت ہی عادل اور متواضع تھا، اس کا قیام قزدار (قصدار) میں تھا جو طوران کا دارالسلطنت تھا، دور ثانی کے متغلبین میں پہلے حاکم مغیرہ بن احمد نے کیز کانان کو اپنا مرکز بنایا تھا، دوسرے حاکم ابوالقاسم بصری کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی اور تیسرے حکمران نے طوران کے قدیم دارالسلطنت قزدار کو اپنا مستقر بنا کر وہیں شاہی محل اور قلعہ بنایا، اور اس میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ امن و عافیت اور اطمینان و سکون سے گذرا اور اس نے باقاعدہ شاہی انداز میں حکومت کی،

ایک خلیفہ خارجی

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کا تعلق قزدار سے ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کے آخر میں قزدار پر کسی خارجی کی حکومت تھی، جو خوارج کا مذہبی پیشوا بھی تھا اور اس کے دور میں خوارج کو یہاں بڑی شان و شوکت حاصل تھی، یاقوت نے قاضی ابوعلی تنوخی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ قاضی ابوعلی سے مشہور معتزلی متکلم ابوالحسن بن لطیف نے بیان کیا ہے:۔

[1] احسن التقاسیم ص ۴۷۸۔

قال کنت مجتازاً بناحیة قزدار، مما یلی سجستان ومکران وکان یسکنها الخلیفة من الخوارج وھی بلدھم ودارھم الخ[1]

میں قزدار کے علاقہ سے گذر رہا تھا جو سجستان اور مکران سے ملا ہوا ہے، اس وقت قزدار میں خوارج کا خلیفہ مقیم تھا، اور قزدار خوارج کا وطن اور گھر تھا۔

قاضی ابوعلی تنوخی کا انتقال ۳۸۴ھ میں ہوا، اور ابوالحسن نے اس سے یہ واقعہ اس سے پہلے بیان کیا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خوارج کا خلیفہ چوتھی صدی کے آخر میں قزدار میں حکومت کرتا تھا، یہ پورا واقعہ دوسری جگہ آرہا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس کے دورِ حکومت میں طوران کے عام حالات نہایت اچھے تھے اور وہاں کے خوارج اپنے معتقدات واعمال پر شدت سے جمے ہوئے تھے، اس خلیفہ خارجی کے تذکرے کے موقع پر یہ واقعہ مناسب ہے کہ ۳۸۴ھ کے حدود میں امیر طغان نے بُست پر قبضہ کر لیا اور جب ایک دوسرے امیر ابوثور نے اس پر قبضہ کرنا چاہا تو امیر طغان نے سبکتگین کو مدد کے لیے پکارا اور اطاعت وباجگذاری کا وعدہ کیا، چنانچہ سبکتگین نے امیر طغان کی مدد کرکے بُست فتح کیا، اس کے بعد قصدار پر قبضہ کرکے یہاں کے بادشاہ کو سامانی بادشاہ کا مطیع وباجگذار بنایا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے،

وسار الی قصدار من ورائها فملکها وتقبض علی صاحبها، ثم اعاده الی ملکه علی مال یودیه وطاعة یبذلها[2]

سبکتگین وہاں سے قصدار کی طرف پیچھے سے آیا اور یہاں کے بادشاہ کو گرفتار کرکے ملک پر قبضہ کر لیا پھر اسے اس شرط پر حکومت دے دی کہ وہ ایک مخصوص رقم ادا کرتا رہے اور اطاعت گذار رہے۔

اس زمانہ میں سبکتگین ملوک سامانیہ کی طرف سے ہندوستان میں جنگ کر رہا تھا، چنانچہ اسی سال ۳۸۴ھ میں امیر نوح بن منصور سامانی نے سبکتگین کو ہندوستان سے بلاکر خراسان کا حاکم بنایا، قصدار پر سبکتگین کی یہ یورش ہو سکتا ہے کہ اسی خلیفہ خارجی کے

---

[1] معجم البلدان ج ۷، ص ۷۹۔ [2] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۳۶۰۔

دورِ حکومت میں ہوئی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی دوسرا حاکم رہا ہو۔

ایک ملک قصدار، معاصر سلطان محمود غزنوی

سبکتگین نے ۳۸۴ھ میں سامانی حکومت کی ماتحتی میں قصدار کے ایک حکمران سے خراج وصول کیا اور اس کو مطیع بنایا اور اس کے بیٹے سلطان محمود غزنوی نے اپنی سلطنت میں سنہ ۴۰۲ھ میں قصدار پر فوج کشی کر کے فتح پائی، اور وہاں کے سلطان کو اپنا مطیع اور باجگذار بنایا، ابن اثیر نے سنہ ۴۰۲ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس سال یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی نے قصدار اور اس کے بادشاہ پر فتح پائی، اس کا سبب یہ ہوا کہ قصدار کے بادشاہ نے خراج کی ایک خاص مقدار ادا کرنے پر سلطان محمود سے صلح کی تھی، مگر بعد میں اس دھوکہ میں پڑ کر کہ اس کا ملک بہت محفوظ ہے اور اس کا راستہ پہاڑی اور تنگ ہے خراج کی ادائیگی بند کر دی اور ساتھ ہی سلطان محمود کے مقابلہ میں ایلک خاں سے پناہ چاہی، چونکہ ایلک خان ماوراء النہر کے بادشاہ سلطان محمود کا خسر تھا، اس لیے وہ ایلک خان کے علاقہ سے نہ گذرنے کے خیال سے قزدار پر حملہ کرنے سے باز رہ جاتا تھا، مگر جب سلطان محمود اور ایلک خان میں اَن بَن ہو گئی تو اس نے قزدار کے سلطان کی سرکوبی کا مصمم ارادہ کر لیا اور تیاری کر کے ظاہر کیا کہ وہ ہرات کے ارادے سے نکلنے والا ہے، اس طرح وہ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۰۲ھ میں قزدار کی طرف بڑھا، اپنی فوج کے ساتھ راستے ہی میں تھا۔ کہ قزدار کے بادشاہ کو اس کی آمد کی خبر لگ گئی، مگر اس کا کچھ بس نہ چل سکا اور راتوں رات سلطان کی فوجوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا، مجبوراً اس نے سلطان محمود سے امان چاہی، سلطان نے امان دیدی، اور خراج کی جس قدر رقم اس کے یہاں باقی تھی، سب کو وصول کیا، اس کے بعد سلطان قزدار کو حسب سابق حکومت دے کر غزنین واپس چلا آیا۔[1]

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۷۸۔

اس کے بعد ہمیں پھر طوران و قصدار کے کسی حکمران کا نام و نشان نہ مل سکا، البتہ ۵۷۱ھ میں غیاث الدین غوری کے ہاتھوں طوران کی حکومت کے خاتمہ کا حال ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اس ستر سالہ مدت میں یہاں اور بھی حکمران گذرے ہوں گے مگر افسوس کہ ہم ان کے نام تک سے واقف نہیں۔

طوران سے دولتِ متغلبہ کا غیاث الدین غوری کے ہاتھوں ۵۷۱ھ میں خاتمہ

مکران کی دولت معدانیہ کے بیان میں ہم بتا چکے ہیں کہ غوری سلطنت کے پُر شکوہ حکمران ابوالفتح غیاث الدین غوری نے مکران اور طوران کی حکومتوں کا خاتمہ کیا، مگر ابن خلدون نے مکران کے بجائے کرمان لکھ کر اس کی بے جوڑ توجیہ کی ہے ورنہ درحقیقت وہ مکران ہی ہے اسی طرح ابن خلدون نے طوران کو شنوران اور سنوران لکھا ہے حالانکہ وہ بھی طوران ہی ہے جسے فارسی میں توران بھی لکھا اور کہا جاتا ہے، شنوران کوئی ملک اور علاقہ نہیں ہے، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ۵۷۱ھ میں غیاث الدین غوری، خلجی اور خراسانی فوجوں کو لے کر پہلے غزنین گیا اور وہاں سے کامیاب ہو کر کرمان و شنوران (مکران و طوران) پر قبضہ کیا، یہ کرمان غزنین اور ہندوستان کے درمیان واقع ہے، اور یہ مشہور ملک کرمان نہیں ہے، پھر غیاث الدین یہاں سے لاہور گیا۔[1]

مقبوضۂ ایل

مکران میں جس طرح حکومت در حکومت تھی اور اس کے علاقہ مشکی میں مطہر بن رجا نامی ایک مستقل حکمران حکومت کرتا تھا، اسی طرح طوران میں ایک علاقۂ ایل تھا جس کا حکمران کوئی ایل نامی شخص تھا جس کے نام سے یہ جاگیر یا پھر حکومت مشہور تھی، اصطخری نے لکھا ہے،

ایل اسم رجل تغلب علی ھذہ الکورۃ فنسبت الیہ۔[2]

ایک شخص ایل ہے جو اس علاقہ پر غالب آگیا تھا اور یہ علاقہ اسی کے نام سے ایل مشہور ہے۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۳۹۹۔ [2] مسالک الممالک ص ۱۷۸۔

علاقہ ایل میں مسلمانوں اور بدھوں کی آبادی تھی، کھیتی باڑی بہت کم تھی، آبپاشی کے بغیر ہونیوالی پیداوار کی کاشت ہوتی تھی، ویسے مجموعی طور سے یہ پورا علاقہ سرسبز و شاداب تھا، یہاں انگور بھی پیدا ہوتا تھا اور مویشی بھی پائے جاتے تھے، معلوم نہیں یہ ایل کون شخص تھا؟ بظاہر یہ ماوراء النہر کا حکمران ایلک خان معلوم ہوتا ہے، جس کی قصدار کے ایک حاکم سے دوستی تھی اور جب اس نے سلطان محمود غزنوی سے سرکشی کی تو اسی پر اعتماد کیا تھا اور سلطان اس کے مقبوضہ علاقہ سے گذرنا نہیں چاہتا تھا کہ قصدار کے سرکش حکمران کے خلاف تادیبی کارروائی کرے، مگر جب ایلک خان اور سلطان محمود میں ناچاقی ہوگئی تو سلطان نے اس پر حملہ کیا۔[1]

امرائے طوران کا نظامِ حکومت

طوران کے امراء و سلاطین کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شروع سے آخر تک ان کے یہاں نہ کوئی ذمہ دار حکومت تھی اور نہ کوئی باقاعدہ حکمران تھا، بلکہ اس دشوار گذار علاقہ میں جس شخص کا بس چلتا تھا اپنی حکومت قائم کرلیتا تھا، اور چونکہ یہ علاقہ نہایت غیر متمدن اور یہاں کے باشندے عموماً خوارج تھے، جن کے نزدیک فتنہ و فساد اور خروج و بغاوت گناہ کبیرہ اور موجب کفر ہے، اس لیے وہ کسی حکمران اور متغلب سے تعرض نہیں کرتے تھے، بلکہ ہر دور میں خاموش رہتے تھے، اس صورتِ حال نے طوران میں کوئی باقاعدہ، منظم، اور ذمہ دار حکومت نہ بننے دی۔

یہاں کے متغلبین کے دو دور ہیں، ایک وہ جس میں رؤسائے عرب قندابیل پر قابض ہوگئے تھے جن کو عمران بن موسیٰ برمکی نے ختم کیا اور ان کے بعد محمد بن خلیل نے قبضہ کرکے اپنی حکومت کھڑی کی، اس دور کے بعد سینکڑوں سال تک علاقہ طوران میں کوئی فتنہ برپا نہیں ہوا، بلکہ یہ علاقہ براہِ راست خلافتِ عباسیہ سے

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۶۵۔

مربوط و متعلق رہا۔

اس کے بعد دوسرا دور مغیرہ بن احمد کے اقتدار سے سنہ ۳۴۰ھ کے حدود میں شروع ہوا، جو ۴۷۱ھ میں سلطان غیاث الدین غوری کے حملہ پر ختم ہوا، یہ تقریباً ایک سو تیس سالہ دور مختلف افراد کی حکمرانی میں گذرا یہاں نہ موروثی اور خاندانی حکومت بن سکی، اور نہ کوئی باقاعدہ نظام حکومت جاری ہو سکا، اس دور کے پہلے حکمران مغیرہ بن احمد نے برائے نام عباسی خلیفہ سے تعلق رکھ کر اس کا خطبہ پڑھا، مگر دوسرے حکمرانوں میں یہ بات بھی نہیں پائی جاتی، بلکہ ان میں سے بعض امیر سبکتگین کے ذریعہ خراسان کی سامانی حکومت کے باجگذار بنے، پھر غزنوی سلطنت میں سلطان محمود کے ماتحت و مطیع رہے حتیٰ کہ غزنوی سلطنت کے کھنڈر پر جب غوری حکومت بنی تو طوران سے یہ دور بھی ختم ہو گیا، اور یہ علاقہ دولت غوریہ کا ایک حصّہ بن گیا۔

ان حالات میں مملکت طوران کے اندر کسی قابلِ ذکر ترقی کا پتہ نہیں چلتا، نہ حکمرانوں نے کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا اور نہ عوام میں خیر و خوبی پیدا ہو سکی، حتیٰ کہ دینی و علمی میدان میں بھی کوئی خاص سرگرمی نظر نہیں آتی، حالانکہ یہ دور اسلامی علوم و فنون کا دور بہار تھا اور مسلمانوں کی بستیاں علم اور اہل علم کے وجود سے معمور تھیں، البتہ پانچویں صدی میں جبکہ یہ دور ہجوم و تغلب ختم ہوا۔ یا کمزور پڑا تو یہاں سے بھی سندھ کے دوسرے علاقوں کی طرح اچھے اچھے فضلائے روزگار اٹھے اور قصدار کی سرزمین نے اپنے جواہر اگلے، چونکہ یہ علاقہ خوارج کا تھا، اس لیے یہاں کے حکمران بھی خارجی تھے، اِلّا یہ کہ ان میں سے کسی کے خارجی نہ ہونے کی صریح دلیل مل سکے،

حُدودِ سلطنت مشہور مقامات اور عام حالات

عرب جغرافیہ نویسوں اور سیّاحوں کے بیان کے مطابق سندھ کا پہلا صوبہ کرمان سے

متصل مکران تھا، اس کے بعد طوران (توران) پڑتا تھا، پھر سندھ خاص اور ملتان وغیرہ تھے طوران کے مغرب میں کرمان کا ملک اور سجستان کا ریگستانی علاقہ تھا، مشرق میں بحر فارس، شمال میں بلاد ہند اور جنوب میں مکران اور بلوچستان کا درمیانی صحرا واقع تھا، یہ حدود واقع میں ہوں یا نہ ہوں، باہر کے سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے اپنے علم و معلومات کی بنا پر یہی لکھا ہے، اصطخری کے بیان کے مطابق صوبہ طوران میں حسب ذیل شہر اور مقامات تھے، محالی، کیز، کانان، سورہ اور قصدار[1]۔ اور مقدسی نے یہ مقامات اور شہر بتائے ہیں، دارالسلطنت قزدار، (قصدار) قندابیل، بجشرو، جشرد (کشرد) بکانان، خوزی، رستاکہن، رستاق روذ، موردان، رستاق، ماسکان اور کہرکور[2]۔ ان میں سے بعض مرکزی اور مشہور مقامات کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ ان کے ضمن میں مملکتِ طوران کے عام حالات پر بھی روشنی پڑ سکے۔

قُصدار، یا قزدار

یہ طوران کا قدیم دارالسلطنت اور مرکزی شہر تھا، اسے قصدار اور قزدار دونوں لکھتے ہیں، حضرت معاویہ رضؓ کے زمانہ میں سنان بن سلمہ بن مُحبق ہُذلیؒ نے فتح کیا تھا، مگر ان کی وفات کے بعد مقامی باشندوں نے بغاوت کی جسے منذر بن جارود عبدی نے آکر فرو کیا،

قُصدار بہت معمولی شہر تھا، اس کا محل وقوع بھی کچھ زیادہ مناسب نہیں تھا، ابن حوقل نے بیان کیا ہے کہ قزدار گاؤں کے مانند ایک چھوٹا سا قلعہ ہے، جسکی وسعت بہت کم ہے اور اطراف میں چھوٹے چھوٹے باغات ہیں۔

مقدسی نے لکھا ہے کہ قزدار طوران کا مرکزی مقام ہے جو صحرا میں یوں آباد ہے کہ بیچ شہر میں ایک خشک وادی واقع ہے جس پر پل بھی نہیں ہے، وادی کی وجہ سے آبادی دو حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ میں شاہی محل، اور قلعہ ہے اور دوسرے حصہ

---

[1] مسالک الممالک ص ۱۰۰۔ [2] احسن التقاسیم ص ۱۷۶۔

کو بودین کہتے ہیں، اس میں تاجروں کے مکانات اور ان کے تجارتی سامان ہیں، یہ حصہ کشادہ اور صاف ستھرا ہے، قزدار چھوٹا ہونے کے باوجود نفع بخش شہر ہے، یہاں خراسان، فارس، کرمان اور بلادِ ہند سے تاجر وغیرہ آتے ہیں، پانی خراب ہے جس کے پینے سے شکم میں ثقل پیدا ہو جاتا ہے، یہاں کا سلطان عادل اور متواضع ہے، قزدار سے متعلق جو شہر اور آبادیاں ہیں ان میں پینے کے لیے پانی کنوؤں سے حاصل کیا جاتا ہے، اِدھر کی تمام بستیاں صحراؤں میں ہیں، البتہ کنزدار اور کیز کانان میں نہریں اور ندیاں ہیں، ان ہی سے لوگ پانی پیتے ہیں بلکہ کنزد میں کنویں اور کھیتیاں بھی ہیں، ان دونوں مقامات کی پیداوار کا دارومدار برسات پر ہے، پورا علاقہ طوران گرم ہے، البتہ کنزد سرد ہے، بلکہ بسا اوقات یہاں برف گرتی ہے[1]

قصدار کی مسافت مکران کی ساحلی پٹی سے تیز تک بارہ مرحلہ ہے، یہ منصورہ سے اسّی فرسخ، مشکی سے پچاس فرسخ، اور قندابیل سے پانچ فرسخ ہے۔

قندابیل یا قندبیل قندابیل بہت بڑا شہر تھا، خشک علاقہ ..... میں واقع ہونے کی وجہ سے یہاں باغات نہیں تھے، بعض سیاحوں نے اسے صوبہ بدھ کا دارالسلطنت بتایا ہے۔ مگر مقدسی نے اسے طوران کے شہروں میں شمار کیا ہے۔ بلکہ ابوالفداء نے تقویم البلدان میں قندابیل کو طوران کا دارالسلطنت بتایا ہے، بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی زمانہ میں اس کا تعلق علاقہ بدھ سے تھا، مگر بعد میں یہ طوران سے متعلق ہو گیا، ابتداء ہی سے یہ مقام خوارج کی سرگرمیوں کا مرکز تھا، اور اسے مرکزیت حاصل تھی، جیسا کہ گذر چکا ہے۔

ایل کیز کانان اور قندابیل کے درمیان ایک علاقہ تھا جسے ایل کہتے تھے، ایل نامی ایک شخص اس علاقہ پر قابض ہو گیا تھا، یہ اسی کے نام سے منسوب تھا، اس میں مسلمانوں اور بدھوں کی ملی جلی آبادیاں تھیں، کھیتی باڑی کم تھی، پیداوار کا دارومدار

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۷۸۔

برسات پر تھا، یہاں شادابی بھی تھی، میووں میں انگور پیدا ہوتا تھا اور مویشی بھی تھے۔

کیز کانان اسی مقام میں دوسرے دور کا پہلا حکمران مغیرہ ابن احمد مستقل قیام کرتا تھا، یہ پورا علاقہ سرسبز و شاداب تھا، اشیاء کی قیمتوں میں ارزانی تھی، انگور، انار اور سرد موسم کے عام میوہ جات ہوتے تھے، البتہ کھجور کے درخت اور باغات نہیں تھے، پینے کا پانی کنوؤں سے لیا جاتا تھا، بعض ندیاں بھی تھیں، جن سے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔

جرشد، یا کرشد یہاں بھی کنویں اور ندیاں تھیں، طوران کا یہ علاقہ خشک و گرم تھا مگر یہاں اچھی خاصی سردی پڑتی تھی، بسا اوقات برف باری ہوتی اور پانی جم جاتا تھا کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی،

رستاق ماسکان مقدسی نے اسے طوران کی مملکت میں شمار کیا ہے، یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مکران کے نواح میں مشہور شہر ہے، اور شاید سجستان سے زیادہ قریب ہے۔

فانید یہاں کی بنی ہوئی مٹھائی ہر جگہ سے بہتر ہوتی ہے اور دنیا بھر کو جاتی ہے جو فانید ماسکانی کے نام سے مشہور ہے،

ولا یوجد الفانید بغیر مکان إلا بھذا الموضع وقلیل منہ بناحیۃ قُصدار، والیہ ینسب الفانید الماسکانی، وھو اجود انواعہ والفانید نوع من السکر، لا یوجد الا بمکران، ومنھا یحمل الی سائر البلدان[1]

مٹھائی، اسی جگہ پائی جاتی ہے اور تھوڑی بہت قصدار کے اطراف میں بھی بنتی ہے، ماسکان کی ہی طرف فانید ماسکانی منسوب ہے، جو سب سے بہتر قسم کی ہوتی ہے، فانید مٹھائی کی ایک قسم ہے جو صرف مکران میں پائی جاتی ہے، اور یہیں سے تمام شہروں میں جاتی ہے۔

---

[1] معجم البلدان ج ۷ ص ۳۷۵۔

فانید فارسی کے لفظ پانید کا معرب ہے، یہ ایک قسم کی مٹھائی کا نام ہے جو شکر جو کے نشاستہ اور ترنجبین سے بنائی جاتی تھی "کتاب الفاظ الفارسیہ المعربہ" میں ہے:

الفانید" معرب پانید" وھو نوع من الحلواء یصنع من السکر ودقیق الشعیر والترنجبین[۱]	فانید "پانید" کا معرب ہے یہ مٹھائی کی ایک قسم ہے جو شکر، جو کے آٹے اور ترنجبین سے بنائی جاتی ہے۔

آج بھی مکران سے متصل عرب علاقہ مسقط میں معمولی تبدیلی کے ساتھ یہ حلوہ بنایا جاتا ہے، بمبئی کا بادامی حلوہ بھی بڑی حد تک فانید سے ملتا جلتا ہے۔

اسی طرح بکانان، خوزی، رستاکہن، رستاق روذ، موروان، اور کہرکور وغیرہ اہم اور مشہور مقامات تھے، جن کا تعلق مملکت طوران سے تھا، مگر ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے، ان مقامات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مملکت بھی وسیع وعریض تھی،

طبعی حالات اور پیداوار

صوبہ طوران مجموعی اعتبار سے خشک وگرم تھا، اور یہاں کی زمین پہاڑی اور ریگستانی تھی، مکانات عام طور پر مٹی کے تھے، پانی کی تکلیف تھی، دریا اور ندیاں بہت کم تھیں، البتہ قزدار، کزدار اور کیزکانان، سرسبز وشاداب تھے، مقدسی نے قصدار کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ شہر سرسبز و شاداب ہے، قیمتیں سستی ہیں، یہاں انگور پیدا ہوتا ہے، اور مختلف موسموں کی چیزیں ہیں، البتہ نخلستان نہیں ہے، کزدار اور کیزکانان میں ندی ہے، کزدر میں کنویں اور کھیت ہیں، کھیتی باڑی برسات کے پانی پر ہوتی ہے، باوجودیکہ پورا علاقہ طوران خشک وگرم ہے مگر کزدر بہت ٹھنڈا ہے، اصطخری نے کیزکانان کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے اطراف وجوانب سرسبز وشاداب ہیں، ارزانی خوب ہے، انگور، انار اور ہر قسم کے سرد موسم کے میوے پائے جاتے ہیں، گنے کے کھیت ہیں اور فانید یہاں جیسی کسی جگہ نہیں بنتی۔

---

[۱] کتاب الالفاظ الفارسیۃ المعربۃ، تالیف ادی شیر رئیس اساقفہ معرد الکلدانی ص ۱۲۱ طبع بیروت ۱۹۰۸ء۔

تجارت و ارزانی اور خوشحالی

طوران کا علاقہ اگرچہ پہاڑی اور صحرائی تھا، لیکن تجارت کا مرکز تھا، چنانچہ شہر قصدار کا ایک حصہ جو بودین کے نام سے مشہور تھا، تجارتی کاروبار کا مرکز تھا۔ یہاں کی تجارت بہت نفع بخش تھی، تاجروں کے مستقل مکانات، مال گودام اور سامانِ تجارت تھے، خراسان، ایران، کرمان اور ہندوستان کے تاجر اور سوداگر اپنے کاروبار کے سلسلے میں یہاں آتے جاتے اور قیام کرتے تھے حالانکہ یہاں پانی کی عام شکایت تھی، اس کے باوجود غیر ملکی تاجر آتے جاتے تھے، کیونکہ یہاں کی تجارت بہت نفع بخش تھی۔

پورے علاقہ میں عام طور سے ارزانی تھی، اور ہر قسم کی چیزیں سستے داموں ملتی تھیں یہاں کی برآمدی اشیاء میں فانید مٹھائی نہایت عمدہ اور مشہور تھی، اور دوسرے ممالک کو جاتی تھی، اس علاقہ میں پیداوار کی کمی کے باوجود چیزوں کی کثرت اور ارزانی کا حال یہ تھا کہ عام حالات میں ایک کیجی یعنی چالیس سیر گیہوں چار درہم سے آٹھ درہم میں ملتا تھا یہاں پر مکّی سیر کا رواج تھا، ایک اور پیمانہ رائج تھا جسے کیجی کہتے تھے اس میں چالیس سیر گیہوں آتا تھا۔

تجارتی اشیاء پر محصول

طوران کی حکومت نے اپنے یہاں کے درآمدی برآمدی سامان تجارت پر محصول عائد کیا تھا، جب باہر سے کوئی مال آتا، یا باہر جاتا تو ایک بار (گانٹھ) پر چھ درہم وصول کیا جاتا تھا، ایک غلام پر صرف داخلے کے وقت بارہ درہم لیے جاتے تھے، اگر کوئی مال ہندوستان سے آتا تو ایک بوجھ پر بیس درہم محصول ہوتا تھا اور اگر سندھ کے اطراف سے تجارتی سامان طوران میں داخل ہوتا تھا تو اس کی قیمت کے حساب سے محصول لگتا تھا، چمڑے پر فی عدد ایک درہم محصول تھا اور ان محصولوں اور ٹیکسوں سے وہاں کی حکومت کو سالانہ دس لاکھ درہم کی آمدنی ہوتی تھی، مقدسی نے لکھا ہے،

دخل ذٰلك فى كل سنة ألف ألف   اس طرح کل آمدنی ہر سال دس لاکھ درہم ہوتی تھی،

درھمٍ، یاخذہ علی تاویل العشور[1] جسے سلطان عشر کے نام پر وصول کرتا تھا۔

مقدسی کا یہ بیان ۳۷۵ھ سے پہلے کا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہاں پر نہایت منظم اور باقاعدہ حکومت تھی۔

آبادی، طرز زندگی اور لباس

مکران کی طرح علاقۂ طوران میں بھی خارجی مسلمانوں کی آبادی تھی، اور وہی یہاں کی مسلم آبادی پر غالب تھے غیر مسلموں میں عام طور سے بدھ تھے، آبادیوں کے باشندے کچھ زیادہ مہذب و متمدن نہیں تھے اور ریگستانوں کی آبادی وحشی طرز زندگی بسر کرتی تھی، پھوس کے جھونپڑوں میں رہ کر صید و شکار کرتی تھی، مسلمانوں اور ہندوؤں وغیرہ کے لباس میں کوئی فرق نہیں تھا، اصطخری نے لکھا ہے:

وزیّ المسلمین والکفار بھا واحد فی اللباس وارسال الشعر، ولباسھم الازار والمیازر، لشدۃ الحر ببلدانھم[2]	طوران کے مسلمانوں اور کافروں کا لباس اور سر کے بال بڑھانے اور لٹکانے کا طریقہ ایک ہی قسم کا تھا ان کا عام لباس چادر اور تہبند تھا، کیونکہ ان کے یہاں گرمی بڑی سخت ہوتی ہے۔

یہاں کی زبان کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکران کی طرح یہاں بھی مقامی زبان کے علاوہ بلوچی اور فارسی سمجھی جاتی تھی اور عربی کا رواج نہیں تھا، ورنہ اس کی تصریح ملتی جیسا کہ ملتان و منصورہ کے بارے میں ملتی ہے، نیز یہاں کی زبان وحشی اور غیر فصیح تھی۔

دینی اور اخلاقی حالت

پورے علاقۂ طوران میں خوارج کا غلبہ و قبضہ تھا اور عام طور سے حکمران خارجی ہوا کرتے تھے، ان کے خاص خاص معتقدات کی بنا پر عوام اور حکمران دونوں طبقوں میں مذہبی تشقف و تصلب پایا جاتا

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۴ تا ص ۴۸۵۔ [2] مسالک الممالک ص ۱۷۷۔

تھا، اس کے باوجود یہاں امن واماں تھا اور دینی واخلاقی قدریں پورے علاقہ میں موجود تھیں، ذیل کا ایک واقعہ ان باتوں کو اچھی طرح واضح کر رہا ہے اور اس میں پورے علاقہ کی آئینہ داری ہے،

قاضی ابو علی تنوخی کا بیان

قاضی ابو علی تنوخی متوفی ۳۸۴ھ نے لکھا ہے کہ فرقہ ہاشمیہ کے معتزلی متکلم وفلسفی ابو الحسن بن لطیف نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ قزدار کے علاقہ سے گذر رہا تھا جس میں خوارج کا خلیفہ مقیم تھا، اور قزدار خوارج کا وطن اور شہر ہے میں نے ایک گاؤں میں ایک بوڑھے درزی کو دیکھا جو ایک مسجد میں تھا، میں نے اس کو اپنے کپڑوں کی ایک گٹھری دی اور کہا کہ اسے حفاظت سے رکھدو، اس نے مجھ سے کہا کہ مسجد کے محراب میں رکھدو، میں رکھ کر باہر تربوز کے ایک کھیت میں چلا گیا، ان دنوں میری صحت ٹھیک نہیں تھی، میں نے کھیت سے ایک تربوز خرید کر کھایا، جس سے فوراً بخار میں مبتلا ہو گیا اور رات بھر اسی کھیت میں پڑا رہا، اس درمیان میں کسی آدمی نے مجھ سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔ جب طبیعت سنبھلی اور دوسرے دن مسجد میں آیا تو دیکھا کہ دروازہ کھلا اور درزی غائب ہے اور کپڑوں کی گٹھری اسی طرح محراب میں پڑی ہے، میں نے سوچا کہ درزی کس قدر جاہل ہے کہ میرے کپڑے اسی جگہ چھوڑ کر چلا گیا، پھر خیال آیا کہ رات کو اپنے ساتھ لیتا گیا ہوگا اور پھر صبح کو لاکر رکھ گیا ہوگا، ابھی میں اپنے سامان کی جانچ پڑتال کر ہی رہا تھا کہ درزی آگیا، میں نے کہا تم میرے کپڑے یہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے؟ اس نے پوچھا کیا کوئی چیز گم ہو گئی ہے، میں نے کہا نہیں: اس نے کہا تم نے یہ کیوں پوچھا؟ میں نے کہا کوئی خاص بات نہیں ہے، میں یوں ہی دریافت کر رہا تھا، درزی نے کہا کہ میں ان کپڑوں کو رات یہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا، اس پر میں اس سے الجھتا رہا اور وہ ہنسی میں ٹالتا رہا، پھر اس نے کہا کہ تم لوگوں نے گندی باتوں اور گرے اخلاق کی عادت ڈال رکھی ہے، تم لوگوں کی نشوونما بلاد کفر میں ہوئی ہے جہاں

چوری اور خیانت کی وبا عام ہے، ہم اپنے یہاں ان باتوں کو جانتے تک نہیں، اگر تمہارا کپڑا یہاں پڑا پڑا پرانا ہو جاتا، تب بھی اسے کوئی نہیں پوچھتا، اگر تم مشرق و مغرب کا چکر کاٹ کر آؤ تب بھی یہ کپڑا اسی محراب میں ملے گا، ہم لوگ چوری اور فتنہ و فساد نہیں جانتے اور نہ تمہارے یہاں کی طرح ہمارے یہاں برائیاں پائی جاتی ہیں، کئی کئی سال کے بعد جب اس قسم کی کوئی بات ہو جاتی ہے تو ہم اسے کسی اجنبی اور پردیسی کی حرکت سمجھتے ہیں اور جب ہم اس کی جستجو میں لگ جاتے ہیں تو اسے پکڑ کر قتل کر دیتے ہیں، اور اس کے جواز و تاویل کے لیے اس پر کفر کا حکم لگاتے ہیں، یا فتنہ و فساد کرنے والا قرار دیتے ہیں، (خوارج کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے اور چوری اور فساد گناہِ کبیرہ ہے) ورنہ اپنے مسلک کے مطابق اس کا ہاتھ کہنی سے کاٹ دیتے ہیں اسی وجہ سے تم کو ہمارے ملک میں کوئی برائی نظر نہیں آئے گی، ابوالحسن بن لطیف کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد میں نے مختلف طریقوں سے قصدار کے لوگوں کے حالات معلوم کیے تو واقعی درزی کی بات بالکل صحیح نکلی یہاں تک کہ لوگ راتوں کو گھروں کے دروازے تک بند نہیں کرتے، اور بہت سے مکانات میں تو دروازے ہی نہیں لگے ہیں، البتہ کتے، بکری وغیرہ سے حفاظت کے لیے کوئی ترکیب کرلی جاتی ہے۔[1]

اس قصے سے طوران کے امن و امان، اخلاق و عادات اور عوام کے دینی حالات پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے،

دینی علوم اور علماء طوران کے پورے دور طوائف الملوکی میں کسی قسم کی علمی اور تعلیمی سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا، چونکہ یہاں شروع ہی سے خارجی مسلمان آباد تھے اس لیے ان کے عقیدے کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہوتا رہا، اور جرائم و معاصی پر کڑی نظر رہی، جس کی وجہ سے عوام کی دینی حالت

[1] معجم البلدان ج ۷، ص ۷۹،

نسبتاً اچھی تھی، مگر اس دور میں نہ کسی درسگاہ کا پتہ چلتا ہے اور نہ کسی عالم کا حال ملتا ہے البتہ اس کے بعد جب ۵۷۱ھ میں غیاث الدین غوری کا زمانہ آیا تو علم اور اہل علم کے نام ونشان کثرت سے ملنے لگے۔ پھر بھی یہ دور علم اور اہلِ علم سے خالی نہیں تھا، اور متعدد علماء، فضلاء یہاں گذرے ہیں۔

رابعہ بنت کعب قزداریہ

رابعہ بنت کعب قزداریہ دولت متغلبہ طوران کے مفاخر و محاسن میں ہے، یہ خاتون شاعرہ تھی اور عربی و فارسی میں اشعار کہتی تھی، ابن حوقل نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ چوتھی صدی ہجری میں گذری ہے،

ابو محمد جعفر بن خطاب قصداری بلخیؒ

حضرت امام ابو محمد جعفر بن خطاب قصداری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد بزرگ تھے، ان کا مولد و منشا قصدار تھا، مگر بعد میں مستقل قیام خراسان کے شہر بلخ میں اختیار کر لیا تھا، ان کے شیوخ حدیث میں ابوالفضل عبدالصمد بن محمد بن نصیر عاصمیؒ، اور تلامذہ میں ابوالفتوح عبدالغافر بن حسین بن علی کاشغریؒ ہیں جو کہ حافظ حدیث اور بڑے باشعور عالم دین تھے، امام ابو محمد قصداری کا زمانہ پانچویں صدی یا اس سے کچھ پہلے کا تھا، علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

ابوداؤد سیبویہ بن اسمٰعیل قزداری مکیؒ

حضرت امام ابوداؤد سیبویہ بن اسمٰعیل بن داؤد بن ابی داؤد واحدی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایہ کے محدث تھے، انہوں نے قصدار سے نکل کر مکہ مکرمہ کی سکونت اختیار کی

[1] بحوالہ رجال السند والہند ص ۵۹

مجاورت اختیار کی اور وہیں حدیث کا درس دینا شروع کیا، حدیث کا سماع ابوالقاسم علی بن محمد بن عبد اللہ بن یحییٰ طاہر حسینی، اور ابوالفتح رجاء بن عبد الواحد اصبہانی اور حافظ ابوالحسین یحییٰ بن ابی الحسن رقاسی جیسے فضلائے زمانہ سے کیا تھا، ۵۶۶ھ میں یا اس کے بعد مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا، علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں آپ کا تذکرہ کیا ہے[1]

---

[1] بحوالہ رجال السند والہند ص ۱۵۳

عمومی تبصرہ وتجزیہ

ہندوستان اور سندھ کا تعلق مرکز خلافت سے قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے، یہاں کے اچھے دل ودماغ نے عباسی دورِ خلافت میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں اور اپنے غلبہ واقتدار کے تصور سے الگ ہو کر خلفاء کا ساتھ پوری وفاداری اور ذمہ داری سے دیا ہے، چنانچہ سندی بن شاہک مولیٰ خلیفہ ابو جعفر منصور جس کا نام محمد ہے اور اپنی ماں شاہک کی نسبت سے سندی بن شاہک مشہور ہے، اس نے خلیفہ ابو جعفر منصور کی حکومت وسیاست میں نہایت شاندار اور اہم کارنامے انجام دیئے اس کے افرادِ خاندان نے بھی عباسی دور میں بڑے بڑے عہدوں پر رہ کر نظام حکومت سنبھالا، اس کا بھتیجا ابو طوطہ ابراہیم بن عبد السلام سندھی خلیفہ مہدی کے دور میں ملکی انتظام میں بہت زیادہ دخیل تھا اس کے ذمہ بہت سے اہم کام تھے۔ اسی طرح اس کا دوسرا بھتیجا ابراہیم بن عبد اللہ سندی خلیفہ مامون کے دور میں اہم عہدوں پر متمکن ہو کر خلافت کے در وبست میں شریک تھا، عہد مامونی میں خیار بن یحییٰ سندی سرکاری عہدے پر فائز رہ کر اپنی قابلیت سے بڑے بڑے کام لے رہا تھا، سندی بن یحییٰ حرشی ہارون رشید کے زمانہ میں واسط اور اس کے اطراف کا حاکم و والی تھا اور نہایت ہی معتمد افسروں میں شمار ہوتا تھا، خلیفہ واثق کے دور میں سندی مولیٰ حسین الخادم جلیل القدر منصب پر تھا اور نہایت اچھے طریقے پر ملکی انتظام کرتا تھا، سندی بن شاہک

کا ایک بیٹا ابراہیم بن سندی اپنے زمانہ کا سب سے بڑا خطیب و بلیغ فلسفی و متکلم اور طبیب و منجم تھا، جاحظ نے اس کے اوصاف و کمالات کے بیان میں بڑا زور خرچ کیا ہے، اور دوسرا بیٹا نصر بن سندی بن شاہک ہارون الرشید کے زمانہ میں جیل کا داروغہ، بغداد کے پل کا نگراں اور دوسرے اہم عہدوں پر تھا، اور اپنی قابلیت سے خلافت کا پورا پورا ساتھ دیتا تھا، ابوحارثہ ہندی خلیفہ مہدی کے زمانہ میں خلافت کے بیت المال اور خزانہ کا کلید بردار اور محافظ و محاسب تھا اور اپنے منصب میں بڑی قابلیت سے ذمہ دارانہ خدمات انجام دیتا تھا۔

عباسی دور میں سندھ کے ان حکمرانوں نے خلافت کی پوری خدمت اور مدد کی، اور وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے کبھی اپنے غلبہ و اقتدار کی خواہش نہیں کی، جبکہ ان ہی ایام میں جگہ جگہ عباسی عُمّال و حکّام اپنی طاقت کے ذریعہ قسمت آزمائی کرتے تھے، اور صوبوں میں اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے کے لیے کوشاں تھے، البتہ ان سندھیوں میں بعض لوگ شورش پسندوں کے ہاتھ لگ گئے تھے، جو ان کا پورا ساتھ دیتے تھے، چنانچہ نصر سندی تیسری صدی کے عظیم فتنہ صاحب الزنج میں ان شورش پسندوں کا قائد تھا جنھوں نے بصرہ اور اس کے اطراف میں تباہی مچا رکھی تھی، وہ ۲۶۷ھ میں موجود تھا، ۳۶۲ھ میں جب ان شورش پسند زنجیوں نے عمان پر قبضہ کر کے عضد الدولہ کے گورنر عمر بن بنہان طائی کو قتل کیا تو ان کے ساتھ ہندوستانیوں کا ایک گروہ بھی تھا، جن کی سرکوبی کے لیے عضد الدولہ نے کرمان سے ایک فوج روانہ کی اور صُحار میں مقابلہ ہوا جس کے نتیجہ میں عضد الدولہ کی فوج کامیاب ہوئی۔ اسی طرح سندھ اور ہندوستان کے جاٹ جو کسی قحط میں مبتلا ہو کر کشتیوں کے ذریعہ بڑی تعداد میں کرمان، فارس اور اہواز کے اطراف میں پھیل گئے تھے، ان کی ایک جماعت بحرین سے بصرہ تک کے سنگلاخوں پر قابض و دخیل ہو کر عباسی خلافت کے مقابلہ میں آگئی تھی، وہ جاٹ

محمد بن عثمان زطی اور سماق زطی دوسری صدی میں ان شورش پسند جاٹوں کے سرگروہ تھے جو بصرہ پر تقریباً قابض ہو گئے تھے، ان کے مقابلہ کے لیے مامون نے ۲۰۵ھ میں اور معتصم نے ۲۱۹ھ میں سرکاری فوج سے کام لیا اور خرابی بسیار کے بعد بطائح عراق کے یہ شریر جاٹ رام ہوئے، ان شورش پسند جاٹوں کی منظم کوشش کے علاوہ ہندوستان اور سندھ کے برسر اقتدار لوگوں نے اپنے حق میں کسی قسم کی جدوجہد نہیں کی بلکہ نہایت ذمہ داری اور مستعدی سے عباسی خلافت کا ساتھ دیا، اگر وہ چاہتے تو اپنے کارناموں کے صلے میں سندھ کی حکومت انعام کے طور پر حاصل کر سکتے تھے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ ورنہ سندھ اور ہندوستان میں ان ہی کی خود مختاریاں اور حکومتیں قائم ہوتیں جن کو خلافت کا سایۂ عاطفت محفوظ رکھتا جس طرح خلیفہ معتضد نے عمان میں محمد بن قاسم سامی کی حکومت کو ہر قسم کی سرکاری امداد دی تھی، سندی بن شاہک اور اس کے خاندان نے عباسیوں کے دورِ خلافت میں بڑے شاندار کام کیے، اور جب بھی ان کے خلاف کوئی تحریک اٹھی تو خلافت کے حق میں اپنی خدمات پیش کیں، اور جس طرح بنو امیہ کے دور میں ان کے بہی خواہوں میں حجاج بن یوسف ثقفی اور قبیلۂ ثقیف اور مہلب بن ابی صفرہ اور اس کا خاندان پیش پیش تھا اور بنو عباس کے خیر خواہوں میں آل برامکہ بہت نمایاں تھے، اسی طرح سندھ کے آل سندی بن شاہک اور دوسرے اشخاص نے عباسی خلفاء کا ساتھ دیا، اگر وہ چاہتے تو اپنے ملک میں اپنی حکومت قائم کر لیتے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

بخلاف اس کے ہندوستان میں عربوں نے مختلف طریقوں سے شروع ہی سے اس کے لیے کوشش جاری رکھی، یہاں تک کہ تیسری صدی سے پانچویں صدی تک اس ملک میں ان کی حکومتیں اپنی مدت کی منزلیں طے کرتی رہیں، البتہ انھوں نے خلافت سے اپنا رشتہ قائم رکھا اور طوائف الملوکی کے دور میں بھی نہایت کامیاب طریقے پر کام کیا، عباسی خلفاء کے ان سے خوشگوار تعلقات رہے، انھوں نے یہاں کی خود مختار

عرب حکومتوں کو اپنی رضامندی کا پروانہ دیا اور تعلقات قائم رکھے۔

اب ہم ہندوستان کی عربوں کی حکومتوں کے دور کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں، جن سے ان کے دورِ حکومت کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے گا اور معلوم ہوگا کہ اسلام کے عہدِ زریں میں انہوں نے کیا کارنامے انجام دیئے، یا ان کے دورِ اقبال میں کیا کیا کام ہوئے

ہندوستان کی عرب حکومتوں کے ہمسایہ اور معاصر مسلم حکومتوں سے تعلقات

ہندوستان میں عربوں کی حکومت کے دور میں پڑوسی ممالک میں کئی ہمعصر مسلم حکومتیں قائم تھیں، اور یہاں کے حکمرانوں نے خلافتِ عباسیہ سے براہِ راست تعلق رکھنے کے باوجود ان معاصر حکومتوں سے دوستانہ روابط و تعلقات قائم رکھے، چنانچہ صفاریوں، سامانیوں، دیلمیوں، غزنویوں، اور غوریوں سے ان کے دوستانہ تعلقات نہایت خوشگوار تھے، ان معاصر حکومتوں میں دو بہت وسیع اور مضبوط تھیں، ایک بنی بویہ کی حکومت دیلم میں، اور دوسری بنی سبکتگین کی حکومت غزنین میں، بنی بویہ بڑی شان و شوکت اور غلبہ و اقتدار کے مالک تھے اور چونکہ وہ شیعہ تھے اس لیے وہ نہ منصورہ اور ملتان کی سنی حکومتوں سے خوش تھے اور نہ ہی مکران اور طوران کی خارجی حکومتوں کو پسند کرتے تھے، اس کے باوجود آل بویہ نے ان حکومتوں سے تعرض نہیں کیا بلکہ اپنی تمام تر توجہ مرکزِ خلافتِ بغداد پر غلبہ و اقتدار حاصل کرنے پر مبذول رکھی اور ساتھ ہی اپنے قرب وجوار کے علاقوں میں بڑھنے کی کوشش کی، وہ اپنی اس جدوجہد میں اس طرح منہمک رہے کہ انہوں نے سندھ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، حالانکہ کرمان تک ان کی حکومت قائم تھی جو مکران اور سندھ سے متصل ہے اور یہاں سے وہ سندھ پر بآسانی قبضہ کر سکتے تھے، آلِ سبکتگین کا معاملہ اس کے برعکس تھا، انہوں نے سنی ہونے کی وجہ سے خلافت سے اپنی فرماں برداری وابستہ کر کے پروانۂ حکومت

حاصل کیا، اور انہوں نے تمام تر سرگرمی کا میدان ہندوستان اور سندھ کو بنایا وہ اپنے آخری دور تک یہاں اسلام پھیلانے اور کفر مٹانے کے ساتھ سرکشوں اور باغیوں کی سرکوبی میں لگے رہے، ان مہمات میں ان کی نظر خاص طور سے ان راجوں مہاراجوں اور تحریکوں پر رہی جنہوں نے بنو امیہ، بنو عباسیہ اور ان کے بعد کے ادوار میں مسلمانوں پر حملے کیے۔ یا جنہوں نے فتنہ و فساد کرنے والوں اور باغیوں کی امداد کی خاص طور سے جن کے یہاں ملاحدہ، قرامطہ، اسمٰعیلیہ، روافض اور باطنیہ تھے، سلاطین غزنویہ نے ایسے راجوں، مہاراجوں کی یہ روش نہ صرف ختم کی بلکہ پورے ہندوستان میں اسلام کا پیغام پہنچایا، ان کی فتوحات و اثرات کے اسی طوفان میں یہاں عرب حکومتیں بھی ختم ہوگئیں چنانچہ منصورہ اور ملتان کی حکومتوں کو سلطان محمود غزنوی نے ختم کیا اور مکران اور طوران پر غیاث الدین غوری نے قبضہ جمایا۔

دولتِ آلِ بویہ

دیلم کے سلاطین بنی بویہ کو کبھی کبھی سندھ اور مکران میں اپنی سرگرمی دکھانی پڑتی تھی مگر یہ ان کے مخالفوں کے حق میں ہوا کرتی تھی، جو ان کی حدودِ مملکت سے بھاگ کر ان علاقوں میں پناہ لیا کرتے تھے، انہوں نے سندھ اور مکران سے متصل علاقہ کرمان پر حملہ کیا مگر بعد میں یہاں بلوچیوں نے بغاوت کی تو اس نے ان کی سرکوبی کے لیے کورتکین اور عابد بن علی کو بھیجا، ان دونوں نے مقام جیرفت میں ان باغیوں کو زیر کیا اور جو باغی آس پاس کے علاقوں میں بھاگ گئے تھے، یا خفیہ مقابلہ کی تیاری میں تھے ان کو عابد بن علی نے زیر کیا، اور تیز و مکران کے شہروں میں گھس کر ایک ہزار باغی بلوچیوں کو گرفتار کیا جس سے وہ عضد الدولہ کی اطاعت اور اسلامی احکام کی پیروی اور حدود شرعیہ کی اقامت پر تیار ہو گئے۔[1]

۳۸۳ھ میں بہاؤ الدولہ اور اس کے بھائی صمصام الدولہ کے درمیان باہمی صلح جنگ

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۶۴۴۔

سے بدل گئی، اور بات یہاں تک پہنچی کہ صمصام الدولہ نے ۳۸۵ھ میں حکم دیا کہ فارس میں جس قدر ترک موجود ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے، اس پر بہت سے ترک مارے گئے، اور کتنے مختلف شہروں میں جاکر فتنہ و فساد برپا کرنے لگے، ان کی ایک جماعت کرمان ہوتی ہوئی سندھ کے علاقوں میں گھس آئی تھی، جو دیلمیوں کے درمیان گھر جانے وجہ سے مقتول ہو گئی۔[1]

سلاطین بنی بویہ کی فوجیں ان دو مواقع پر سندھ میں آئیں مگر انہوں نے یہاں کے معاملات سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

دولت آل سامان

آلِ سامان خراسان اور ماوراء النہر کے حکمران تھے، ان کے عروج کا سورج ۲۷۲ھ میں طلوع ہوا، ۳۶۵ھ میں امیر نوح بن منصور سامانی نے سبکتگین کو اپنا حاجب اور دربان مقرر کیا، یہ بڑا فرماں بردار اور باشعور شخص تھا، اسی نے سامانیوں کے بعد غزنین میں اپنی حکومت قائم کی۔

بنی سامان کے آخری ایام میں بُست پر ایک امیر طغان نامی نے قبضہ جما لیا تھا، اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا دعویدار ابو ثور نامی اٹھا، طغان نے سبکتگین کو مدد کے لیے پکارا اور آل سامان کی اطاعت و باجگزاری کا وعدہ کیا، سبکتگین نے بُست آکر طغان کو حکومت دلائی، پھر وہاں سے طوران کے دارالسلطنت قصدار پہونچ کر اس پر قبضہ کیا اور بادشاہ کو گرفتار کیا مگر اطاعت و باجگزاری کا وعدہ لے کر پھر تخت و تاج واپس دے دیا یہ واقعہ ۳۸۴ھ کا ہے۔[2]

سامانی دور میں ایک مرتبہ پھر طوران کی حکومت پر حملہ کیا گیا اور اس کو آلِ سامان کی ماتحتی میں لایا گیا، اس کے بعد کسی حملہ یا واقعہ کی خبر نہیں ملتی، یہ بات قابل ذکر ہے کہ آلِ سامان کے چوتھے حکمران امیر نوح بن نصر سامانی (۳۳۱ھ تا ۳۴۳ھ) کا دربان

۱؎ تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۴۶۵ ـ ۲؎ ؍؍ ؍؍ ص ۴۶۰

اور حاجب رشیق ہندی تھا[1]

دولتِ آلِ صفار خراسان کے سلاطین بنی صفار کی حکومت کا آغاز یعقوب بن لیث صفار کی سلطنت سے ۲۵۳ھ میں ہوا وہ شوال ۲۶۵ھ

میں فوت ہوا، اس مختصر سی مدت میں یعقوب نے اپنی قابلیت سے بہت سے ایسے علاقوں کو فتح کیا جو مرکزِ خلافت بغداد سے منحرف ہو گئے تھے۔ جب اس کی سلطنت وسیع ہو گئی تو خلیفہ عباسی معتمد نے یعقوب کو اپنی طرف سے سجستان اور سندھ کی حکومت دی، اس نے کرمان، خراسان اور فارس کو بھی اپنے قلمرو میں شامل کر لیا اور معتمد نے اس کو ان تمام ملکوں کی حکومت دیدی اس کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث حکومت کا وارث ہوا، اور معتمد کو اپنی اطاعت کا یقین دلایا تو اسے بھی بھائی کی حکومت پر بحال رکھ کر خراسان، اصفہان، سجستان، سندھ اور کرمان کی حکومت دی گئی[2]

اس طرح صفاریوں کی حکومت علاقۂ سندھ پر بھی رہی، اس مدت میں منصورہ کی حکومت ہباریہ قائم ہو کر مرکز خلافت سے تعلق پیدا کر چکی تھی اور ملتان میں حکومت سامیہ قائم ہو رہی تھی،

دولت بنی سبکتگین غزنین سامانیوں کے زوال کے نتیجہ میں دو نئی حکومتیں پیدا ہوئیں، ایک بخارا میں بقرا خان کی، اور دوسری غزنین میں سبکتگین کے خاندانِ غزنویہ کی، ۳۶۵ھ میں سبکتگین کو آلِ سامان کے حدود میں عروج نصیب ہوا، جبکہ ان کے اقبال کا آفتاب ڈھل رہا تھا، اس ڈھلتی چھاؤں میں امیر نوح بن منصور سامانی نے اسے خراسان کا والی بنا دیا، جہاں سے اس نے سجستان کے علاقہ بست پر قبضہ کر کے اس کے حاکم طغان کو آلِ سامان کی اطاعت و باجگذاری پر مجبور کیا، پھر وہیں سے طوران کے مرکز قصدار پر قبضہ کر کے اس کے بادشاہ

---

[1] احسن التقاسیم ص۔ [2] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۳۲۶۔

کو آلِ سامان کا مطیع بنایا، اسی زمانہ میں سبکتگین نے اپنے لڑکے محمود کو لے کر ہندوستان کے ان مقامات کو فتح کیا جہاں اب تک مسلم فاتحوں کے قدم نہیں پہنچے تھے[۱] سبکتگین غزنین وخراسان پر اٹھائیس برس تک حکومت کر کے ۳۸۷ھ میں فوت ہوا، فوج نے اس کے بیٹے اسمٰعیل کو حاکم تسلیم کر لیا، جو محمود سے چھوٹا تھا، ان دنوں محمود نیساپور میں تھا، اس نے اسمٰعیل کا محاصرہ کیا اور اس کی امان طلبی پر امان دے کر چھوڑ دیا اور خود سلطان کا لقب اختیار کر کے غزنین پر قبضہ کر لیا، اس طرح سلاطین غزنویہ میں محمود پہلا باقاعدہ سلطان بنا۔

سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۶ھ میں ملتان کے باطنی حکمران کو شکست دی، اور ۴۰۲ھ میں قصدار پر قبضہ کیا، مگر صلح و اطاعت کی بات ہوئی اور معاملہ دب گیا، اسی نے ۴۱۶ھ میں منصورہ کی ہباری سلطنت کا خاتمہ کیا، ۴۲۱ھ میں فوت ہوا۔

دولت غوریہ | دولت غزنویہ کے زوال کے نتیجہ میں غوریوں کا عروج ہوا، ابوالفتح غیاث الدین غوری ۵۶۹ھ میں تخت و تاج کا وارث ہوا اس نے ۵۷۱ھ میں مکران اور طوران کی حکومتوں پر قبضہ کر کے ان کو دولت غوریہ میں شامل کر دیا۔

ان معاصر و ہمسایہ مسلم حکومتوں سے سندھ کے حکمرانوں کے یہ معاصرانہ تعلقات و روابط تھے، خود اندرون سندھ کے کئی معاصر حکمرانوں کا زمانہ ایک تھا، چنانچہ منصورہ مکران، ملتان، طوران کے حکمرانوں کا زمانہ قریب قریب ایک ہی ہے مگر ان میں آپس میں کسی قسم کے فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کا پتہ نہیں چلتا خصوصاً ایسی حالت میں یہ بات بہت تعجب انگیز ہے کہ ان حکومتوں کے حدود میں دوسرے امراء و ملوک بھی موجود تھے، چنانچہ منصورہ میں بقول مسعودی ایک عرب امیر حمزہ نامی موجود تھا

[۱] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۳۶۱۔

ملتان میں ہارون بن موسیٰ مولی ازد شاہی کروفر کے ساتھ اپنے قلعہ میں رہتا تھا اور یہاں کے راجوں سے جنگ کرتا تھا، مکران کے علاقہ مشکی کا آزاد حکمران مطہر بن رجاء تھا جو براہِ راست خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھتا، اور طوران میں ایل نامی ایک حاکم تھا جس کے نام سے اس کے مقبوضہ علاقہ کو ایل کہتے تھے، مگر ان میں کبھی باہمی عداوت کی آگ نہیں بھڑکی، بلکہ سب اپنی اپنی حد میں امن وامان سے حکومت کرتے رہے۔

ہندوستان کے معاصر اور ہمسایہ راجے مہاراجے

جس زمانہ میں ہندوستان اور سندھ میں عربوں کی خود مختار حکومتیں قائم تھیں، یہاں پر بڑی بڑی ہندو حکومتیں تھیں، جن میں سے اکثر سے ان کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے، اور بعضوں سے جنگ رہا کرتی تھی، بلکہ بعض عرب حکومتوں کے اندر ہندو حکومتیں بھی تھیں، چنانچہ منصورہ کے ماتحت الور کی غیر مسلم سلطنت تھی جو حاکم منصورہ کی اطاعت وامان میں قائم تھی، اسی طرح ملتان کے ماتحت ایک زمانہ میں قنوج کی زبردست غیر مسلم حکومت تھی، جو پہلے مسلمانوں کی سب سے بڑی دشمن طاقت تھی، اور ہمیشہ ان سے برسرِ پیکار رہا کرتی تھی، اور سندھ سے دور پنجاب میں ایک غیر مسلم حکومت دیہند میں تھی، اس میں اور قنوج میں ہندو راجہ کے ساتھ مسلمان حاکم ہوتا تھا اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے حقوق ومفاد کی نگرانی کرتا تھا بلکہ مسلمانوں کا الگ مستقل حاکم ہوتا تھا۔

راجہ ویہند

دیہند بقول اصطخری ہندوستان کا علاقہ تھا، غالباً بھٹنڈہ پنجاب، جس میں کسی وقت قامہل، کنبائت، سوپارہ، سندان، چیمور، ملتان، جندرود، اور بسمد شامل تھے، مگر ان میں سے کئی شہر اور مقامات بعد میں ملتان کی حکومت کے ماتحت آگئے تھے، مقدسی نے اپنے زمانہ میں دیہند میں وذہان، بیتر، نوج، لوآر، اور قوج کو شمار کیا ہے یہاں کفار کی آبادی غالب تھی، مگر ان میں مسلمان بھی آباد تھے، اور غیر مسلم راجہ کے ساتھ مسلمان حاکم بھی ہوا کرتا تھا، ۳۹۲ھ میں

میں سلطان محمود غزنوی نے راجہ جے پال کا قلع قمع کر کے دیہند کا محاصرہ کیا اور جبراً وقہراً اسے فتح کر لیا۔

راجہ قنوج

یہاں کے راجے مہاراجے پہلے مسلمانوں سے ہمیشہ جنگ کیا کرتے تھے، خصوصاً ملتان کے بنو سامہ سے ان کی ہمیشہ جنگ رہا کرتی تھی، مگر ۳۰۳ھ میں مسعودی نے قنوج کو جیز اسلام میں بتا کر اسے اعمال ملتان سے شمار کیا ہے، یہاں بھی کفار کی آبادی زیادہ تھی مگر مسلمانوں کا علیحدہ سلطان تھا، ۴۰۹ھ میں سلطان محمود غزنوی نے اسے فتح کر کے غزنین کے ماتحت کر لیا۔

راجہ بلہرا

راجہ بلہرا (منگرور) گجرات کا حکمران تھا، مہاراجگان بلہرا کے نزدیک مسلمانوں کی بڑی عزت تھی، ان کے یہاں مسلمانوں کے لیے الگ قضاء کا عہدہ قائم تھا اور اسی کے ماتحت مسلمانوں کے امور و معاملات طے ہوتے تھے، اس مسلمان کو ہنرمن (ہنرمند) کہتے تھے، یہ راجہ کا نائب ہوتا تھا، یہاں کے عوام بھی مسلمانوں سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے راجوں کی عمر اور ان کی مدت حکومت اس لیے پچاس پچاس سال اور اس سے زائد تک ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں سے محبت اور سلوک سے پیش آتے ہیں، ان کی حکومت کے مشہور شہر تھانہ، چیمور، اور سوپارہ میں مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی تھی، اور سندان میں بنو فضل بن ماہان کی خود مختار حکومت قائم تھی، مہاراجگانِ بلہرا کے سامنے ہر شخص کو باادب بیٹھنا پڑتا تھا اس نشست کو برسیلا کہتے تھے، مگر عربوں اور مسلمانوں کے لیے آزادی تھی کہ وہ جیسے چاہیں بیٹھیں، ان پر کوئی جرمانہ نہیں ہوتا تھا۔

راجہ جنزر

یہ بھی گجرات کے ایک علاقہ کا راجہ تھا، بقول ابن رستہ اس کے ملک میں عدل و انصاف کا دریا بہتا تھا، کیا مجال کہ کسی کی کوئی چیز دوسرا شخص راستہ سے اٹھالے، عرب تاجر جب اس کے ملک میں جاتے تو وہ بہترین سلوک

کرتا اور ان سے سامان خریدتا، جب یہ لوگ اپنا مال فروخت کرلیتے تو راجہ سے کہتے کہ ہمارے ساتھ اپنا آدمی کردو جو ہمیں اور ہمارے مال کو اس ملک سے صحیح وسالم باہر کردے تو راجہ کہتا کہ میرے ملک میں چور نہیں ہیں، جاؤ اگر تمہارا نقصان ہوگا تو میں ذمہ دار ہوں، مگر سلیمان تاجر کے زمانہ میں راجہ جزر بہت بدمزاج اور بدخو تھا، ہندوستان کے راجوں میں اس سے بڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کا دشمن کوئی راجہ نہیں تھا، اس کے باوجود عدل وانصاف میں وہ بھی یکتا تھا۔

راجہ صیلمان

وسط ہندوستان میں صیلمان نامی ایک راجہ تھا، ابن رستہ نے اس کی فوجی طاقت بہت زیادہ بتائی ہے اور لکھا ہے کہ اس کے پاس ستر ہزار فوج ہے، اس کے یہاں جنگی ہاتھی کم تھے، مگر جتنے تھے تمام جنگی ہاتھیوں سے زیادہ خوں ریز اور بہادر تھے، ۴۰۵ھ میں سلطان محمود غزنوی کو جب پتہ چلا کہ راجۂ صیلمان مسلمانوں کا دشمن ہے تو اس نے تھانیسر کی فتح کے بعد اس سے جنگ کی اور فتح پائی۔

راجہ طافن

یہ جنوبی ہند کا راجہ تھا، اور بلہرا کی طرح مسلمانوں سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا اور حسنِ سلوک سے پیش آتا تھا۔

راجہ قمار

اس کے بارے میں ابن رستہ نے لکھا ہے کہ بڑا ظالم ہے، اور عربوں سے بات تک نہیں کرتا، البتہ جو شخص اسے ہدیہ اور نذرانہ پیش کرتا ہے وہ اس سے سیکڑوں گنا زیادہ ہدیہ دیتا ہے، معاملات میں بہت صاف اور کھرا ہے۔

راجہ سرندیپ

سرندیپ (لنکا) ہندوستان کا علاقہ تھا، یہاں کے عوام اور راجے مہاراجے اسلام اور مسلمانوں سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، عرب تاجر قدیم زمانہ سے یہاں آتے جاتے تھے۔ بعد میں یہاں مسلمانوں کی آبادی ہوگئی تھی۔ عہد رسالت میں یہاں سے ایک وفد مدینہ منورہ کے لیے چلا جو عہدِ فاروقی میں وہاں پہنچا اور واپس آکر حضرت عمرؓ کی سادگی اور عدل وانصاف کو بیان کیا، یہاں کے راجے خلفائے اسلام سے بڑی محبت کرتے تھے، اور اپنے استعمال کے لیے عراق سے شراب منگایا

کرتے تھے، خلیفہ ولید کے زمانہ میں یہاں کا ایک راجہ مسلمان بھی ہوا تھا، ملتان کے اسمٰعیلی حکمران ابوالفتوح نے سلطان محمود غزنوی کی یورش کی خبر پاکر اپنا مال وسامان سرندیپ ہی کے ایک راجہ کے یہاں بھیج دیا تھا۔

راجہ رُہمی

راجہ رُہمی بنگال میں حکومت کرتا تھا، راجہ جزر اس سے ہمیشہ برسرپیکار رہا کرتا تھا، اس کے پاس جنگی ہاتھی بہت زیادہ تھے، راجہ رُہمی مسلمان حکمرانوں اور بادشاہوں سے مصالحانہ اور دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، اوران کے پاس تحفہ تحائف بھیجتا تھا۔

راجہ رُتبیل

ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں کے راجے مہاراجے رُتبیل کے خاندانی لقب سے مشہور تھے، سجستان، بُست اور رُخج وغیرہ کے علاقوں میں حکومت کرتے تھے، عرب ان علاقوں کو ترکوں کا ملک کہتے ہیں، راجہ رُتبیل سے مسلمانوں کے تعلقات پہلی صدی کے وسط ہی سے شروع ہوگئے تھے، اور اموی وعباسی دور میں مسلم سیاست سے ان کو واسطہ پڑتا رہتا تھا، یہاں ایک راجہ عربی زبان سے اچھی طرح واقف تھا، اور عربی اشعار کے معانی ومطالب اچھی طرح سمجھتا تھا۔

ان راجوں، مہاراجوں کے علاوہ اور بھی بہت سے راجے تھے جو اپنے چھوٹے بڑے علاقوں میں حکومت کرتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرکے ٹکڑے ٹکڑے ہورہے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ غیر ملکی حملوں کا نہ مقابلہ کرسکتے تھے اور نہ ان کے مقابلے میں متحد ہوسکتے تھے، مگر اسلام اور مسلمانوں کی عقیدت ومحبت اور خلفائے اسلام کی تعظیم وتکریم میں تقریباً سب ہی متفق تھے، اسی طرح راجہ کشمیر، راجہ قندھار، راجہ کامن، راجہ موجہ، راجہ مانداور دوسرے راجے مہاراجے تھے،

راجوں کی اسلام سے عقیدت اور مسلمانوں کی غفلت

یہاں کے ہندو راجوں کی بے تعصبی اور اسلام سے محبت کا یہ عجیب حال

ہے کہ انھوں نے اسلام کی دعوت سے پہلے ہی اپنے کو اسلام کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ہندوستان کے ایک راجہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ منورہ میں زنجبیل (سونٹھ اور ادرک) کا تحفہ روانہ کیا جسے آپ نے تناول فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی دیا، سرندیپ کے جوگیوں اور مہنتوں نے آپ کی خدمت میں اسلام کی تحقیق وتلاش کے لیے ایک وفد بھیجا جو عہد فاروقی میں وہاں پہونچ سکا، پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر جب سندھ کے راجوں کو حضرت محمد بن قاسم کے فاتحانہ کارناموں اور مسلمانوں کے کردار سے براہ راست واسطہ پڑا اور انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھا تو عقیدت ومحبت کا مظاہرہ کیا، حضرت عمر بن عبد العزیز اموی نے اپنے دورِ خلافت میں ہندوستان کے راجوں کو دعوتِ اسلام دی، جس پر انھوں نے لبیک کہا اور پندرہ راجے بیک وقت مسلمان ہو گئے، یہی نہیں بلکہ اپنے ہندوانہ نام ترک کر کے عربوں کی طرح اسلامی نام اختیار کیے، یہاں کے ایک راجہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا اور گراں قدر تحائف بھیجے، ولید کے زمانہ میں سرندیپ کا ایک راجہ مسلمان ہوا اور اس کی خدمت میں ہدایا وتحائف کا بھرا ہوا جہاز روانہ کیا جسے دیبل کے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ مگر افسوس کہ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں سندھ کے اموی حاکم کی طرف سے ایسی حرکت سرزد ہوئی کہ ان نو مسلم راجوں میں راجہ داہر کا بیٹا جلیشہ بدعہدی کا شکار ہو گیا جس سے دوسرے نو مسلم راجوں کو مایوسی ہو گئی۔

عباسی دورِ خلافت میں بھی یہاں کے راجے مہاراجے اسلام، اور مسلمانوں سے گہری عقیدت رکھتے تھے، ـــــ مہدی عباسی کی دعوتِ اسلام پر یہاں کے کئی راجے مسلمان ہوئے جن میں پورس خاندان کا ایک راجہ بھی شامل تھا۔

۲۵۹ھ میں سندھ کا ایک راجہ مسلمان ہوا جس نے کعبہ کے لیے گراں قدر نذرانہ پیش کیا، خلیفہ مامون کے زمانہ میں سندھ اور تبت کے ملے جلے علاقہ کا ایک راجہ مسلمان

ہوا، اور ایک شاہی تخت کعبہ کے لیے نذر کیا، خلیفہ معتصم کے دور میں کشمیر، ملتان اور کابل کے درمیانی علاقہ عسیفان کے راجہ نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا اور مسلمان تاجروں کو بلاکر ان سے توحید کی تعلیم حاصل کی۔

ہندوستان کے راجوں مہاراجوں اور عام ہندوؤں کی اسلام اور مسلمانوں سے عقیدت اور بے تعصبی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنی قدیم عادات اور مذہبی روایات کے مطابق اپنے ملک میں جگہ جگہ مسلمان فاتحوں اور ان کی عظیم شخصیتوں کے مجسمے اور پتھر کے اسٹیچو بنا کر نصب کیے اور ان کی یادگاریں قائم کیں، چنانچہ سندھ میں حضرت محمد بن قاسم کا ایک مجسمہ بنا کر نصب کیا گیا، بھڑوچ (گجرات) میں راجہ داہر اور اس کے قاتل (جو بنی کلاب سے تھا) دونوں کے مجسمے قائم کیے گئے، ایک اور مسلم فاتح و مجاہد حضرت بدیل بن طہفہ کی تصویر مقام قند میں بنائی گئی، حالانکہ ان کی قبر دیبل کے قریب ایک مقام میں تھی، اسی طرح چوتھی صدی کی دنیا کے مشہور و ماہر ترین جہازراں محمد بن بابیشاد سیرانی کی تصویر ہندوستان کے ایک راجہ نے اسی لیے تیار کرائی کہ وہ بحریات میں اپنے دور کی عظیم شخصیت کا مالک تھا، واقعہ یہ ہے کہ روحانیت اور طاقت کی پرستش کرنے والی قوم اور اس کے پیشواؤں اور حکمرانوں نے ابتداء میں اسلام اور مسلمانوں کا پرجوش عقیدت مندانہ استقبال کیا، مگر افسوس کہ خود مسلمانوں نے اپنی باہمی چپقلش اور کشمکش میں پڑ کر ان کی طرف توجہ نہیں کی، اگر ان کو اسلام قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کے مواقع فراہم کیے جاتے تو اسی زمانہ میں ہندوستان کی غالب آبادی حلقہ بگوش اسلام ہوگئی ہوتی اور آج تک یہ ملک عالم اسلام کا ایک حصہ شمار کیا جاتا، مگر جس زمانہ میں یہاں کے راجے اسلام سے قریب تر تھے، اور ان کو اسلام کی دعوت و تلقین کی ضرورت تھی، سندھ میں عربوں کی باہمی خانہ جنگی، قبائلی عصبیت، علویوں کی شورش، شیعوں کی سازش، اور خوارج کی سرگرمی ہر طرف عام تھی، اور یہاں کے عرب ان جھگڑوں میں پڑ کر اپنی اپنی حکومت اور خودمختاری کے چکر میں تھے، مرکز خلافت

میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ خود کچھ کر سکے، آخر کار یہاں متعدد خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں اور اپنے اپنے طور پر کام کرتی رہیں، مگر حق یہ ہے کہ دولت ہبار یہ منصورہ کے علاوہ کسی اور عربی حکومت میں یہاں کے راجوں کو اسلام کا دعوتی رنگ نظر نہ آسکا، بلکہ مسلمانوں اور عربوں کی طوائف الملوکی کے بعد جو حالات پیدا ہوئے ان کی وجہ سے انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھا، اور جن حالات میں یہاں عرب حکومتوں کا قیام ہوا، ان کا رخ بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔

بعض راجے عربی زبان جانتے تھے

سندھ اور اس سے متصل شمالی و مغربی علاقوں کے اور خود ہندوستان کے بعض راجے مہاراجے عربی زبان جانتے تھے اور صحابہ کے اشعار تک اُنکو یاد تھے، چنانچہ راجہ رُتبیل نے ایک موقع پر حضرت حسان بن ثابت رضؓ کا شعر خود سنایا اور جواب میں عربی کے اشعار سنے، حجاج بن یوسف نے عبدالرحمن بن اشعث کو سجستان، لبست اور رخج کی گورنری دی، ابن اشعث نے ان علاقوں کے غوریوں اور خلجیوں سے جنگ کی، نیز اطراف و جوانب کے راجوں کو زیر کیا، مگر وہ ان ہی ایام میں حجاج کے مظالم کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر کے کرمان چلے آئے، پھر کوفہ اور بصرہ کے عُبّاد و زہاد کی ایک بڑی جماعت کو لے کر ۸۲ھ میں دیر جماجم میں حجاج کی فوج سے مقابلہ کیا اور خرابیٔ بسیار کے بعد ہزیمت کھا کر ملوک ہند کے یہاں پہنچے[1]۔ جب راجہ رتبیل کے پاس پہنچے تو اس نے تعریف کے لیے برمحل عربی کا ایک شعر سنایا جسے حضرت حسان بن ثابت رضؓ نے حارث بن ہشام کے بارے میں کہا تھا:

تَرَكَ الاحِبَّةَ اَنْ يُقَاتِلَ دُونَهم ‎ ‎ ‎ ‎ ونجا براس طمرة ولجام

اس نے اپنے دوستوں کو چھوڑ کر ان کے لیے جنگ نہیں کی۔ بلکہ اپنے گھوڑے اور اس کی لگام کو لے کر نجات پائی

[1] مروج الذہب ج ۳ ص ۱۳۸۔

یہ شعر سن کر ابن اشعث نے رتبیل سے کہا کہ کیا تم نے اس کے جواب میں حارث بن ہشام کے اشعار نہیں سنے ہیں؟ رتبیل نے کہا وہ کون سے اشعار ہیں ابن اشعث نے یہ اشعار اسے سنائے۔

اللہُ یَعلمُ ما ترکتُ قتالھم   حتی رموا فرسی باشقر مزبد

(اللہ جانتا ہے کہ میں ان سے برابر جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے میرے گھوڑے کو بری طرح زخمی کر دیا)

وعلمت انی اِن اقاتل واحداً   اقتلُ ولا یضرر عدوّی مشھدی

(اور میں نے سمجھ لیا کہ اگر میں ان کے ایک آدمی کو قتل کرنے کی کوشش کروں گا تو خود مارا جاؤں گا اور میرے دشمنوں کو میری ذات سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔)

فصددت عنھم والاحبۃ فیھم   طمعاً لھم لعقاب یوم مفسد

(میرے دوست ان میں گھرے ہوئے تھے مگر میں ان کے مقابلے سے رک گیا، اس خیال سے کہ کسی دن ان کو مزہ چکھاؤں گا)

راجہ رتبیل نے ان اشعار کو سن کر ابن اشعث سے کہا اے معشر عرب! تم لوگوں نے ہر چیز میں حسن وخوبی پیدا کی ہے، یہاں تک کہ فرار کو بھی حسین وجمیل بنا لیا ہے[1]

رتبیل نے حضرت حسان کے شعر سے ابن اشعث پر طنز کیا، جس کا جواب انہوں نے حارث کے اشعار سے دیا، عبدالملک بن مروان نے رتبیل کو لکھا کہ ابن اشعث نے ہمارے خلاف ..... خروج وبغاوت کر کے تمہارے یہاں پناہ ...لی ہے، اسے واپس کر دو، رتبیل نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ ابن اشعث بادشاہوں کا مخالف ہے، میرے یہاں اس کا رہنا مناسب نہیں ہے، اس کے بعد اس نے اپنے ایک سو معتمد آدمیوں کے ساتھ ابن اشعث کو شام کی طرف روانہ کیا، مگر راستہ ہی میں ان کا کام تمام ہو گیا[2]

[1] کتاب الاغانی ج ۱۴ ص ۱۰۴۔ طبع دار ثقافہ بیروت، ۱۹۵۵ء [2] الاخبار الطوال ص ۳۰۹۔

خلافت اور خلفاء کے ہندوستان سے گوناگوں تعلقات

ہندوستان اور عرب کے تعلقات وروابط عہدِ رسالت ہی میں کسی نہ کسی انداز میں قائم ہو چکے تھے، خلافتِ راشدہ میں ملکی اور سیاسی تعلقات علاقائی فتوحات اور عمال کی تقرری تک محدود رہے، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ تعلقات ہندوستان سے گذر کر چین تک ہو گئے، چین کے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں گراں قدر ہدایا بھیجے، اور خط وکتابت کی ابتدار کی، حضرت عمر بن عبدالعزیز یا موئی نے اپنے دورِ خلافت میں ان تعلقات میں بڑی وسعت پیدا فرمائی اور یہاں کے راجوں مہاراجوں کو خطوط اور وفود بھیجے، جس کی وجہ سے بہت سے ہندو راجوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے نام اسلامی انداز پر رکھے، اس کا خوشگوار اثر ان کی رعایا پر بھی پڑا، نیز یہاں کے بعض راجوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں بیش بہا ہدایا و تحائف روانہ کیے۔

عہد اموی میں بنو ثقیف نے ہندوستان سے فاتحانہ تعلقات اور آلِ مہلب بن ابی صفرہ نے حاکمانہ روابط رکھے، اس بارے میں یہ دونوں قبیلے امتیازی روایات کے مالک ٹھہرے، عباسی دورِ خلافت میں آلِ برامکہ نے یہاں سے علمی وفنی تعلق کا سلسلہ جاری کیا تو مدتوں اس کے خوشگوار نتائج ظاہر ہوتے رہے، ان تینوں خاندانوں کے تعلقات کی نوعیت سرکاری تھی، سندھ اور ہندوستان کے مقبوضہ علاقوں کا نظم وضبط اور عمّال وحکام کا عزل ونصب براہِ راست خلفاء کی صوابدید اور حکم سے ہوا کرتا تھا، جب کوئی خلیفہ اپنے ولیعہد کے لیے بعیت لیتا اور خلافت ونیابت کی دستاویز تیار کرتا تو سندھ و مکران وغیرہ کے نام باقاعدہ اس میں ہوتے، عباسی خلفاء یہاں کے اندرونی معاملات سے خبر دار رہ کر خصوصی ہدایت جاری کرتے تھے، مواصلاتی نظام اور خبر رسانی کا حال یہ تھا کہ جب محمد بن قاسم نے سندھ پر فوج کشی تو ہر تیسرے دن

عراق سے سرکاری خطوط اور ہدایات آیا کرتی تھیں، بعد میں ظاہر ہے کہ یہ انتظام اور بھی بہتر ہوا ہوگا۔ ابوجعفر منصور نے عبداللہ بن محمد الاشتر کو ہندوستان میں قتل کرا کر ان کے لڑکے کو مدینہ منورہ روانہ کیا اور نسب کی صحت پر تحریری شہادت دی۔ خلیفہ ہادی کے زمانہ میں سندھ میں ایک مہلبی امیر کے سندی غلام نے ایک نہایت ناگوار اور ذلیل حرکت کی، تو ہادی نے خاص طور سے اس سندی غلام کو عبرتناک سزا دینے اور قتل کرنے کا حکم دیا اور پوری قلمرو خلافت سے سندی غلاموں کو نکال دینے کا فرمان جاری کیا جس کی وجہ سے اس کے دور میں سندی غلام بڑی ناقدری کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، اسی طرح جب سنہ ۲۸۰ھ میں دیبل میں ایک تباہ کن زلزلہ آیا، تو اس کی خبر خاص طور سے خلیفہ معتضد کے پاس بغداد پہنچائی گئی سنہ ۲۰۱ھ میں تبت اور سندھ کے ایک راجہ نے اسلام قبول کر کے کعبہ کے لیے گراں قدر نذرانہ پیش کیا تو خدام نے اس کی باقاعدہ اطلاع خلیفہ مامون کو دیدی اور اس کی مرضی کے مطابق وہ ہدیہ کعبہ میں مناسب مقام پر رکھا گیا۔ عہد مامونی میں حکومت سندان میں ایک شورش اٹھی جس کو فرو کرنے کے لیے مرکزی فوجوں کو تشدد آمیز کارروائی کرنی پڑی، مامون کے زمانہ میں ایک مشہور شاعر احمد بن ابو نعیم نے چند اشعار کہے جن سے بعض ارکانِ دولت کی ہتک ہوتی تھی، مامون نے خفا ہو کر اسے سندھ جلاوطن کر دیا، خلیفہ معتضد نے احمد حاجب کو ایک جہاز سے ہندوستان بھیجا، اس جہاز میں حسین بن منصور حلاج بھی تھے، عباسی خلفاء نے ہندوستان کے ہدایا و تحائف کی بڑی قدردانی کی، اور یہاں کی چیزوں کو وہ بڑے ذوق و شوق سے استعمال کرتے تھے، مشک، عنبر، عود، کپڑے، ہاتھی، پاٹہ اونٹ وغیرہ یہاں کی وہ مرغوب و نفیس چیزیں تھیں جو اُن کی خدمت میں خاص طور سے بھیجی جاتی تھیں، نیز علاج و معالجہ میں ہندوستان کی دوائیں اور یہاں کے معالج و اطبا بڑی اہمیت رکھتے تھے، صالح بن بہلہ ہندی نے درباری طبیب کی حیثیت سے ہارون رشید کی خدمت کی اور

طب رومی کے مقابلہ میں طب ہندی کی برتری ثابت کی۔

سندان کے حاکم فضل بن ماہان نے مامون کی خدمت میں یہاں سے ہاتھی بھیجا، اور دوسرے حاکم ماہان بن فضل نے معتصم کی خدمت میں ایک بے مثال لمبی چوڑی ساگوان کی لکڑی بھیجی۔ منصورہ کے حاکم موسی بن عمر بن عبد العزیز ہباری نے ۲۷۱ھ میں خلیفہ معتمد کی خدمت میں یہاں کی گراں قدر اشیاء کا ہدیہ بھیجا جس میں ایک اتنا بڑا ہاتھی تھا کہ اس کی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی، اسی طرح اس میں عمدہ قسم کے اونٹ، ہرن، مشک اور عنبر وغیرہ تھے، ملتان کے اسمٰعیلی حکمران مصر میں فاطمی خلفاء کے پاس یہاں سے عمدہ عمدہ چیزیں ہدیہ بھیجتے تھے، ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے علاوہ یہاں کے ہندو راجے مہاراجے بھی خلفاء سے تعلقات قائم رکھتے تھے، ان کو بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے احکام پر چلنے میں فخر محسوس کرتے تھے، خلفاء بھی ان کے جذبات و احساسات کی قدر کرتے ہوئے ان سے تعلقات رکھتے تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز اموی نے اپنے دورِ خلافت میں ہندوستان کے راجوں کے پاس تبلیغی و دعوتی خطوط اور وفود بھیجے، جن پر یہاں کے بہت سے راجوں نے اس پر لبیک کہکر اسلام قبول کیا اور اپنے آبائی نام چھوڑ کر مسلمانوں کی طرح اپنے نام رکھے، اسی طرح خلیفہ مہدی عباسی نے اپنے زمانہ میں یہاں کے راجوں کے نام خطوط روانہ کیے اور ان کو دعوتِ اسلام دی جس کے نتیجہ میں کئی راجے اسلام لائے۔ سرندیپ کا ایک راجہ خلفاء کا بڑا عقیدت مند اور اسلام کا شیدائی تھا، اس نے خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں اسلام قبول کیا اور خلیفہ کی خدمت میں ہدایا و تحائف سے بھرا ہوا ایک جہاز روانہ کیا مگر جب یہ جہاز دیبل کے قریب پہنچا تو یہاں کے سمندری ڈاکوؤں نے اسے لوٹ لیا، ہاروں رشید کو ایک راجہ نے ازراہِ عقیدت بیش بہا ہدیہ پیش کیا، بنگال کے راجہ رہمی نے مامون کی خدمت میں ہدایا و تحائف پیش کیے اور خط و کتابت کی، مامون کے وزیر حسن بن سہل کی بیٹی سے جب مامون

کی شادی ہوئی تو اس موقع پر ہندوستان کے ایک راجہ نے نوید کے طور پر حسن بن سہل کے پاس ہدیہ بھیجا، قاضی رشید بن زبیر نے کتاب الذخائر والتحف میں ان ہدایا و تحائف اور خط و کتابت کا بیان تفصیل سے کیا ہے، ہندوستان سے خلفاء کے تعلق کا سب سے نمایاں اور اہم پہلو یہ ہے کہ ان کو یہاں سے قابلِ قدر حکمراں ملے جنہوں نے بڑے خلوص سے خلافت کے کام انجام دیئے اور سرکاری مہمات میں اپنی پوری قابلیت وصلاحیت کا مظاہرہ کیا مگر ترکوں اور دوسرے عجمیوں کی طرح اپنے اثر و اقتدار کی کوشش نہیں کی، اسی لیے عباسی خلفاء دوسروں کے مقابلہ میں اپنے ان ہندوستانی امراء و حکام پر اعتماد کرتے تھے، اور حکومت کے کلیدی عہدوں پر ان کو رکھتے تھے۔

ہندوستان سے عالم اسلام کے ثقافتی، علمی اور دینی تعلقات

ہندوستان میں عربوں کی حکومت کا زمانہ پورے عالم اسلام اور مسلمانوں کے عروج و اقبال کا عہد آفریں دور تھا اور دیگر اسلامی ممالک کی طرح یہاں کے بلاد و امصار بھی اسلامی علوم وفنون اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی خیر و برکت سے مالا مال تھے، قرآن، حدیث، فقہ، شعر و ادب فلسفہ، نجوم، طب، علم کلام اور دوسرے عقلی و نقلی علوم وفنون ہر طرف عام تھے، اور علماء و فضلاء انفرادی اور اجتماعی طور سے اپنے اپنے میدانوں اور حلقوں میں مصروف کار تھے، یہاں کے ارباب علم وفن باہر اور باہر کے اہل علم یہاں کام کر رہے تھے سیاحوں نے اس سرزمین کی سیر و سیاحت کی، جغرافیہ نویسوں نے یہاں کے مقامات کے حالات لکھے، مورخوں نے یہاں کے غزوات و فتوحات بیان کیے، تاجروں نے اس ملک کو مشرق سے مغرب تک اپنی تجارت کی منڈی بنایا، بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی دستگرد نے عجائب الہند لکھ کر یہاں کے اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، معاشی اور دینی حالات پر سیاحوں، تاجروں، جہازرانوں اور عالموں کی زبانی واقعات و تاثرات نقل کیے اور اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں گراں قدر معلومات فراہم کیں البیرونی نے

اس زمانہ کے تھوڑے ہی دن بعد کتاب الہند لکھ کر یہاں کے عقلی علوم و فنون اور نجوم و ریاضی سے عالم اسلام کو واقف کیا، یہ امتیاز صرف ہندوستان ہی کو حاصل ہے کہ دو مسلم مصنفوں نے اس ملک کو اپنی کتاب کا موضوع قرار دیکر اس کے نام کو اپنی کتاب کا عنوان بنایا۔

سیّاح اور جغرافیہ نویس

سیاحوں میں سلیمان تاجر (م ۲۳۷ھ) اور ابو زید سیرافی (م ۲۶۴ھ) نے اپنے رحلات میں، اصطخری (م ۳۴۰ھ) نے مسالک الممالک میں، ابن حوقل بغدادی (م ۳۵۸ھ) نے صورۃ الارض میں ابو دلف ینبوعی بغدادی (حدود ۳۴۰ھ) نے اپنے سفر نامے میں، ابن رستہ (م ۲۹۰ھ) الاعلاق النفیسہ میں، ابن خرداذبہ (م ۲۵۰ھ) نے المسالک والممالک میں، ابن فقیہ ہمدانی (م ۲۹۰ھ) نے کتاب البلدان میں، مسعودی (م ۳۴۶ھ) نے مروج الذہب اور اخبار الزمان میں، مقدسی بشاری (م ۳۷۵ھ) نے احسن التقاسیم میں، بزرگ بن شہریار ناخدا (م ۳۴۰ھ) نے عجائب الہند میں، البیرونی (م ۴۴۰ھ) نے کتاب الہند میں، ابو حامد غرناطی (م ۵۵۷ھ) نے تحفۃ الالباب میں، شریف ادریسی (م ۵۶۰ھ) نے عجائب البر والبحر میں، زکریا قزوینی (م ۶۸۲ھ) نے آثار البلاد میں، یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ) نے معجم البلدان میں ابو الفداء نے تقویم البلدان میں، اپنے اپنے دور میں ہندوستان اور سندھ کے شہروں، دیہاتوں، دریاؤں، پہاڑوں، صحراؤں اور راستوں کے نام، حالات اور ان کی مسافات وحدود کو تفصیل کے ساتھ مشاہدات و اخبار کی روشنی میں بیان کیا۔

مورخ اور تذکرہ نگار

مسلم مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے پورے عالم اسلام کی طرح ہندوستان کے غزوات و فتوحات پر مستقل کتابیں لکھیں اور عام کتابوں میں ان کا تذکرہ کیا، مشہور مورخ اور فتوحات و غزوات کے عالم واقدی (م ۲۰۷ھ) نے اخبار فتوح بلد السند لکھی، ابو الحسن علی بن محمد مدائنی (م ۲۲۵ھ)

نے کتاب ثغر الہند و کتاب فتح مکران اور کتاب عمال الہند لکھی، ابوالحسن احمد بن یحییٰ بلاذری (م ۲۷۹ھ) نے فتوح البلدان میں فتوح سند کا مستقل عنوان دے کر ہندوستان کی فتوحات پر پُرمغز معلومات جمع کیں، اسی طرح بعد کے ائمہ تاریخ مثلاً امام طبری، ابن اثیر، ابن خلدون وغیرہ نے اپنی کتابوں میں یہاں کے حالات قلمبند کیے۔

اسلام اور مسلمانوں کے رجال کی تاریخوں اور تذکروں میں ہندوستان کے رجال پر بہت کچھ لکھا گیا اور ان ہی تذکرہ نگاروں کی بدولت یہاں کے علماء کے حالات محفوظ ہو سکے، چنانچہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، ابوسمعانی نے کتاب الانساب میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں، یاقوت حموی نے معجم البلدان اور معجم الادباء میں، ابن عماد نے شذرات الذہب میں، ابن ندیم نے الفہرست میں، قفطی نے اخبار العلماء باخبار الحکماء میں اس ملک کے ارباب علم وفن کے حالات لکھے۔

دینی علوم وفنون اور علماء محدثین پورے عالم اسلام کی طرح ہندوستان بھی اسلامی علوم وفنون کا گہوارہ تھا جس سے حدیث، تفسیر، سیر، مغازی، فقہ اور دیگر مروجہ علوم میں یہاں کے علماء سرآمدۂ روزگار تھے، یہاں ایسے گھرانے پیدا ہوئے ہیں جو صدیوں تک بیت العلم رہے، اور ان کے خاندان میں علم دین کی وراثت چلتی رہی، آل ابی معشر سندھی نے دوسری صدی سے چوتھی صدی تک مدینہ اور بغداد میں حدیث اور سیر ومغازی میں اپنی امامت کا سکہ چلایا، ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندی مدنی نے مدینۃ الرسول میں احادیث واخبار کی روایت کی محمد بن معشر نجیح سندی متوفی ۲۴۴ھ کو خلیفہ مہدی مدینہ سے بغداد لایا اور حدیث رسولؐ کا یہ مدنی سرچشمہ بغداد میں جاری ہوا، ابوسلیمان داؤد بن محمد بن ابومعشر اور ابوبکر حسین بن محمد بن ابومعشر نجیح سندی بغدادی متوفی ۳۰۵ھ نے سیر ومغازی اور حدیث وتفسیر میں بلند مقام پایا، ہند کا ایک اور علمی خاندان خراسان میں جا کر آباد ہوا جس نے نسل درنسل علم حدیث میں امامت وسیادت پائی، امام حافظ ابومحمد رجاء بن سندی نیساپوری، ان کے بیٹے امام ابوعبداللہ محمد بن رجاء سندی نیساپوری،

اور ان کے دو بیٹے امام حافظ ابوبکر محمد بن محمد بن رجار سندی جرجانی حنظلی متوفی ۲۸۶ھ اور اسمٰعیل بن محمد بن رجار سندی اساطین حدیث ہیں ان میں سے پہلے تینوں کی ثقاہت پر محدثین کا اتفاق ہے، ان میں امام ابوبکر محمد بن محمد بن رجار سندی نے صحیح مسلم کے طرز پر حدیث میں ایک اہم کتاب المستخرج علی صحیح مسلم لکھی تھی۔

اسی طرح دیبل کا ایک علمی خاندان مدتوں بیت العلم رہا، امام ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی محدث مکہ متوفی ۳۲۲ھ اور ان کے صاحبزادے ابراہیم بن محمد بن ابراہیم دیبلی بغدادی نے احادیث کی ترویج و روایت میں نمایاں خدمات انجام دیں، اسی طرح امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ دیبلی دارالاہل شام کے مُقری تھے اور ان کے پوتے علی ابن محمد بن محمد دیبلی شافعی اپنے زمانہ کے زبردست فقیہ اور محدث تھے ان کی کتاب ادب القضاء بہت مشہور ہے، امام ابوبکر احمد بن قاسم بن سیما بیع سندی بغدادی کا خاندان بھی بغداد میں مدتوں علم حدیث کا گہوارہ رہا، ہندوستان اور سندھ کے ان علمی خانوادوں کے علاوہ بہت سے علمار و محدثین اس خاک سے اٹھے جنہوں نے عالم اسلام میں امامت و شیخیت کی سند پائی، نیز عالم اسلام کے علمار نے ہندوستان آکر یہاں دینی علوم کی ترویج و اشاعت کی اور یہاں کی درسگاہوں اور علمی مجلسوں سے استفادہ کیا، ہم نے ہر حکومت کے حال میں وہاں کی علمی سرگرمی اور علمار کا مختصر تذکرہ کر دیا ہے اس لیے یہاں پر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

شعر و ادب اور شعرار و ادبار ہندوستان اور سندھ کے شعرار نے بھی عرب ممالک اور دوسرے علاقوں میں شعر و ادب کی محفل سجائی اور وہ عربی شاعری میں اپنے معاصر شعرار کے ساتھ ساتھ چلے، ابوعطار سندی حماسی، سندی بن صدقہ، منصور ہندی، ابوالضلع سندی، اور محمد بن سندی مکی وغیرہ نے صدر اسلام کی عربی شاعری میں باوقار مقام حاصل کیا، اور بعد کے شعرار میں رابعہ بنت کعب قزداری، محمد بن حسن بن سندی بن شاہک ایلی المعروف بہ کشاجم مسعود بن سعد بن سلمان لاہوری

ہارون بن موسیٰ ملتانی، عبد اللہ بن سوید تمیمی سندی اور حسن بن حامد دیبلی، ابو الغراف عمرو بن مرثد سلمی سندی وغیرہ یہاں کے آسمان شعر و ادب کے روشن ستارے ہیں، جن کے کلام ادب و محاضرات اور تاریخ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، بیرونی شعراء نے ہندوستان کے مقامات و احوال پر اشعار کہے اور اس علاقہ کو اپنی شاعری میں نمایاں جگہ دی، اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام مشہور اموی شاعر فرزوق کا ملتا ہے جس نے حاکم سندھ تمیم بن زید قینی کے پاس ایک سپاہی کے بارے میں منظوم سفارش لکھی تھی، اور تمیم نے ایک شبہ کی بناء پر حنیس اور خنیس نام کے جسقدر فوجی تھے سب کو وطن جانے کی اجازت دیدی تھی۔ عباسی دور کے مشہور شاعر ابو العتاہیہ ۲۱۳ھ نے اپنے شعر میں سندان کا تذکرہ کیا، اسی طرح ابو عبادہ بحتری ۲۸۴ھ نے سندان، بیاس اور مجاس کا، ابن ہرمہ نے مندل اور قمار کا، حبیب بن زمان مازنی نے قندابیل کا، یزید بن مفرغ نے قندھار کا، حکم بن عمرو تغلبی اور اعشیٰ ہمدانی نے مکران اور ہندوسندھ کا تذکرہ کیا، مامون نے ایک مرتبہ مشہور شاعر احمد بن ابی نعیم کو سزا کے طور پر سندھ میں جلا وطن کر دیا تھا، ابو الصلع ہندی نے اپنی ایک نظم میں ہندوستان کی ممتاز اشیاء کو بیان کر کے اپنے قومی اور وطنی تعلق کو ظاہر کیا، ہارون بن موسیٰ ملتانی نے ایک نظم میں اپنی ایک جنگ کا تذکرہ کیا، جس میں اس نے راجوں کے جنگی ہاتھیوں کو ایک بلی سے بھگانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ منصورہ کے ایک عالم و شاعر نے الور کے راجہ کی مدح میں عربی میں ایک نہایت فصیح و بلیغ قصیدہ لکھ کر بھیجا، جسے سمجھ کر راجہ بہت متاثر ہوا، اور اسے اسلام فہمی کا مزید اشتیاق بڑھا، مسعود بن سعد لاہوری نے عربی کے علاوہ فارسی اور ہندی میں بھی شاعری کی اور ان تینوں زبانوں میں اشعار کے دیوان چھوڑے۔

طب، نجوم، ریاضی اور دوسرے معقولاتی علوم و فنون، اور ان کے علماء و فضلاء

یہاں کے عقلی علوم و فنون اور طب و نجوم کو علمائے اسلام نے اپنی کتابوں میں مستقل جگہ دی اور ان کے لیے بڑا اہتمام کیا، البیرونی نے کتاب الہند اور قانون مسعودی میں، قاضی ابن صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں، ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں، قفطی نے اخبار العلماء میں، شہرستانی نے الملل والنحل میں ہندوستان کے ان فنون کا تذکرہ

کیا، خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں یحیٰی بن خالد برمکی اور دوسرے برامکہ نے بیت الحکمۃ قائم کرکے ہندوستانی طب اور علمائے طب کی خدمت کی، ہندی کتابوں کے ترجمے کرائے، ہندوستانی حکماء و اطباء کو بغداد بلایا، اور ہندوستانی طب کے ماہروں میں سے بازی گر، باکھر، بہلہ، توقشتل، جارا کا دبک، ساموں، سسروتا، کنکہ، منکہ، صکہ، صنجل، ناقل، ہنق وغیرہ کی کتابوں کے ترجمے ہوئے اور ان کی طبی وفنی آراء کی روشنی میں ہندوستانی طب میں نئے نئے تجربات کیے گئے، بہلہ ہندی، صالح بن بہلہ ہندی بغدادی اور حسن بن صالح بن بہلہ ہندی بغدادی، ہندوستانی طب کے ترجمان وامام کی حیثیت سے بغداد میں خدمت انجام دیتے تھے، یہ خاندان "ایں ہمہ خانہ آفتاب است" کے مصداق تھا، اسی طرح ماشاء اللہ ہندی نے یہاں کے طبی اور ریاضی علوم پر بڑی اہم کتابیں لکھی تھیں، ابن دھن ہندی اور ابن قمائص ہندی بھی اپنے وقت میں ہندی علوم کے ترجمان و نشان تھے، یہاں کی مشہور حکمت وسیاست کی کتاب کلیلہ دمنہ کو عبداللہ بن مقفع نے عربی میں منتقل کیا، محمد بن ابراہیم فزاری، حنش بن عبداللہ بغدادی، ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی، اور حسین بن محمد (ابن آدمی) وغیرہ نے اپنی اپنی زیچوں میں ہندوستان کے تین مشہور ریاضی کے مکاتیب خکر سدھانت (السند الہند) ازجبیر اور ارکند کو تفصیل سے بیان کیا، نیز خوارزمی نے یہاں کے غبار نامی طریقۂ حساب کو پھیلایا، ابو معشر جعفر بن عمر بلخی نے کتاب الالوف میں کنکہ (گنگا) ہندی کے فلکیاتی اور نجومی افکار و نظریات کو بیان کرکے اسے سراہا۔

ہندوستان کے دانشوروں میں مکران کا سلطان حسین بن معدان خاص مقام رکھتا تھا جس نے اپنے دور کے مشہور مصری طبیب سے فنی مسئلہ پر خط وکتابت کی، ذوبان زابلستانی نے خلیفہ مامون کی خدمت میں حاضر ہوکر ہندوستان کے راجوں کی روایات اور یہاں کی حکمت و دانائی کی کتابوں کی تصریحات کی روشنی میں حکومتوں کے انقلاب کی خبر دی، اسی طرح دانائے ہند نامی ایک شخص ہندوستان سے خراسان میں شاہ محمد بن تکش کے دربار میں پہنچا اور طوالع و تعبیرات میں اپنی فنی مہارات کا مظاہرہ کیا۔

اسلامی ہند میں رشتۂ مواصلات، بری و بحری شاہراہیں اور مختلف مقامات کی مسافتیں

چوتھی صدی ہجری میں عالم اسلام ایک دنیا تھا جس میں شمال میں حدود چین، جنوب میں بحر محیط، مغرب میں روم اور مشرق میں ہندوستان اور بحر فارس تھا، اس کا طول فرغانہ، خراسان، جبال، عراق اور دیار عرب کے سواحل یمن کو لیے ہوئے تقریباً پانچ مہینے کی مسافت تھا اور عرض روم، شام، جزیرہ، عراق، فارس، کرمان، سواحل فارس اور منصورہ تک تقریباً چار مہینے کی مسافت تھا، اس میں اسلامی ہند کی مسافت مکران، منصورہ، سندھ، ملتان اور قنوج تک تقریباً تین مہینے کی تھی، جس میں جگہ جگہ مسلمانوں کی حکومتیں قائم تھیں۔

اسلامی ہند کی یہ طول طویل مسافت یہاں کی بڑی بڑی شاہراہوں کے ذریعہ طے ہوتی تھی، یہاں کے چھوٹے بڑے شہر اور دیہات ان راستوں کی وجہ سے ملے ہوئے تھے اور یہ پورا علاقہ ایک محلہ بنا ہوا تھا، یہاں کے مشہور مقامات کے درمیان اس کے حساب اور اندازہ کے مطابق یہ فاصلے تھے:-

تیز مکران	سے	کیز	۵ مرحلے	ارمائیل	سے	قنبلی	۲ مرحلے
کیز	سے	قنزپور	۲ "	قنبلی	"	دیبل	۴ "
قنزپور	"	درک	۳ "	منصورہ	"	دیبل	۶ "
درک	"	راسک	۳ "	منصورہ	"	ملتان	۱۲ "
راسک	"	فہل فہرہ	۳ "	منصورہ	"	طوران	۱۵ "
فہل فہرہ	"	اصفقہ	۳ "	قصدار	"	ملتان	۲۰ "
اصفقہ	"	بند	۱ "	منصورہ	"	بدھ	۵ "
بند	"	بہ	۱ "	کیز	"	بدھ	۱۰ "
بہ	"	قصر قند	۱ "	بدھ	"	تیز مکران	۱۵ "
کیز	"	ارمائیل	۶ "	تیز مکران	"	قصدار	۱۲ "

ملتان	سے	مدود باس	۱۰ مرحلے	سندان	سے	سمندر	½ فرسخ
قندابیل	سے	مستنج	۴ "	جیمور	"	سندان	۵ مرحلے
قصدار	"	قندابیل	۵ فرسخ	جیمور	"	سرندیپ	۱۵ "
قندابیل	"	منصورہ	۸ مرحلے	ملتان	"	بسمد	۲ "
قندابیل	"	ملتان	۱۰ "	الور	"	انری	۴ "
منصورہ	"	قامہل	۸ "	انری	"	قلری	۲ "
قامہل	"	کنبائت	۴ "	قلری	"	منصورہ	۱ "
کنبائت	"	سمندر	۱ فرسخ	دیبل	"	بیرون	۴ "
کنبائت	"	سوپارہ	۴ مرحلے	بیرون	"	منجابری	۲ "
سوپارہ	"	سمندر	½ فرسخ	قلری	"	بلری	۴ فرسخ[1]
سوپارہ	"	سندان	۵ مرحلے	بانیہ	"	منصورہ	۱ مرحلہ
بسمد	"	الور	۳ "				

خشکی کی شاہراہیں اور ان کی درمیانی مسافتیں

خراسان اور اس کے آگے سے آنے والی قدیم تجارتی شاہراہوں کا سلسلہ اسلامی ہند تک پھیلا ہوا تھا، اور یہاں کے بڑے بڑے تجارتی اور تمدنی و ثقافتی شہروں کے درمیان قافلوں کی آمد و رفت رات دن جاری رہا کرتی تھی، مکران سے لیکر منصورہ تک کُل ۳۵۸ فرسخ کی مسافت امن و سلامتی کی شاہراہ تھی، یہ پورا راستہ جاٹوں کے دیس سے گذرتا تھا اور یہاں کی مسلمان حکومتوں کے زیر انتظام یہی جاٹ پوری شاہراہ کے محافظ تھے، اسی طرح سجستان کے شہر زرنج (زرنگ) سے ملتان دو مہینے کی مسافت تھی، اور یہ پوری مسافت بھی امن و امان سے رات دن طے کی جاتی تھی، ابن خرداذبہ نے طوران سے منصورہ تک کی بڑی بڑی منزلوں

[1] ہم نے یہ تفصیلات مسالک الممالک ص ۱۰۸ و ص ۹۷ سے لی ہیں دوسری کتابوں میں تھوڑے بہت اختلاف بھی ہیں۔

کے نام اوران کی درمیانی مسافتوں کو یوں بیان کیا ہے،

فہرج سے	طوران تک	۱۰ فرسخ	وہاں سے	قلمان تک	۶ فرسخ
وہاں سے	باسورجان	۱۴ "	وہاں سے	سرائے خلف	۴ "
وہاں سے	قریہ یحییٰ بن عمرو	۱۰ "	وہاں	قنزپور	۳ "
وہاں سے	ہذار (قدار؟)	۱۰ "	وہاں سے	جیشہ	۱۰ "
وہاں سے	مدر	۱۰ "	وہاں سے	قصدار	۱۰ "
وہاں سے	سوسارہ	۱ "	وہاں سے	جور	۴۰ "
وہاں سے	درک باموبہ	۹ "	وہاں سے	اسفرشان (سندھان) تک	۴۰ "
وہاں سے	تجھین	۱۰ "	وہاں سے	قریہ سلیمان بن سمیع تک	۲۸ "
وہاں سے	علاقہ بلوچ	۲۰ "	وہاں سے	منصورہ	۸۰ "
وہاں سے	جبل مالح (نمک کے پہاڑ)	۶ "	قریہ سلیمان بن سمیع علاقہ خراسان سے		
وہاں سے	نخل تک	۹ "	چلنے والے ان قافلوں کی بندرگاہ ہے جو ہندوستان اور سندھ کا رخ کرتے ہیں[1]		

سمندری شاہراہیں اوران کی درمیانی مسافتیں

بصرہ سے مشرق کی سمت براہ سمندر ایک مقام تارا آتا تھا، اسی کے بعد سے جہاز حدود سندھ میں داخل ہوتے تھے، یہ مقام فارس اور سندھ کے درمیان واقع تھا۔ سندھ کے بعد بحری راستوں اور بندرگاہوں کی فہرست اوران کی مسافت ابن خرداذبہ نے حسب ذیل بیان کی ہے،

تارا سے	دیبل	۸ دن کی راہ	اوتکین سے	مید	دو فرسخ
دیبل سے	دریائے سندھ کا دہانہ	دو فرسخ	وہاں سے	کولی	دو فرسخ
دریائے سندھ سے	اوتکین	۴ دن کی راہ	وہاں سے	سندان	۱۸ فرسخ

[1] المسالک والممالک ص ۵۵ وص ۵۶۔

وہاں سے سنجلی اور کبشکان ایک دن کی راہ
وہاں سے گوداوری کا دہانہ تین فرسخ
وہاں سے کیلکان، لوا، اور کنجہ ۲ دن کی راہ
وہاں سے سمندر دس فرسخ
وہاں سے اورنشین بارہ فرسخ[1]

وہاں سے بلی ۵ دن کی راہ
وہاں ،، بلین ۲ ،، ،،
وہاں ،، لجہ عظمی ۲ ،، ،،
بلین سے راستے مختلف ہوجاتے ہیں، ساحلی مسافر کے لیے یہ منزلیں تھیں۔
بلین سے پاپٹن ۲ دن کی راہ

عرب اور ہندوستان کے درمیانی سمندر میں چلتے پھرتے جہاز

عرب اور ہندوستان کے درمیان جو تجارتی جہاز آتے تھے، وہ بہت بڑے بڑے ہوتے تھے، ان میں بڑی تعداد میں مسافر اور سامان ہوا کرتے تھے، ان میں بسا اوقات ایک ہزار آدمی سفر کرتے تھے، مسعودی نے اخبار الزمان میں چین جانے والے جہازوں کے متعلق لکھا ہے کہ اکثر اوقات ان میں چار سو تاجر سوار ہوتے ہیں اور پانچ سو سپاہی ہوتے ہیں جو بحری ڈاکوؤں سے جنگ کرتے ہیں، ان میں ہتھیار اور تارگول رکھے جاتے ہیں جو گرم کر کے ڈاکوؤں پر جہاز سے پھینکے جاتے ہیں[2]۔ اسمٰعیلویہ ناخدا کے جہاز میں ایک مرتبہ دو سو کی تعداد میں سرکاری آدمی سوار تھے[3]۔ وہ ایک مرتبہ بلاد الذہب یعنی گجرات کی طرف جہاز لے گیا اور جب ساحل کے قریب پہنچا تو کسی ضرورت سے جہاز روکنا پڑا، اور لنگر گرایا جس کا وزن چھ سو (۶۰۰) سیر یا اس سے بھی زیادہ تھا[4]۔ اس کے پاس سولہ جہاز تھے جو سمندروں میں چلتے تھے، ۳۳۲ھ میں ایک قیافہ داں نے اسے بتایا کہ تمہارے پندرہ جہاز عمان تک صحیح سالم پہنچیں گے، مگر ایک سمندر میں ٹوٹ جائے گا، اس کے صرف تین آدمی ہی بچ سکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا[5]۔ الوالزہر برختی کا ایک جہاز ۳۱۷ھ میں منزدیہ سے تجارتی مال لاد کر آرہا تھا جس کا محصول

---

۱ المسالک والممالک ص ۶۲ و ص ۶۴ - ۲ اخبار الزمان ص ۳۹ - ۳ عجائب الہند ص ۵۳
۴ عجائب الہند ص ۸ ۵ ،، ص ۶۰

چھ لاکھ دینار تھا۔ ۳۰۶ھ میں سیراف سے چیمور کے لیے ایک بڑا جہاز چلا جس کے ساتھ عبد اللہ بن جنید اور سبا نامی دو آدمیوں کے جہاز بھی تھے[۱] ان میں ضروریات زندگی کی تمام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چیزیں مہیا رہا کرتی تھیں، اور بحری ڈاکوؤں سے حفاظت کے لیے اسلحہ اور سپاہی بھی ہوتے تھے کیونکہ ہندوستان کے مید یعنی ڈاکو ان جہازوں کو حدود ہند سے باہر بھی جا کر لوٹتے تھے سقوطرہ کے اطراف میں یہ اپنی کشتیاں لے کر جاتے تھے اور ہندوستان اور چین آنے جانے والے جہازوں کو لوٹتے تھے، ان سے جنگ کرنے کے لیے جہازراں ہندوستان ہی کے سیابجہ اور احامرہ کو جہازوں پر ملازم رکھتے تھے، ان ڈاکوؤں سے سمندری لڑائی کے لیے تارکول بہت کام آتا تھا اسے گرم کر کے ڈاکوؤں پر پھینکتے تھے، ایک ایک جہاز پر پانچ پانچ سو سپاہی اور محافظ رکھے جاتے تھے، جزیرۂ قیس میں سرکاری فوج رہا کرتی تھی جو آنے جانے والے جہازوں کی پوری حفاظت کرتی تھی، یہ لوگ سمندری لڑائی میں ماہر ہوتے تھے اور کشتیوں اور جہازوں کی دیکھ بھال میں مشہور تھے، سمندر میں کئی کئی دنوں تک تیرا کرتے تھے اور اس حالت میں تلواروں سے یوں لڑتے تھے جیسے کوئی خشکی میں شمشیر بازی کرتا ہے[۲]

ہندوستان آنے والے تیر ماہی جہاز بحر ہند میں شدید طوفان و تلاطم کی وجہ سے ہر موسم میں جہازرانی عام طور سے نہیں ہوتی تھی، اس کا جوش و خروش سورج کے برج سنبلہ میں جانے پر ختم ہوتا تھا اس وقت اس میں جہازرانی ہوتی تھی، اس میں سب سے زیادہ سکون سورج کے برج قوس میں جانے پر ہوتا تھا۔ عمان سے ہندوستان کے لیے نہایت مضبوط اور اکھم جہاز چلائے جاتے تھے، جن پر سامان اور وزن کم ہی رکھا جاتا تھا، عمان سے ہندوستان جانے والے ان جہازوں کو تیر ماہیہ کہتے تھے[۳]

بعض جہازراں اور ناخدا جس زمانے کی بحری تجارت کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں، اس میں

---

[۱] عجائب الہند ص ۱۳۳ ـ [۲] معجم البلدان ج ۳ ص ۳۸ ـ [۳] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۴۷ و ص ۱۴۸ ـ

عرب تاجروں کے جہاز بحر روم سے بحرِ چین تک سرگرم سفر رہا کرتے تھے، جو ناخدا اور جہاز راں ان سمندروں میں جہاز رانی کیا کرتے تھے اور اس فن میں اپنے دور کے استاد مانے جاتے تھے ان میں سے چند کے نام ہم بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی کی کتاب عجائب الہند سے درج کرتے ہیں:۔

(۱) بزرگ بن شہریار، ناخدا رامہرمزی، یہ فارس کے شہر رامہرمز کا رہنے والا تھا، عرب سے ہندوستان اور چین تک چوتھی صدی میں جہاز رانی کرتا تھا، اس نے اپنے سفر پارے اپنی کتاب عجائب الہند میں درج کیے ہیں، جس میں ہندوستان کے بارے میں اس دور کی بہت سی بیش بہا معلومات درج ہیں، اس نے ہندوستان کے نام پر اپنی کتاب لکھ کر اس ملک کا نام روشن کیا ہے، اس باب کی اکثر معلومات اس کی مرہون منت ہیں۔

(۲) ابو عبداللہ محمد بن بابشاد بن حرام بن حمّویہ سیرافی، بلاد الذہب (گجرات) کا بحری سفر کرنیوالے ناخداؤں میں یہ شخص سب سے زیادہ مشہور ماہر تھا۔ بحریات کا سب سے بڑا عالم اور بحریوں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف ناخدا تھا، اس کی بحری معلومات اور جہاز رانی کی مہارت میں شہرت کی وجہ سے ہندوستان کے ایک راجہ نے اس کی تصویر بنوائی تھی، کیوں کہ ہندوستان میں رواج تھا کہ جس شخص کو اہمیت اور قدر و منزلت حاصل ہوتی ہے اس کی تصویر بنائی جاتی ہے۔

(۳) اسمٰعیل بن ابراہیم بن مرداس ناخدا، یہ اسمٰعیلویہ کے لقب سے مشہور تھا، اشکنین ناخدا کا داماد تھا، بلاد الذہب (گجرات) کے ناخداؤں میں سے تھا اور عرب سے گجرات تک جہاز رانی کرتا تھا، ۳۳۹ھ میں موجود تھا۔

(۴) ابو محمد حسن بن عمر۔

(۵) احمد بن علی بن منیر ناخدا سیرافی، فنِ جہاز رانی میں اس کی شہرت دور دور تک تھی، یہ ان ناخداؤں میں سے تھا جنہوں نے مختلف سمندروں میں جہاز رانی کی ہے۔

(۶) ابو محسن محمد بن احمد عمر سیرافی، اس کا زمانہ ۳۰۰ھ میں تھا۔

(۷) ابوالزہر برختی ناخدا، یہ سیراف کے متمول اور آسودہ حال لوگوں سے تھا، لوگ اپنی امانتیں اس کے پاس رکھا کرتے تھے، پہلے ہندو مذہب پر تھا، بعد میں مسلمان ہوا اور حج ادا کیا

(۸) ابن انشر قوا، یہ ابوالزہر برختی ناخدا کا ماموں تھا۔

(۹) ابو محسن علی بن شاداں سیرافی،

(۱۰) عبہرہ ربان، یہ جہاز کا ربان یعنی کپتان تھا، کرمان کا رہنے والا تھا، ابتداء میں بکریاں چرایا کرتا تھا، پھر صید و شکار کا پیشہ اختیار کیا، پھر ہندوستان آنے جانے والے جہاز کا ناخدا بنا، اس کے بعد ترقی کر کے جہاز کا کپتان ہو گیا، اس نے سمندر میں جہازرانی کی نئی راہیں معلوم کیں، سات مرتبہ چین کا سفر کیا، اس سے پہلے جو بھی چین کے سفر پر گیا آتے جاتے خطرات و مصائب میں ضرور پڑا، مگر یہ ہر مرتبہ بے خطر آیا، گیا۔ اور آرام سے جہازرانی کرتا رہا۔

(۱۱) شہریاری ربان، یہ کپتان تھا اور چین کے جہازرانوں میں مشہور ناخدا تھا۔

(۱۲) عمران اعرج، یہ بھی ایک جہازراں تھا۔

(۱۳) مروان شاہ، یہ بلاد فلفل (مرچ کے دیس) وغیرہ کے ناخداؤں میں سے تھا، ستر سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، آخر میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام مرزبان رکھا، اس لڑکے کی پیدائش سے اتنا خوش تھا کہ اس کو اور اس کی ماں کو اپنے ساتھ جہاز میں رکھتا تھا۔

(۱۴) یزید عمانی، یہ عام طور سے بلاد زنج (افریقہ) کا ناخدا تھا۔

(۱۵) راشد غلام بن بابشاد، یہ بڑا ماہر ناخدا تھا، ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی کشتی میں سیراف سے بصرہ تک گیا تھا۔

(۱۶) جعفر بن راشد، یہ ابن لاکیس کے لقب سے مشہور تھا، یہ بھی گجرات کے مشہور ناخداؤں میں تھا، اس نے چیمور میں بہت بڑا سانپ دیکھا تھا، اس کی زبانی اس کا واقعہ بزرگ بن شہریار نے بیان کیا ہے،

(۱۷) احمد ربان، یہ جہاز کا کپتان تھا، جو ایک بحری حادثہ میں ہلاک ہوگیا۔

(۱۸) جہود کوتاہ، یہ مشہور ناخداؤں میں تھا معمر تھا او جہاز رانوں اور دوسرے لوگوں میں اس کا بڑا احترام کیا جاتا تھا، راجہ گجرات کے سامنے ہر شخص کو ایک خاص طرح بیٹھنے کی پابندی تھی جسے برسیلا کہتے تھے، اس میں پاؤں نہیں پھیلا سکتے تھے، اور جو اس کی پابندی نہیں کرتا تھا اس پر جرمانہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ جہود کوتاہ ناخدا راجہ کے دربار میں حکمتِ عملی سے پیر پھیلا کر بیٹھا، اس کے بعد راجہ نے مسلمانوں اور عربوں کے لیے یہ پابندی اٹھادی۔

(۱۹) مرزویہ بن زرابخت، یہ چین اور گجرات آنے جانے والے جہازوں کا ناخدا تھا۔

(۲۰) ابو محمد حسن بن عمرو بن حمویہ بن حرام بن حمویہ بخیرلی، اس کا قیام بصرہ میں تھا، ۲۸۸ھ میں منصورہ میں تھا اس نے وہاں کے بعض معتبر مشائخ سے الور کے راجہ مہروق بن رائق کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔[1]

ہندوستان سے تجارت کرنیوالے چند مشہور تجار ہندوستان کے مختلف مقامات میں سیراف، عمان، بغداد بصرہ، بغداد، اور دیگر عرب ممالک وبلاد کے تاجر رہا کرتے تھے، عمان اور سیراف کے تاجر اور جہاز راں خاص طور سے ہندوستان کے دور دراز جزائر سے تجارت کرتے تھے اور ان کے بارے میں معلومات رکھتے تھے، اور یہاں کی جنسی بے اعتدالی کی وجہ سے سیراف کے مشائخ نوجوانوں کو یہاں آنے سے منع کرتے تھے، بہت سے مقامات پر ان کی مستقل آبادیاں ہوگئی تھیں اور وہ یہیں کے ہو رہے، چنانچہ مسعودی نے ۳۰۴ھ میں بمبئی کے قریب شہر چیمور میں دس ہزار کے قریب ایسے عربوں کو دیکھا تھا جو عرب ممالک سے آکر یہاں مستقل آباد ہوگئے تھے، جن میں بڑے بڑے تاجر تھے، جیسے گوا کا رہنے والا موسیٰ بن اسحاق صندا پوری، راجہ بلہرا کی طرف سے ان مسلمانوں کے لیے مسلمان حاکم ابو سعید معروف بن زکریا تھا جو ہنرمن کہلاتا تھا، ان عربوں کو یہاں بیسر اور بیاسرہ کہتے تھے، ابن رستہ نے لکھا ہے کہ گجرات کے راجہ کے

[1] ان تمام ناخداؤں اور جہاز رانوں کے نام اور حالات عجائب الہند کے مختلف مقامات سے لیے گئے ہیں۔

دیس میں عدل وانصاف عام ہے جس کی وجہ سے عرب تاجر اس کے ملک میں جاتے ہیں اور راجہ ان سے مال خریدتا ہے، اور جب یہ عرب تاجر وہاں سے فارغ ہو کر باہر نکلنا چاہتے ہیں اور راجہ سے اپنے لیے محافظ طلب کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میرے ملک میں چور نہیں ہیں، اگر کوئی بات ہوئی تو میں تمہارے مال کا ضامن ہوں، اسی طرح خود یہاں کے عرب حکمرانوں کی حکومت میں دیگر ممالک کے تجار رہا کرتے تھے، خاص طور سے دیبل، منصورہ، ملتان، الور، قنوج، قصدار وغیرہ ان کے اہم مرکز تھے، یہاں پر بہ سلسلۂ تجارت آنے جانے والے عربوں اور غیر ملکیوں میں چند تاجر بہت مشہور تھے، ان کے نام ہم بزرگ بن شہریار کی عجائب الہند سے پیش کرتے ہیں،

(۱) محمد بن مسلم سیرافی، مشہور تجارتی شہر سیراف کا رہنے والا تھا، بسلسلۂ تجارت شہر تھانہ (متصل بمبئی) میں بیس سال سے زائد سے مستقل قیام کرتا تھا، ہندوستان کے اکثر شہروں میں گھوم پھر چکا تھا اور ان کے حالات اور معاملات کو اچھی طرح سمجھتا تھا، ہندوستان کے باشندوں کے اخلاق وعادات سے خوب واقف تھا۔

(۲) یونس بن مہران سیرافی تاجر، یہ تاجر ہندوستان سے گذر کر زانج تک پہنچ گیا تھا، اس کا بیان ہے کہ میں نے یہاں کے راجہ کے شہر میں ان گنت بڑے بڑے بازار دیکھے ہیں؛ صرافہ بازار میں گھوم کر دیکھا تو آٹھ سو سیرافی وہاں پر تھے، شہر کے دیگر بازاروں میں جو پھیلے ہوئے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

(۳) داربزین سیرافی، یہ تاجر چین کے شہر خانفو میں جا چکا تھا، یہ قاضی عبداللہ بن فضل کے ماموں عبید اللہ بن ایوب کا سالا تھا۔

(۴) عبدالواحد بن عبدالرحمن فسوی، مدت دراز تک یہ تاجر بحری اسفار میں رہ چکا تھا اس نے ہندوستان کے بعض حالات بھی بیان کیے ہیں، یہ ابو حاتم فسوی کا بھتیجا تھا۔

(۵) علی بن محمد بن سہل، اس تاجر کا لقب سرور تھا، یہ بھی بحری تجارت کے سلسلے میں متعدد مقامات میں جا چکا تھا۔

(۶) ابو طاہر بغدادی، اس نے زابج جانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔

(۷) اسحاق یہودی، یہ شخص عمان میں دلالوں کے ساتھ کام کرتا تھا، ایک مرتبہ اس کا ایک ہم مذہب یہودی سے جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے یہ عمان سے صرف دو سو دینار لے کر بھاگ نکلا، اور تیس سال تک ایسا لاپتہ رہا کہ کسی کو اس کی خبر نہیں لگی، پہلے اسحاق یہودی عمان سے ہندوستان کے شہروں کا سفر کیا کرتا تھا۔

(۸) ابو الزہر برختی سیرافی، اس کا تذکرہ جہاز رانوں میں گذر چکا ہے، یہ سیراف کے اعیان میں سے تھا، اسلام لانے کے بعد حج کیا اور دینی زندگی بسر کی، ایک مرتبہ اس کا جہاز بلایا کے قریب طوفان میں پڑ گیا تھا، اس جہاز میں اندلس کے ایک بزرگ بھی تھے جن کا قصہ عجائب الہند میں ہے ۳۱۷ھ میں ابو الزہر برختی کا ایک تجارتی جہاز سرندیپ سے سیراف پہنچا تو اس پر اس قدر تجارتی سامان تھا کہ چھ لاکھ دینار سرکاری محصول ہوا۔

(۹) جزیرہ کیش جسے قیس بھی کہتے ہیں، عمان میں تھا، یہاں کے حاکم کے پاس اس قدر زیادہ جہاز اور ڈونگی کشتیاں تھیں کہ ان کی وجہ سے ہندوستان کے ملوک و سلاطین اس سے مرعوب اور ہیبت زدہ تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان میں اس کے تجارتی جہاز کثرت سے بڑی تعداد میں آتے جاتے تھے۔

ہندوستان کے تاجر عرب ممالک میں

اس زمانہ میں جس طرح غیر ممالک کے تاجر ہندوستان آکر یہاں کی چیزیں اپنے ملکوں میں لے جا کر فروخت کرتے تھے، اسی طرح یہاں کے مسلم اور غیر مسلم تاجر عرب وغیرہ جایا کرتے تھے، یہاں کے مسلمان تاجروں کی بیرونی تجارت عام تھی، بعض اوقات ہندو بھی بڑی تعداد میں سیراف وغیرہ جاتے تھے چنانچہ ابو زید سیرافی نے یہاں کے سیکڑوں ہندو تاجروں کے ایک ساتھ سیراف جانے کی تصریح کی ہے، اور لکھا ہے کہ ہندو ایک ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے، اس لیے جب یہ لوگ سیراف جاتے ہیں اور کوئی بڑا مسلمان تاجر ان کی دعوت کرتا ہے تو ان کی تعداد سیکڑوں یا اس سے کم

یا زیادہ ہو ہر ایک کے سامنے علیحدہ علیحدہ برتن رکھنا پڑتا ہے۔[1]

برکت کا واقعہ

بزرگ بن شہر یار نے ہندوستان سے عربوں کی تجارت کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ عدن میں سعید الفقیر نامی ایک نیک اور غریب شخص رہتا تھا مسجد گویا اس کا گھر تھی، اس کے تین لڑکے تھے اور وہ بھی اپنے باپ ہی کی طرح تنگدستی کی زندگی بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ سعید فقیر کے ایک تاجر دوست نے کہا کہ میں ہندوستان کے شہر کلہ (جنوبی ہند کا ساحلی شہر اور بندرگاہ) تجارتی کاروبار کے لیے جا رہا ہوں، اگر تم کو کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ میں پوری کروں گا، سعید فقیر نے اپنے دوست کی یہ بات سن کر آدھے درہم کا ایک مٹی کا گھڑا خرید لیا جس پر سبز روغن پھیرا ہوا تھا، اور اس میں نمک رکھ کر ایک خاص ترکیب سے بند کر دیا، اور اپنے دوست سے کہا کہ تم اسے ہندوستان لیتے جاؤ اور اسی سے میرے لیے برکت خرید لینا، اس نے وہ گھڑا لے کر جہاز میں رکھ لیا اور کلہ کے لیے روانہ ہو گیا، یہاں آکر خرید و فروخت کیا، مگر اسے سعید کا گھڑا یاد نہ رہا اور چلنے کی تیاری میں لگ گیا ان ہی دنوں کلہ کے بازار میں دیکھا کہ ایک شخص بڑی مچھلی رسّی میں باندھ کر کھینچتا اور چلاتا تھا کہ برکت کون لے گا، برکت کا لفظ سن کر اس تاجر کو اپنے دوست کی بات یاد آئی، اور اس نے فوراً آدمی کو دوڑا کر جہاز سے اس کا نمک والا گھڑا منگایا اور مچھیرے سے اس مچھلی کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ شکاری اسے برکت کہتے ہیں، اس نے سوچا کہ میرے دوست نے برکت خریدنے کی فرمائش کی تھی، غالباً وہ یہی ہے، بہر حال اس نے وہ نمک دیکر مچھلی خرید لی اور جب نمک بھرنے کے لیے اسے چاک کیا تو اس کے شکم سے ایک موتی نکلا، جسے عدن آکر سعید کو دے دیا، یہ موتی سعید کی زندگی بھر اس کے پاس رہا، اس کے مرنے پر چھوٹے لڑکے نے سُرّمن رأی (سامرا) جا کر خلیفہ معتمد کے ہاتھوں ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا، حالانکہ اس کی قیمت اس سے بھی زیادہ تھی۔[2]

---

[1] رحلۃ ابو زید سیرافی۔ [2] عجائب الہند ص ۹۶ و ص ۹۷۔

ہندوستانی مال کی بڑی ساحلی منڈیاں اور مرکزی تجارت گاہیں

ہندوستان کی بحری تجارت ایک طرف ممالک عرب کے سواحل سے گذر کر بڑے بڑے بازاروں اور اندرونی علاقوں میں عام تھی اور دوسری طرف چین کے شہروں میں ہندوستانی اور عربی تاجر یہاں کے سامانِ تجارت لے کر جاتے اور بھاری منافع پر فروخت کرتے تھے۔

سندھ سے جو تجارتی جہاز عرب ممالک کا رخ کرتے تھے، ان کے لیے مشہور بندرگاہیں یہ تھیں، راس حجمہ کی بندرگاہ قدیم زمانہ میں عمان اور عدن کے درمیان واقع تھی، آجکل بحرین میں ہے، یہاں موتی نکلتے تھے اور ہندوستان آنے جانے والے جہاز یہاں رکتے تھے، بلجان بصرہ اور عبادان کے درمیان میں ایک مقام تھا، جزیرۂ کیش کے جو تجارتی جہاز ہندوستانی مال لے کر آتے تھے، ان کی بندرگاہ یہی مقام تھا، یہاں ایک قلعہ تھا اور علاقہ کا حاکم بھی یہیں رہتا تھا، بعد میں یہ بندرگاہ ٹوٹ گئی اور عبادان کے قریب محرزہ نامی دوسری بندرگاہ بنائی گئی جو تجارتی جہازوں کا مرکز بن گئی، اور مدتوں کام آتی رہی، جار بحرِ قلزم میں مدینہ منورہ کی بندرگاہ ہے یہاں پر حبشہ، مصر، عدن، چین اور ہندوستان کے تمام شہروں سے آنے والے تجارتی جہاز ٹھہرتے تھے دورقستان عسکر مکرم کی نہر کے کنارے پر ایک چھوٹا شہر تھا، جو سمندر سے ملا ہوا تھا، یہاں ہندوستان کی سمت سے آنے والی کشتیاں اور جہاز ٹھہرا کرتے تھے، سیراف ہندوستان اور عرب کے درمیان بڑی بندرگاہ تھا، یہاں تاجروں کی آبادیاں تھیں اور کئی کئی طبقے کے پتھر کے مکانات تھے، بڑا آباد اور بارونق شہر تھا مگر ایک زلزلہ میں تباہ و برباد ہو کر رہ گیا، یہاں ہندوستان کے آنے جانے والے جہاز ٹھہرتے تھے، بعد میں جزیرۂ قیس کو آباد کر کے مرکزیت دی گئی تو سیراف کے بجائے یہی مقام ہندوستان کے جہازوں کی بندرگاہ بن گیا اور اسی جگہ تاجر آنے لگے، عدن پہلے زمانہ میں بہت ہی خراب و خستہ شہر تھا، اس کے باوجود ہندوستان کے جہازوں کی بندرگاہ تھا، یہاں پر مختلف ملکوں کے تاجر جمع ہوتے تھے، اور تجارتی مال و اسباب خرید کر اپنے اپنے

ملکوں میں لے جا کر فروخت کرتے تھے، عقیق نامی بلاد بجابہ میں ایک مقام تھا یہاں سے ہندوستان کی اعلیٰ اطراف وجوانب کے بلاد وامصار میں جایا کرتی تھی، ہرمز فارس کی قدیم مشہور بندرگاہ تھی، یہاں پر ہندوستان کے مال براہ سمندر جاتے تھے اور پھر یہیں سے کرمان سجستان اور خراسان کے شہروں میں بھیجے جاتے تھے، قلہات، عمان میں ساحل سمندر پر ایک شہر تھا جہاں ہندوستان کے اکثر جہاز ٹھہرا کرتے تھے، بہت بعد تک یہ بندرگاہ آباد رہی، یہاں کے باشندے خارجی مسلمان تھے، قیس یا جزیرہ کیش بحر عمان میں بہت بڑا شہر تھا جس کی وسعت چار فرسخ تھی، بڑا خوبصورت اور عالیشان شہر تھا، عمان کا سلطان یہیں رہتا تھا، یہ مقام ہندوستان کے جہازوں کی بندرگاہ تھا، یہاں کے بادشاہ کے پاس اس قدر زیادہ جہاز اور چھوٹی کشتیاں تھیں کہ ہندوستان کے بادشاہ ان کی وجہ سے سلطان عمان سے مرعوب اور ہیبت زدہ تھے، یہاں بڑے بڑے بازار بھی تھے، قفط مصر، کے علاقہ اسوان کا شہر تھا، یہاں کے باشندوں کا زیادہ تر ذریعۂ معاش تجارت اور ہندوستان کا سفر تھا، جدہ بھی ہندوستانی جہازوں اور سامانوں کا بہت بڑا مرکز تھا، یہاں کے تاجروں کے پاس ہندوستان کے مال کثرت سے رہا کرتے تھے، اسی طرح سواحل عرب کے مقامات دارین، سمہر اور خط میں قدیم زمانہ سے ہندوستان کے تجارتی اموال وسامان کثیر مقدار میں رہا کرتے تھے۔[1]

غیر ملکی دلّال اور گماشتے

ان مقامات میں ہندوستان کے مال کے بڑے بڑے تاجر اور دلّال ہوا کرتے تھے، جو یہاں کے مال کو دوسرے علاقوں میں روانہ کرتے تھے، یا مقامی طور سے فروخت کرتے تھے، ابن جوزی نے المنتظم میں ۳۸۱ھ کے واقعات میں ایک طویل قصہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ جدہ میں

---

[1] حوالہ کے لیے معجم البلدان میں ان مقامات کے حالات ملاحظہ ہوں۔

مطوعی نامی ایک آدمی کا انتقال ہوا، جس کے پاس ہندوستان اور چین کے اموال و سامان تھے، نیز اس نے ترکہ میں بہت زیادہ دولت چھوڑی، اور اس میں سے امیر مکہ ابوالفتوح حسن بن جعفر علوی کے لیے ایک لاکھ دینار کی وصیت کی۔[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مطوعی بیرونی تجارت میں کس قدر آگے تھا اور اس کو اس میں کس قدر منافع تھا۔

ابومحمد یعقوب بن صالح سیرافی بہت بڑے محدث تھے، امام ابوعبید قاسم بن سلام کی تصنیفات ان کے پاس تھیں، وہ فارس اور ہندوستان کے تاجروں کا مالِ تجارت فروخت کیا کرتے تھے، مصر میں ۳۲۲ھ میں انتقال کیا۔[2]

ابن خضر کے حال میں لکھا ہے کہ وہ تجارت کے سلسلے میں بغداد سے نکل کر ماوراء النہر گئے، اور وہاں سے براہ سمندر ہندوستان گئے، اس تجارت میں ان کے پاس اچھی خاصی دولت جمع ہوگئی مگر وہ ہمیشہ زیادہ ہی کے چکر میں رہا کرتے تھے۔[3]

محدث اندلس امام ابوبکر محمد بن معاویہ بن عبدالرحمٰن اموی قرطبی متوفی ۳۵۸ھ قرطبہ سے تجارت کے لیے ہندوستان آئے مگر ایک مرتبہ بحری سفر میں ان کا ۳۰ ہزار دینار کا مال غرق ہوگیا، اور فقیر ہو کر واپس چلے گئے، اندلس میں سنن نسائی سب سے پہلے آپ ہی ذریعہ پہنچی۔[4]

دیبل کے مشہور تاجر اور عالم ابومحمد حسن بن حامد دیبلی بغدادی بہت بڑے تاجر اور مالدار آدمی تھے، جن کی تجارت بغداد میں تھی اور خان ابن حامد کے نام سے ان کی سرائے تھی، ظاہر ہے کہ یہ دیبلی تاجر ہندوستان سے مال برآمد کر کے بغداد اور غیر ممالک میں فروخت کرتے رہے ہوں گے۔

[1] المنتظم ج ۶ ص ۲۶۲۔ [2] المنتظم ج ۶ ص ۲۷۵۔ [3] المنتظم ج ۱۰ ص ۱۴۰۔
[4] العبر فی خبرِ مَن غَبَر ج ۲ ص ۳۱۲۔

ہندوستان میں آنے جانے والے یہ تاجر، جہازراں اور گماشتے صرف یہاں کی اشیا ہی ممالکِ اسلامیہ میں نہیں پہنچاتے تھے بلکہ ان کے ذریعہ ہندوستان کی تہذیب وثقافت اور روایات بھی دوسرے ممالک میں ان کی زبانی عام ہوتی تھیں، اور یہاں کے اخلاق وعادات اور علوم وفنون بھی ان کے واسطہ سے دور دور تک پھیلتے تھے، تجارت کے ذریعہ اسلامی دنیا کو ایک دوسرے سے ملانا مسلمانوں کا امتیازی کارنامہ ہے۔

اب ہمارا یہ تاریخی، علمی، دینی اور ثقافتی سفر ختم ہوتا ہے اور پھر ہم ایک ہزار سال پیچھے آرہے ہیں اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو اس ملک میں اپنے شاندار ماضی کا ورثہ سمجھ کر سینے سے لگاتے ہیں کہ اس کی گرمی سے ہماری ملی زندگی میں حرارت پیدا ہوگی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمدؐ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

مطبوعہ

ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی

حضرت مولانا ابو بکر بن محمد علی القرشیؒ کی مقبول اور شہرہ آفاق تصنیف

جلیس النّاصحین

۵/-

کا نہایت برجستہ، شستہ و پاکیزہ اردو ترجمہ

انیس الواعظین

از قلم فاضل اجل مولانا محمد برکت اللہؒ لکھنوی فرنگی محلی

اصل تصنیف بیش بہا — ترجمہ سونے پر سہاگہ

ایمان کو تازہ کرنے والی — جذبہ اطاعت الٰہی کو بیدار کرنے والی

ایک ایسی تصنیف جس میں نہایت دلچسپ انداز میں
چھوٹے بڑے مسئلوں پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔
علم و عرفان، دین و دانش، احکام شریعت، وعظ و
نصیحت، حقیقت و طریقت کا خزانہ ....
دینی حقائق و معارف کا گنجینہ ....
ایک انوکھی اور قابل قدر کتاب (قیمت مجلد ۱۶/۵۰ روپے)

ایمان کی تازگی اور جذبۂ اطاعت الٰہی کی بیداری کے لئے اس کا مطالعہ انشاء اللہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔